4

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفرنامے کی ترتیب اور مواد کے حصول کے سلسلے میں بعض لوگوں کی کامیابی حاصل ہوئی - اگر یہ سفرنامہ شائع نہ ہوتا تو ہم شاید ملت کے سفر بلاد اسلامیہ سے متعلق تاثرات سے لاعلم رہتے -

میری اس ادنیٰ سعی کو جو بعض لوگوں کی کامیاب ہوئی - اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتا ہوں -

[illegible]

بہادر یار جنگ کا سفرنامہ

بلادِ اسلامیہ (۱۹۳۱ء)

مرتبہ:- نذیر الدین احمد

قاید ملت نواب بہادر یار جنگ رح

(یہ تصویر شاہ فاروق نے اپنے فوٹوگرافر سے
بطور یادگار کھینچوائی تھی)

(بشکریہ : جناب ادریس خاں صاحب)

(سلسلہ مطبوعات بہادر یار جنگ ۔ ۳)

بہادر یار جنگ کا سفرنامہ بلادِ اسلامیہ

(سنہ ۱۹۳۱ء)

مرتبہ

مولوی نذیر الدین احمد صاحب
میونسپل کونسلر

(باہتمام)

ابراہیم بن عبداللہ مسقطی

ناشر

قائد ملت اکیڈیمی۔ چیلہ پورہ ۔ حیدرآباد ۲

قیمت :- دو روپیہ

طبع اول	پانچ سو
تاریخ اشاعت	جولائی ۱۹۶۹ء
قیمت	دو روپے
کتابت	محمد مظہر
طباعت	نیشنل فائن پرنٹنگ پریس
سرورق ڈیزائن	ایم۔ اے۔ غفار (آرٹسٹ)
طباعت سرورق	یووا پریس
بہ اہتمام	ابراہیم بن عبداللہ مسقطی

ملنے کے پتے:۔

۱۔ ادبی ٹرسٹ بک ڈپو
گنارا بنک بلڈنگ عابد روڈ۔ حیدرآباد
۲۔ نیشنل بک ڈپو۔ مچھلی کمان حیدرآباد
۳۔ حیدرآباد سنس مچھلی کمان حیدرآباد

جناب محمد اسحاق صاحب

معزز رکن بلدیہ (نلہ گٹہ سکندرآباد)

پروپرائٹر اسحاق سیکل مارٹ (حیدرآباد و سکندرآباد)

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے کرم فرما
دوست جناب الحاج سیٹھ محمد اسحاق صاحب
معزز رکن بلدیہ (نلگنڈہ) کے نام معنون
کرتا ہوں جن کو اللہ نے دین کے کاموں سے
شغف کی توفیق عطا کی ہے۔

ترتیب

ابتدائیہ	نذیر الدین احمد	۱۲
چاند کا دیوتا		۱۷
حضرت خالد بن ولید کی مزار مبارک		۱۹
سورج گھڑی		۲۰
مخروطی مینار		۲۲
بخاری کا بے مثل نمونہ		۲۴
سؤر کا گوشت		۲۶
میزبانِ رسول		۲۷
سفید دیوار سیاہ نقوش		۲۹
جمال الدین افغانی		۳۴

پتھر کی صراحیاں ۳۵
زمین دوز عظیم الشان حوض ۳۸
مرمریں صندوق اور نعشیں ۴۰
کہروبا کی تسبیح ۴۲
ہم مسلمان ہیں ۴۲
مسجد بایزید ۴۴
ترکی امراء کے بنگلے ۴۵
مینار روشن محراب تاریک ۴۵
غیرت مند ترکوں کی اولاد ۴۸
سبز مسجد ۴۹
بزدل بدو رہبر ۵۳
شہر سونا ۵۴
عصمت پاشا سے ملاقات ۵۵
خدائی عذاب ۵۷
ترکی ٹوپی ۵۹
تین روٹیاں ۶۰
بدوی لڑکیاں ۶۲
دجلہ کا کنارہ ۶۴
حضرت دانیال کا مقبرہ ۶۶

سونے کا پل	٦٦
حضرت غوث پاک کا گنبد مبارک	٦٩
بغداد کی گلیاں	٧١
روضۂ حضرت امام علی نقی رضؓ	٧۴
بارگاہ ابن رسولؐ	٧٦
کانچ کی جگمگاتی ہوئی خانقاہ	٧٩
بارگاہ حضرت علی رضؓ	٨٢
بالائے بام	٨٨
ایرانی حسن	٨٩
رات بھر سونے نہ دیا	٩١
جدید فارسی	٩٢
ایک فرانسیسی	٩٢
ایک ترکی لامذہب	٩٣
قصر شیریں	٩٣
پائے تاخ کی فرہادی	٩۴
سب سے بہتر حمام خانہ	٩۵
زرتشت	٩٦
مسلمان ڈرائیور	٩٩
شہر نو	١٠٢

چراغ برق ۱۰۵
ایرانی فنِ لطیف کے شاہکار ۱۰۷
اسلامی جمہوریہ کی داغ بیل ۱۰۹
ایران کی پارلیمنٹ ۱۱۰
ولی جان ۱۱۲
اصفہان ۱۱۴
خون کے پیاسے ۱۱۸
خوبصورت چارمینار ۱۲۰
(طہران) — بیکاری ۱۲۲
سفیر افغانستان ۱۲۳
ہندوستانی پروفیسر سے ملاقات ۱۲۵
چنار کا درخت ۱۲۵
اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی ۱۲۷
صور اسرافیل ۱۳۱
تختِ طاؤس ۱۳۲
ایرانی قالین ۱۳۳
طہران سے روانگی ۱۳۴
خراسان ۱۳۵
مشہد مقدس ۱۳۷
طلائی سکے ۱۳۸

مدرسۂ سلطان حسین کا مینار	۱۴۲
طوفانی موسم	۱۴۵
آلِ تیمور کی قبریں	۱۴۶
رسالہ مزاراتِ ہرات	۱۴۷
ایک گنبد چھ مزاریں	۱۴۸
افغانی عورتیں	۱۴۹
بے چراغ مسجد	۱۵۱
مال اور مالدار	۱۵۲
گیہوں کا گچھا	۱۵۵
مہدی موعود علیہ السلام	۱۵۷
دہقانی افغانوں کی محبت	۱۶۰
وداعی حاضری	۱۶۱
مقدمات کی سماعت	۱۶۱
ایک لاکھ آدمیوں کا قتل	۱۶۵
حیدرآبادی رومال	۱۶۷
پہاڑ کے دامن میں	۱۷۱
آگ کے شعلے	۱۷۲
جشنِ نجاتِ وطن	۱۷۴
وادیوں کے سرسبز کھیت	۱۷۶

وزیر دربار نادرشاہ	۱۷۹
سفیرِ ایران	۱۸۴
اعلیٰ حضرت نادرشاہ	۱۸۷
لبِ دریا	۱۹۳
بابر کا مقبرہ	۱۹۶
صحابۂ رسول	۱۹۹
بم سازی	۲۰۱
دوران سفر	۲۰۴
ایران	۲۳۰
بلادِ غریبہ	۲۳۵
جمہوریۂ ترکیہ	۲۳۹
ترکوں کا اسلام	۲۴۶
دلّی میں نیا ابن بطوطہ	۲۵۰
ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے	۲۵۱
مصر	۲۶۹
افغانستان	۲۸۳
افغانستان	۲۸۹
ایک مہینہ افغانستان میں	۲۹۱
عائدین اسلام کے خطوط	۲۹۴

نواب صاحب کے خطوط عمائدین بلاد اسلامیہ
کے نام ۳۰۵
نواب بہادر یار جنگ (بلاد اسلامیہ کے اخبارات
میں شائع شدہ تعارف) ۳۰۹
نواب صاحب دفتر "الہلال" میں ۳۱۰
نظام حیدر آباد ۳۱۲
امیر ہندی ۳۱۴
مکتوب مصر ۳۱۴
دکن کا نواب ابن بطوطہ (مصور فطرت کی نظر میں) ۳۲۱
بہادر یار جنگ کا سفر حج ۳۳۳
معلومات ۳۵۵
ایران ۳۵۵
عراق وغیرہ ۳۵۹
محاورات افغانستان و ایران ۳۶۵
یوسف حکمت سفیر ترکی سے ملاقات ۳۷۰
مصری صحافت ۳۷۱
ام المصریین ۳۷۲

مصری عالم	۳۷۲
معاشی صلاح وفلاح	۳۷۳
شیریں سخن	۳۷۳
میرا لباس	۳۷۳
میں اور میرا اللہ	۳۷۴
قران مجید کا ترجمہ	۳۷۵
قسطنطینہ	۳۷۶

ابتدائیہ

الحمد اللہ! فروری سنہ ۱۹۶۸ء میں قائد ملت کے
نقوش قلم کی اشاعت کے تحت "نگارشات بہادر یار جنگ" جون سنہ ۱۹۶۸ء میں "خطوط بہادر یار جنگ" اور نومبر سنہ ۱۹۶۸ء میں "بہادر یار جنگ کے خطوط مشاہیر کے نام" یہ تین کتابیں شائع کی جا سکیں۔ اسی سلسلہ کی چوتھی کڑی "بہادر یار جنگ کا سفرنامہ بلاد اسلامیہ" اب جولائی سنہ ۱۹۶۹ء میں پیش خدمت ہے۔

حضرت قائد ملت کے انتقال کے پورے ۲۵ برس بعد اور ان کے سفر بلاد اسلامیہ کے پورے ۳۸ برس بعد تقریباً نصف صدی کے گزرنے پر یہ سفرنامہ شائع کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے اس قدر جلیل قدر اور عظیم المرتبت قائد کی تصانیف کا اس قدر تاخیر سے شائع ہونا مسلم قوم کی اپنے اسلاف سے غفلت اور سرد مہری کا ایک افسوس ناک باب ہے۔

نواب صاحب کی نگارشات ہندوستان و پاکستان کے چپہ چپہ میں بکھری پڑی ہیں۔ کچھ قیمتی سرمایہ اب بھی لوگوں کے پاس الماریوں اور صندوقوں میں دفن ہے نواب صاحب کے سفرنامہ کا ایک اہم حصہ جو ان کا خودنوشتہ ہے لاہور کے کسی خانۂ ویراں میں پڑا ہے اگر کچھ اور دن اس جانب توجہ نہ کی جائے تو یہ بھی امتدادِ زمانہ کے بے رحم ہاتھوں تلف ہو جائے۔ ہمیں جو کچھ مواد اس وقت کے اخبارات و رسائل نواب صاحب کے پریس فائل اور ان کے قلمی مسودات سے مل سکا اسے بڑی تلاش و جستجو کے بعد یکجا کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ کچھ اور اہم کڑیوں کی کمی کے باعث یہ ایک مکمل سفرنامہ نہیں ہے۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ سنہ ۱۹۳۱ء کے عالم اسلام کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔

یہ مردِ حق جو ۳؍ فروری سنہ ۱۹۰۵ء کو نرم بستر اور گرم لحاف میں آرام کرنے والے ایک جاگیردار گھرانے میں پیدا ہوا جس نے علمائے ادب کے آگے زانوئے ادب تہہ کر کے اپنے ذہن رسا سے علم کے موتی رولے۔ ۱۸ سال کے سن میں جب یتیم ہو گیا تو جاگیر کی گراں بار ذمہ داریاں اس مردِ قلندر کے دامن سے وابستہ ہو گئیں۔ جائیداد کے پھولوں کے ساتھ آپسی رقابت کے کانٹے بھی تھے جو ہر لحظہ چبھتے رہتے۔ ۸ برس تک جاگیر کی تنظیم جدید کی اور اپنے ناخنِ تدبیر سے ۵ لاکھ کے قرض کی ادائی کے راستے نکالے اور مکمل قرض کی ادائی کے بعد ۹ ویں برس مسلمانوں کا یہ عظیم رہنما "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" کے مطابق تنگی سے فراغت پا کر سنہ ۱۹۳۱ء میں فریضہ حج و آرام گاہِ رسول کی زیارت اور خدا کے گھر و بارگاہ رسول سے سرفرازیوں کے بعد یہ مردِ خدا آگاہ و خدامست "سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ" کی تشنگی تکمیل میں بلادِ اسلامیہ کے ۷ ماہ کے دورے پر روانہ ہوا۔ ۱۹؍ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۹ھ کو رختِ سفر

باندھا اور ۱۹ رجمادی الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ کو واپسی عمل میں آئی۔ آپ نے عراق، شام، فلسطین انگورہ وسط ایشیا، ایران، ترکی اور افغانستان کے چپہ چپہ کو اپنے دیدۂ عبرت نگاہ و چشم بینا سے دیکھا۔ نواب صاحب نے اپنے اس سفر میں مسلم ممالک کے حال و احوال سے آگاہی کے ساتھ ساتھ مسلم عمائدین و اکابرین سے رابطۂ اسلامیہ کے خاکہ اور دیگر مسلمانوں کے مشترکہ مسائل پر گفتگو فرمائی۔ مسلمانوں کے درد سے ہر آن تڑپنے والا دل اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے لیے مشغول دماغ سفر کے دوران مسلمانوں کی پستی کے اسباب کا جائزہ لیتا رہا۔

مخفی مباد نواب صاحب کی سیاحت کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ بلاد اسلامیہ میں ہنوز جنگ عظیم کا شدید ردعمل جاری تھا اور ان کی سیاسی قسمت کی صورت گری ہو رہی تھی اس وقت بر اعظم ایشیا کے انتہائی جنوبی گوشہ کا سیاح جس کے قلب کی گہرائیوں میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی تمنا مچل رہی تھی اور عالم اسلام کے باہمی اتحاد کا تصور اس کے قوائے عمل کو جنبش دے رہا تھا۔ سفر کے دوران اس قائد مرحوم نے والیٔ حجاز، مصر، ترکی، ایران اور افغانستان کے اکابر و مشاہیر سے جن اہم مسائل پر گفتگو فرمائی ہے وہ ان کے اسی جذبۂ بے اختیار کی آئینہ دار ہے۔

اس سفر کے دوران نواب بہادر یار جنگ نے سربراہان حکومت، رہنمایان ملت اور بادشاہانِ وقت میں یوسف حکمت سفیر ترکی، عصمت پاشا، نادر شاہ، ام المصرین زاغلول (عام) امان اللہ خاں، مفتی اعظم سید امین الحسینی اور شاہ ابن سعود (وغیرہ) سے ملاقاتیں کیں اور نورانی ضابطۂ حیات کی روشنی میں مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے بارے میں باتیں ہوئیں اس مرد مجاہد سے جو کہ علاوہ چھ فٹ سے زائد قد و قامت نورانی کتابی چہرے والے

اس محمدؐ کے متوالے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا:۔

این سعادت بہ زورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سفر سے واپسی کے بعد قائدِ ملت نے حیدرآباد میں چار عظیم الشان جلسوں کو نواب قیامِ علیخاں کی کوٹھی میں منعقد ہوئے تھے مخاطب فرمایا۔ ان دل پذیر تقریروں میں نواب صاحب نے اپنے تاثراتِ سفر بیان فرمائے تھے۔ یہ صرف تاثراتِ سفر ہی نہ تھے بلکہ بلادِ اسلامیہ کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی حالات کا پورا عکس موجود تھا۔

حضرت قائدِ ملت نے اپنا سفرنامہ مرتب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اس کے ابواب کی ترتیب بھی ہوچکی تھی چونکہ دورانِ سفر آپ نے روزنامچوں کی صورت میں اور چھوٹی چھوٹی ڈائریوں میں منتشر معلومات قلمبند کرلیے تھے جس کی روشنی میں سفرنامہ کی تکمیل مقصود تھی لیکن سیاست کی بے پناہ مصروفیات اور قومی مسائل سے دلچسپی و انہماک نے ان کی زندگی کے ہر لمحہ کو قوم کا سرمایہ بنادیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سفرنامہ کا یہ کام کسی اور مناسب وقت کے لیے ملتوی ہوتا رہا۔

نواب صاحب کی وفات کے پورے ۲۵ برس بعد ان کے تاثراتِ سفر کو جو مضمون تقریر، خطوط یادداشتوں اور روزنامچوں کی صورت میں منتشر تھے۔ ذوق و عقیدت کی رہنمائی نے اس کام کو آسان بنادیا اور اب یہ منتشر اوراق "سفرنامہ بلادِ اسلامیہ" کی کتابی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔

اس امر کا اظہار از بس ضروری ہے کہ ایک منظم پروگرام کے تحت نواب صاحب کے ادبی، مذہبی، سیاسی تقاریر، خطبات و نگارشات کی مزید پانچ کتابیں بھی سلسلہ وار شائع

کی جارہی ہیں.

آخر میں میرا خوشگوار فریضہ ہے کہ میں ان اصحاب کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں میری مدد کی. اس خصوص میں میں مولوی شاہ عالم خاں صاحب مولوی کرم علیخاں صاحب بی اے ایل ایل بی شاہینؔ مولوی سید جلال صاحب جہرؔ، جناب سرور خاں صاحب رکن بلدیہ جناب سردار علیخاں صاحب سابق رکن بلدیہ جناب سید رضا صاحب پروڈیوسر لیس۔ آر فلمز اور جناب یسین خاں صاحب مالک زونز کمپنی کا بے حد ممنون ہوں کہ جن کی معاونت کے باعث یہ کتاب اس اہتمام سے شائع کی جاسکی.

مسودہ کی تیاری اور پروف ریڈنگ کے سلسلے میں جناب یوسف علی خاں صاحب (چیلہ پورہ) اور میرے بھانجے مرزا ذاکر علی بیگ متعلم نظام کالج میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس کے مالک جناب احمد علی صاحب اور جناب مظہر صاحب کاتب نے اس کتاب کی طباعت و کتابت میں بڑی دلچسپی لی۔ جناب عبدالقادر صاحب ٹائپسٹ کی خصوصی دلچسپی و ہمدردی نے میرے کام کو آسان بنادیا۔ جواں سال آرٹسٹ جناب ایم اے غفار نے بغیر کسی معاوضہ کے اس کتاب کا خوبصورت ٹائیٹل بنایا۔ میرے عزیز دوست جناب سیٹھ ابراہیم بن عبداللہ مسقطی کی پرخلوص معاونت کے بغیر اس عظیم کام کا سرانجام پانا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ والسلام

نذیر الدین احمد

میونسپل کونسلر۔ چیلہ پورہ۔ حیدرآباد

جنوری ۱۹۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چاند کا دیوتا

۲۳ر صفر ۱۹۵ھ م ۱۰ر جولائی جمعہ ۔ بعد مغرب بعلبک کے ارادے سے روانہ ہوا (بعلبک قدیم رومی زمانے کا شہر اور پُر فضا مقام ہے) مختصر آبادی دونوں جانب برف سے ڈھکے ہوئے سرسبز پہاڑ .

رومیوں نے یہاں پہلی صدی عیسوی میں جیوپٹر کا اور دوسری و تیسری صدی میں باکوس (چاند کے دیوتا) کا مندر بنایا جو نہایت عظیم الشان تعمیر ہے. اس کے لیے پتھر مصر کے مقام سوان سے منگوایا گیا تھا. اس کے ستونوں کی لمبائی ۱۴ فٹ اور قطر ۸ سنٹی میٹر ہے مندر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی ملتی ہے جس کے دونوں طرف سپاہیوں کے لیے برآمدے بنے ہوئے ہیں جس کی ہر جانب عمارت اور چھوٹی بڑی لمبائی ہیں جن میں جیوپٹر کی مورتیں رکھی ہوئی تھیں تیس سال میں جرمنوں نے اس کی کھدائی کی اور آثار برآمد کیے اور جتنی مورتیں دستیاب ہوئیں اپنے ساتھ لے گئے انمفی تھیٹر سے آگے بڑھ کر قربان گاہ ہے جس کو پانچویں صدی عیسوی میں مسیحیوں

نے گرجا بنایا۔ قربان گاہ کے عقب میں عظیم الشان خانقاہ تھی جس کے چھ ستون اب تک موجود ہیں۔ ان ستونوں کی بلندی جس میں تین پتھر استعمال ہوئے ہیں ۱۹½ گز اور قطر ۷ فٹ ہے۔ کارنس پر بہترین نقش اب تک موجود ہے۔ عربوں نے جب اس کو فتح کیا تو بت توڑ دیئے اور اس مندر سے قلعہ کا کام لیا۔ باکوس کے مندر کی مغربی جانب ساتویں صدی عیسوی میں تعمیر شدہ مسجد اب تک باقی ہے۔

جیوپٹر کے مندر میں آثار بہت برآمد ہوئے ہیں لیکن باکوس کے مندر میں کچھ بھی آثار پائے نہیں گئے۔ جیوپٹر کا مندر ایک مستطیل عمارت ہے جس کے اطراف ۶ فٹ قطر اور ۶۱/۲ گز طول کے ستونوں اور منقش پتھروں کی چھت کا ایک نہایت خوبصورت اور شاندار برآمدہ ہے۔ ہیکل کے اندرونی جانب قرنتی وضع کے ایسے ہی بڑے بڑے ستون ہیں۔ ہیکل کی چھت گر گئی لیکن داخلہ کا عظیم الشان دروازہ جس کے اطراف سنگ مرمر کے نہایت نازک نقوش بنے ہوئے ہیں اس کی اندرونی جانب مجسموں کے رکھنے کی کمانیں اور دیواریں اب تک باقی ہیں۔

داخلہ کی سیڑھیوں کے پاس جنوبی جانب عربی وضع کی ایک بہترین کمان ہے جس کے اندر قلعہ کی ضروریات کے لحاظ سے غار بنے ہیں۔

مندر کے مینار کو بلند کرنے کے لیے گولکنڈہ کی قطب شاہی گنبدوں کی طرح نیچے وسیع تہہ خانے اور کمانی وسیع راستے بنائے گئے ہیں۔

ان مندروں کے معائنہ کا ٹکٹ اور گائیڈ کی فیس ایک ایک لیرا سوریہ مقرر ہے۔ باکوس کے مندر کے سیرونی دروازہ کے جنوبی جانب وینس کا ایک چھوٹا سا مندر ہے جو باکوس کے مندر کے ساتھ تعمیر ہوا تھا لیکن بعد میں اس کو اس کو بیزنطینی دل

نے کلب بنایا، اس کے شکستہ آثار اب بھی باقی ہیں۔ عربیہ ہوٹل میں میرا قیام تھا۔ اور حمام کے مصارف ۳½ لیرا سوری ادا کرنے پڑے۔

بعلبک چھوٹی سی بستی ہے کچھ زیادہ دلچسپ بھی نہیں صرف مذکورہ بالا آثارِ قدیمہ کی وجہ سے اس کی رونق ہے، چونکہ آبادی دور واقع ہے اس لیے لوگ تفریح اور عیاشی کے لیے آجاتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید کی مزارِ مبارک

۲۴ صفر ۱۳۵۰ھ م ۱۱ جولائی شنبہ۔ صبح بعلبک کے کھنڈر دیکھے ۲ بجے حمص پہنچا شام کو حمص کی زیارتیں کیں۔ ہوٹل الزہر میں قیام کیا۔ پلنگ اور کمرے کا کرایہ جس میں حمام اور کھانا شامل نہیں ہے (۶۰) قروش سوری ادا کیا۔ بہت قدیم بستی ہے۔ تنگ گلیاں موٹے روڑے کی سڑکیں تنگ اور پست مکان۔ اب فرانسیسی حکومت نے سڑکیں وسیع کرنی اور بعض سرکاری مکان بنوانے شروع کیے ہیں حمص کی آب و ہوا خنکی اور صفائی کے اعتبار سے بہت مشہور ہے۔ یہاں کے باشندوں میں جذبۂ ایمان ہے مسلمان غریب اور اکثر پابندِ صوم صلواۃ ہیں تہذیب یورپ سے بہت کم متاثر ہیں۔

میں پریشان تھا کہ یہاں کی زیارت گاہیں کس سے معلوم کروں۔ ہوٹل والے نے کہہ دیا کہ یہاں حضرت خالد بن ولید کا مزار ہے۔ میدان یرموک کی زیارت اور حضرت عکرمہ ابن ابی جہل کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لیے میرا دل بے تاب تھا۔ راستے میں احمد سعید نام کے ایک نورانی صورت جواں سال بزرگ نظر آئے۔ بڑھ کر ان سے

سوال کیا ساتھ چل کر زیارت سے مشرف کرانے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک موٹر لے لی اور دو گھنٹے تک زیارتیں کیں۔ مولانا احمد سعید صاحب نے رات کا کھانا بھی گھر لے جا کر اپنے ساتھ کھلایا۔ جامع خالد بن ولید کو ڈھا کر جو ملک الظاہر نے بنائی تھی سلطان عبد الحمید نے نئی تعمیر کرائی ہے۔ شاندار عمارت ہے اس کے مینار دور دور سے نظر آتے ہیں۔ مسجد کے شمال مغربی گوشہ میں ایک چھوٹا خوبصورت گنبد ہے اس میں حضرت خالد بن ولید اور ان کے فرزند حضرت عبد الرحمٰن کا مزار شمال مشرقی کونے میں حضرت عبد اللہ ابن حضرت عمر کا مزار ہے۔ مسجد میں قالینوں کا فرش ہے اور خدام متقرر ہیں۔ حمص کے شمال کی جانب بہت فاصلہ پر انگور کے کھیت میں ایک بوسیدہ چوکھنڈی کے اندر حضرت عکرمہ ابن ابی جہل اور ریاب ترکمان کے پاس جس کے آثار ابھی باقی ہیں حضرت دحیہ کلبیؓ کا مزار ہے۔

نوٹ: حضرت سعد ابن وقاص اور حضرت دحیہ کلبی کی زیارت مقام مزہ دمشق میں بھی بتائی گئی تھی۔

سورج گھڑی

۲۵ر صفر ۱۳۵۰ھ م ۱۲ر جولائی ۱۹۳۱ء یکشنبہ۔ صبح ۷ بجے موٹر پر حمص سے روانہ ہوا۔ ۱۰ بجے حماۃ پہنچا۔ چھوٹا سا مقام ہے۔ قدیم وضع کی آبادی ہے نہر عاصی کے کنارے بڑی بڑی پن چکیاں نہایت خوش منظر ہیں۔ صرف تھوڑی دیر یہاں قیام رہا پھر حلب کی جانب روانہ ہوا۔ حمص سے حلب تک چٹیل میدان اور ان کے اطراف و جوانب میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ سایہ درخت کا نام و نشان

نہیں ملتا۔ ربیع کی کھیتیاں کٹ چکی تھیں۔ خریف کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہاں گاؤں کے مکان عجیب وضع کے دیکھے سب مخروطی گنبددار، کچی اینٹ کے بنے ہوئے۔ دور سے آبادی پر کسی بڑے قبرستان کا گمان ہوتا ہے۔

جیسے جیسے حلب کی طرف آگے بڑھتے گئے گرمی بڑھتی جاتی تھی۔ ایک بجے حلب پہنچا۔ جدید طرز کا بہت وسیع اور بڑا شہر ہے لیکن مسجد ذکریا اور اس کے قریب میں قدیم آبادی ہے وہی تنگ کچی سڑکوں کی گلیاں وسط شہر میں ایک مصنوعی پہاڑی پر قدیم قلعہ ہے جس میں اب فرانسیسی فوج رہتی ہے۔ حلب نہایت خشک اور وحشت ناک مقام ہے ایک آدھ مقام کے سوا جو شہر کے باہر ہے کہیں سبزی نظر نہیں آتی۔ شام کے برخلاف یہاں جمعہ کے بجائے اتوار کو عیسائی اور مسلمان سب اپنی دکانیں بند کر دیتے ہیں۔

مسجد ذکریا بہت وسیع مسجد ہے اس کا صرف ایک مینار ہے۔ سلطان ۴۸۲ھ میں بنائی تھی اس کے ایک دروازہ پر لکھا ہے کہ ۶۸۴ھ میں اس کی تجدید کی گئی تھی لیکن موجودہ عمارت جدید ہے۔ منبر کے پاس حضرت ذکریا علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔

۹۹۶ھ میں ابو محمد مصطفیٰ ابن محمد حسین الحسینی جو حلب کا حاکم عدل تھا اس میں اضافہ کیا۔ پھر سنہ ۱۱۶۰ھ میں سلطان محمود خاں ولد سلطان عبدالحمید خاں نے بعض حصے بڑھائے صحن میں اوقات نماز معلوم کرنے کے لیے ایک سورج گھڑی رکھی ہوئی ہے جس میں علم ہئیت کے لحاظ سے مذہب امام شافعی و امام ابن حنیفہ کے بموجب سایہ کی حالت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ گھڑی سنہ ۱۲۹۸ھ میں جمیل پاشاہ

حاکم حلب کے حکم سے بنائی گئی تھی۔

۲۶ صفر ۱۳۵۰ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء دوشنبہ۔ تھامس کوک کے پاس سے استنبول جانے کے لیے ریل کا ٹکٹ خریدا۔ مقررہ دام سے زیادہ ادا کرنا پڑا۔ اس کا بیان ہے کہ ٹکٹ کا بیمہ کرایا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہوٹل الخدیویہ میں مقیم ہوں کمرہ اچھا ہے ایک لیرا سوری ادا کیا ہے۔ مصارف طعام اس کے علاوہ ہیں۔

مخروطی مینار

۲۷ صفر ۱۳۵۰ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء سہ شنبہ۔ سعد اللہ بک المحامی کے ہاں گیا تھا۔ شام گئے ہیں ملاقات نہ ہوئی۔ کارڈ اور سید امین الحسینی کا خط چھوڑ آیا۔ ابراہیم خانو بھی باہر گئے ہیں۔ مشائخین اور علما سے نفرت تمام جہاں کے مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کر رہی ہے۔ یہی حال ترکوں کا ہوا اور یہی مصریوں اور شامیوں کا ہے ہندوستانی علماء کے لیے عبرت و بصیرت کا موقع ہے۔

حلب پستہ کی کاشت کے لیے مشہور ہے سالانہ لاکھوں روپیوں کا پستہ یورپ اور امریکہ کو برآمد کیا جاتا ہے۔ وکیل عبدالقادر سے ملاقات ہوئی۔ رات کھانے کی دعوت دی ہے۔ دکتور عبدالرحمٰن الکیالی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان کے نام میرے پاس احمد ذکی پاشاہ کا خط تھا۔ بہت اخلاق سے ملے۔ جدید تعلیم یافتہ ہیں مگر ان کے کمرے میں تفسیر و حدیث کی کتابیں دوسرے فنون سے زیادہ نہیں۔ ان سے رابطہ اسلامیہ کے مسئلہ میں گفتگو ہوئی۔ شہرت اور انجمن سازی کے مخالف ہیں ان کی رائے ہے کہ رابطہ اسلامیہ کا کام پوشیدہ اور آہستہ آہستہ کیا جائے۔ انھوں نے مجھے ساتھ لے جا کر حلب کے بعض

آثار قدیمہ دکھائے۔ دکتور عبدالرحمٰن الکیالی کے ساتھ مدرسۂ عثمانیہ کا معائنہ کیا۔ ۱۱۵۱ھ میں اس کی بناء پڑی ہے۔ اس میں دینی مدرسہ اب تک قائم ہے۔ شیخ مدرسہ اور علماء سے ملاقات ہوئی اور مختلف مذہبی اور اجتماعی مسائل پر گفتگو کی۔ مدرسہ خسرویہ کے معائنہ کے لیے گیا لیکن بند تھا آج سالگرہ جمہوریہ فرانسویہ کی تعطیل ہے ہر مدرسہ میں ایک عالیشان مسجد یا ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ہے میں اس کو عہد عروج اسلامی کی خصوصیت سمجھتا ہوں محلہ فردوس میں حنیفہ خاتون بنت ملک العادل والدہ سلطان ملک العزیز ابن ملک الظاہر کی بنائی ہوئی مسجد دیکھی جو سلطان الملک الناصر صلاح الدین کے زمانہ میں تعمیر ہوئی ہے۔ مسجد کے سائبان منہدم ہو گئے ہیں لیکن اندرونی حصہ جوں کا توں باقی ہے خصوصاً محراب لاجواب ہے۔ میں نے فن تعمیر کے نقطۂ نظر سے ایسا محراب سارے ملک شام میں کہیں نہیں دیکھا۔ محراب پر "عمل حیاہ بن عثمان" کندہ ہے۔

حلب اور شام کی مسجدوں میں مینار سے زمانہ تعمیر پہنچانا جا سکتا ہے جن مساجد کے مینار مربع ہیں وہ ترکوں اور چرسیوفی سے قبل کی تعمیر ہے اور جن کے مینار مخروطی ہیں وہ ترکوں کے زمانے کی اور مسدسی شکل چوکسوں کے زمانہ کی تعمیر ہے

پانچ بجے جمیل بک جبید ابراہیم پاشاہ آئے تھے اپنے ساتھ قلعہ کی سیر کے لیے لے گئے جو وسط شہر میں واقع ہے۔ اور ایک مصنوعی پہاڑی پر جس کے اطراف گہری خندق بنائی گئی ہے قلعہ کا صرف ایک راستہ ہے جو تین پیچ در پیچ دروازوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ دروازوں پر شاہی علامت کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ اگر گنبد حمام مساجد اور رتہ خانوں کے آثار باقی ہیں۔ ایک مسجد پر سنہ تعمیر ۵۶۳ھ درج ہے۔

اور دوسری ملک الظاہر نے بنائی تھی۔ اولذکراب تک محفوظ ہے لیکن اس کا بہترین منقش محراب یورپ کے عجائب خانوں کی زینت بنا ہوا ہے دوسری جس کا اونچا مینار باقی ہے بالکل منہدم ہوگئی ہے۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اصطبل کا کام لیا گیا تھا۔ ایک وسیع تہ خانہ ہے جس کو یورپ کے علماء آثار گرجا خیال کرتے ہیں اور میں ایک معمولی پناہ گاہ سمجھتا ہوں جیسی عموماً قلعوں میں ہوا کرتی ہے۔ کھدائی کا کچھ کام جاری ہے۔ اب قلعہ فرانسیسی فوج کی قیام گاہ ہے۔ داخلہ کے لیے ۵۰ فرنوش کا ٹکٹ ہے۔ آج فرانس کی جمہوریت کی سالگرہ کا دن ہے طیاروں نے شہر پر اڑ کر حلبیوں کو مرعوب کیا اور اپنی شوکت وعظمت کی نمائش کی۔

نجاری کا بے مثل نمونہ

۲۸ صفر ۱۳۵۰ھ م ۱۵ جولائی ۳۱ء چہارشنبہ۔ مدرسہ حلویہ دیکھا اور اس کے محراب کی زیارت کی جو لکڑی کا بنا ہوا ہے اور صنعت نجاری کا بے مثل نمونہ ہے یہ محراب بیزنطین کے آثار سے ہے۔ لیکن اس کی تجدید ہوتی رہی ہے ۶۴۳ھ میں سلطان ابوالمظفر یوسف بن ناصر کے زمانہ میں اس کی تجدید ہوئی تھی اس محراب پر سیپ کا کام تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ صانع کا نام ابی الحسینی محمد ابن الحرانی ہے۔

سلطان عبدالمجید کے زمانہ میں اس مسجد و مدرسہ کی تجدید ہوئی۔ اس مسجد کے اصل بانی مجوسی ہیں رومانیوں نے گرجا بنایا اور اب مسجد ہے۔

زمانہ تجدید کی طرف جا رہا ہے اور کوئی اس تجدد کو معتدل اور مطابق احکام اسلامی بنانے والا نہیں ہے۔ اس لیے تجدد باعث ضرر ہو رہا ہے۔ جیسا کہ ترکوں

کا ہوا۔

دن کا کھانا دکتور عبدالرحمٰن الکیالی کے ساتھ کھایا۔ شام کے ۴ بجے حسین بک ابراہیم پاشاہ کے یہاں گیا اور ان کا مکان دیکھا جو دراصل ملک جانبولاد ملک چرکسی کا بنایا ہوا ہے جو سلطان سلیم کا ہم عصر تھا۔ تعمیر قدیم عربی وضع کی ہے مکان چو محلہ ہے۔ خط کوفی اور پرانی چینی کے بہترین نمونے دیکھے۔

شیخ عبدالجلیل الورا مدیر اوقاف حلب سے ملاقات دمشق میں شیخ تاج الدین رئیس الوزرہ کے یہاں ہوئی تھی آج ان سے ملنے گیا تھا وہ اپنے ساتھ شیخ مرتوفی والی حلب کے یہاں لے گئے۔ تعلیم یافتہ اور باخبر جوان آدمی ہیں۔ شام کو بازدید کے لیے ہوٹل آئے تھے اور مجھے اپنے ساتھ اسٹیشن لے گئے۔ اسٹیشن پر دکتور عبدالرحمٰن الکیالی، استاد عبدالجلیل الوراجمیل بک ابراہیم پاشاہ اور بعض اخبار کے ایڈیٹر رخصت کرنے آئے تھے۔

ہوٹل خدیویہ میں میرے ساتھ شیخ مجحم عرکے بدوی قبائل کے ایک بہت بڑے سردار ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کا قبیلہ بنی تغلب کی شاخ ہے۔ مالکی المذہب ہیں ہزاروں کی تعداد میں ان کے ہم قبیلہ شمالی عرب میں پھیلے ہوئے ہیں ان کا کوئی خاص مستقر نہیں ہے گرمیوں میں شام کے اطراف آجاتے ہیں اور سردیوں میں جنوب میں اتر جاتے ہیں۔ شیخ گو بدوی قبائل کا سردار ہے لیکن مہذب اور تعلیم یافتہ ہے۔ اپنے حدود میں پورا مختار ہے ہر قسم کے مقدمات کا تصفیہ صرف اس کی زبان کرتی ہے۔ میرے سوال پر کہا۔ ہم آزاد پیدا ہوئے حر جئیں گے اور حر مریں گے۔ مجھے رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے تھے۔ دمشق کے اسٹیشن سے ہر دوشنبہ، چہارشنبہ

اور جمعہ کو ایک گاڑی راست استنبول جاتی ہے جو ۲½ دن اور دو رات چل کر استنبول پہنچتی ہے بہت آرام دہ کمرے ہیں اور کھانے کا ڈبہ ساتھ ہے۔ یہاں کی گاڑیوں میں یورپ کی طرح صرف ایک ایک آدمی بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی ہے اس لیے رات کو سونے کے لیے سلیپنگ کار کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے یا پھر ساری رات بیٹھے بیٹھے اونگھا کیجیے۔ حلب سے استنبول تک سکنڈ کلاس کا ریل کا ٹکٹ ۲۸ لیرا اور ۹۲ قروش سوری اور سلیپنگ کار کا ۱۲ لیرا ۸۴ قروش ہوا۔

سونے کے کمرے بہت آرام دہ ہیں۔ ہر دو آدمی میں ایک کمرہ ہے۔

رات کو جب تک ہم کھانے کے کمرے میں رہے سونے کے کمرے میں بستر بچھا دیا گیا جو ریلوے ہی کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے۔ رات آرام سے گزری۔

صبح آنکھ کھلی تو گاڑی ادانا کے اسٹیشن پر کھڑی تھی۔ اس اسٹیشن سے دو گھنٹہ قبل ترکی کی سرحد شروع ہو گئی تھی اور ہم پہاڑیوں کی چڑھائیوں کو عبور کر رہے تھے۔ عظیم الشان پہاڑ جن کی بعض چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی اور جن میں گاڑی تقریباً چار گھنٹے گھومتی رہی۔

سوّر کا گوشت

۲۹/صفر ۵۵ھ م ۱۶/جولائی ۳۱ء پنجشنبہ۔ ان پہاڑوں کی بلندی ایک ہزار چار سو میٹر بتائی گئی۔ پہاڑوں کے بعض مناظر اور کہیں کہیں بہترین جنگل قابل دید تھے۔ بعض جگہ کھیتیاں کٹ گئی ہیں اور کسان باوجود کمالی حکومت کی سختی کے اب بھی اپنے قدیم لباس میں دکھائی دیتے ہیں جو شام کے غرباء کے لباس سے مشابہ ہے۔ وہ اپنے

خرمن چھوڑ آئے تھے۔ اور کپاس کے کھیت ابھی کھڑے تھے۔ ترکی حصہ کے گاؤں ہندوستان خصوصاً حیدرآباد کے تلنگانہ کے گاؤں سے ملتے ہوئے ہیں۔ بعض پر گھاس اور بعض پر کویلو کی چھتیں وہی چھوٹے چھوٹے بے ترتیب روشن دان۔

طربوش (رومی ٹوپی) کے مرکز میں میری طربوش کو ہر جگہ حیرت کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ میرا لباس بھی تماشہ بنا ہوا ہے۔ آج صبح سے ایک اطالوی جوان کا ساتھ ہو گیا ہے جو ترکی کے کسی علاقے میں رومی ٹوپی کا بیوپار کرتا ہے اور اب استنبول جا رہا ہے۔

ناشتہ اور دو وقت کا کھانا ریفرشمنٹ کار میں کھایا۔ پیٹ کی دوزخ بھر رہا ہوں ہندوستانی کھانوں کی لذت کہاں سے لاؤں۔

آج کھانے کے کمرے میں ہی سے ربیع الاول کا چاند دیکھا۔

دوپہر کے کھانے میں راشد نامی ترک بیرا نے سؤر کا گوشت پیش کیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو مسلمان ہے تو کہا الحمد اللہ اور جب میں نے اس کو ڈانٹا تو کہا کہ بعض مسلمان یہاں کھاتے ہیں اس لیے میں نے پیش کیا۔

میزبانِ رسول

یکم ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۱۷ر جولائی ۳۱ء جمعہ۔ رات یہاں اچھی گزری۔ پانچ بجے اٹھا۔ ریل نہایت دل فریب مناظر سے گزر رہی ہے۔ جنگلوں سے بھرے ہوئے پہاڑ میوہ دار درختوں میں گھرے ہوئے کھیت۔ پہاڑوں پر بستیاں اور ہر بستی میں درختوں پر چمکتا ہوا گاؤں کی مسجد کا چھوٹا سا مینارہ۔ کہیں تیز، کہیں سست

رفتار نہریں کھیتوں میں یورپی ہیٹ اور سوٹ پہنے ہوئے کاشتکار۔ ۹ بجے ہم ازمت نامی شہر میں پہنچے۔ ساحل سمندر پر ایک پہاڑی پر آباد ہے۔ سمندر نے یہاں خلیج کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ہم جیسے جیسے استنبول سے قریب ہو رہے ہیں ہر اسٹیشن پر ترک لڑکے اور لڑکیاں سیب، شفتالو، انگور، انجیر، کشمش (خوبانی) وغیرہ سے بھری ہوئی ٹوکریاں بیچنے لاتے ہیں۔ ازمت کے بعد سے ریل سمندر کے کنارے کنارے چلتی ہے۔

ترکی میں جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے۔ دکانیں بند ہوتی ہیں۔ ریل میں مجھے ایک ترک اور ایک یہودی یا عیسائی یورپین سیاح کو تمیز کرنے میں دشواری ہوئی کیونکہ سب کا لباس اور وضع قطع ایک ہے۔

قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے قرن اولیٰ کی پہلی یادگار یعنی میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری کی زیارت کی جو قسطنطنیہ کے مغربی جانب ایک وسیع احاطہ میں واقع ہے۔ اب یہ پورا حصہ گورستان بن گیا ہے۔ سامنے عظیم الشان مسجد ہے۔ ایک گنبد میزبان رسول کی آرام گاہ ہے دروازے حکومت کی طرف سے مقفل ہیں صرف ایک درجہ کے پاس چھوٹا سا روشن دان ہے جہاں سے گنبد کا اندرونی حصہ اور قبر نظر آتی ہے۔ یہیں سے عاشقان میزبان رسول شوق دیدار پورا کرتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ کوٹ پتلون اور ہیٹ پوش ترک کھڑے خلوص سے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ شام کو حمام سے فارغ ہو کر پیرا کی سمت موٹر میں سیر کی قسطنطنیہ دو حصے ہیں ایک استنبول جو قدیم یورپ کی سمت کی آبادی ہے اور دوسری پیرا جو جدید یورپین آبادی ہے، ان دونوں کو گولڈن ہارن جدا کرتا ہے جس پر دو پل (قدیم

اور غلط) بنے ہوئے ہیں۔ پیرا یا سغورس کے ساحل پر واقع ہے۔

سفید دیوار سیاہ نقوش

۲ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۶۰ء شنبہ۔ مسجد رستم پاشاہ تختہ قلعہ میں واقع ہے یہ شخص سلطان سلیمان کا داماد اور وزیر تھا۔ مسجد ایاصوفیہ کی وضع کی گنبد دار ہے اطراف برآمدے ہیں لیکن دیواریں سب چینی کے ٹائل سے ٹپی ہوئی ہیں جو سولہوں صدی عیسوی کی ترکی صنعت کی بہترین یادگار ہیں۔ آیات قرآنی بھی مختلف ٹائل جوڑ کر بہترین خط میں بنائی گئی ہیں۔ ٹائل کا نقش بے نظیر ہے۔ مصلیوں کی تعداد روزانہ سو سوا سو بتائی گئی۔ سلطان محمد فاتح کی عالیشان مسجد محلہ فاتح میں واقع ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے یونانی رومانی گرجا تھا جس کو فاتح نے مسجد بنایا۔ اس مسجد کے پیچھے اسی مسجد کا بنانے والا ایک چھوٹے سے خوبصورت گنبد میں آرام کر رہا ہے۔ مسجد کی سفید دیواروں پر سیاہ نقوش ہیں۔ اس لیے انگریز اس کو بلاک اینڈ وائٹ ماسک ( ) کہتے ہیں۔ ایک گوشہ میں ایک مّلا صاحب بیٹھے بچوں کو قرآن عربی زبان میں پڑھا رہے تھے۔ مگر ہمارے یہاں کے اکثر مدرسین کی طرح عربی زبان نہیں جانتے تھے۔ برآمدہ اور خانقاہ کے حصے خراب ہو رہے ہیں۔ مسجد کی دوسری جانب فاتح کا بنایا ہوا بڑا مدرسہ ہے جو اب صرف اقامت خانہ رہ گیا ہے اور طلبا مدرسہ الفنون میں تعلم پاتے ہیں جہاں الہیات کا بھی ایک شعبہ ہے۔

سلطان بیگم کی مسجد سمندر کے کنارے نہایت خوش منظر مقام پر واقع ہے۔ مسجد میں بیرونی صحن فوارہ اور احاطہ کے علاوہ یہ خصوصیت رکھی گئی ہے کہ صرف ایک وسیع گنبد کسی ستون کے بغیر صرف دیواروں کے سہارے کھڑا ہے۔ اسی مسجد کے عقب میں سلطان سلیم اور سلطان مجید اول کی قبوریں ہیں۔

قسطنطنیہ کی مغربی جانب رومیوں نے بیزنطین پر فتح حاصل کرنے کے بعد گولڈن ہارن سے مارمورا تک پتھر اینٹ اور چونے کی ایک دیوار بنائی تھی جس کے آثار اب تک باقی ہیں۔ سطح زمین سے تقریباً (۱۲) فٹ بلند ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر برج بنے ہوئے ہیں۔ دیوار شکستہ حالت میں ہے۔ دیوار کو ہم نے جس مقام سے دیکھا اس کے نیچے "مہرماہ" دختر سلطان سلیمان کی بنائی ہوئی دو بلند مینار اور ترکی وضع کی ایک مسجد ہے۔ اور ہنا کالیورین موزائیک ماسک یا قریہ مسجد دیکھی۔ یہ دراصل ایک گرجا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے چینی اور خوش رنگ سنہرے پتھروں سے (جس کو موزائیک کہتے ہیں) دیواروں اور چھتوں پر حضرت عیسیٰ کی حیات طیبہ کے مختلف واقعات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ نہایت دلچسپ اور خوش رنگ تصویریں ہیں جن کی عظمت اب تک باقی ہے۔ مسلمانوں نے اس کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ اندرونی حصہ جل جانے کے بعد پھر تعمیر کیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں کی موزائیک کا کام صوفیا سے بہتر ہے۔

رومی کولے (سات برج) یہ وہ مقام ہے جو سلاطین بیزنطینہ نے شہر قسطنطنیہ میں داخلہ کے لیے ایک کمان یا دروازہ طریقہ پر بنایا تھا (۱۷۰۰) برس قبل کی یہ عمارت قریب الانہدام لیکن اب تک باقی ہے۔ اس کے تین برج تھے۔ سلاطین ترکیہ

نے ہم برج کا اضافہ کیا اور اس کو باقی تینوں جانب سے گھیر کر سیاسی مجرمین کے لیے قید خانہ بنا دیا۔ ہر برج میں کئی کمرے ہیں جس میں قیدی رکھے جاتے تھے۔ اب یہ جگہ ویران ہے۔ ایک برج میں وہ جگہ دکھائی گئی جہاں قیدیوں کو قتل کر کے ایک بے تھاہ کنوئیں میں ڈال دیا جاتا تھا۔

بعد طعام تین بجے اوقاف اسلامیہ (آثار اسلامیہ) کے متحف کی زیارت کی ایک کمرہ میں قرآن شریف کے ایسے نادر الوجود نمونے جمع ہیں جن کی زیارت کے بعد میں اپنی آنکھوں پر فخر کرنے لگا۔ شاہنامہ مثنوی مولانائے روم بوستاں، کیمیائے سعادت وغیرہ کے بعض بیش بہا نسخے دیکھے۔ خط نستعلیق قرآن شریف رکھنے کے منقش سیپ کے کام کے صندوق اور اصلی خطاطی کے بعض بہترین نمونے۔ وہ چار قرآن بھی دیکھے جن کی نسبت مشہور ہے کہ ان میں سے ہر ایک خلفائے راشدہ کے قلم کا تحریر کیا ہوا ہے۔ رسم الخط وہی ہے جس میں رسولؐ کے مکتوب تحریر کیے گئے تھے۔ یہ قرآن اونٹ کے چمڑے پر لکھے ہوئے ہیں اور شیشہ کی الماری میں بند ہیں۔

ایک اور کمرے میں سلاطین سلف کے لباس اور ان کے استعمال کی مرصع کار چیزیں رکھی ہیں جس میں قابل ذکر جہاد کا لباس ہے جس پر قرآن لکھا ہوا ہے۔

حضرت رسالتمآب کے موئے مبارک ایک مرصع شیشی میں محفوظ ہیں۔ تیسرے کمرے میں اور چیزوں کے ساتھ روضۂ رسول کی قدیم جالی محفوظ ہے۔ اسی طرح خانۂ کعبہ کی کنجی۔ مرصع شمع دان، قدیم قالین، منقش گلاب پاش، طلائی سیلانچی آفتابے۔ یہ متحف دراصل میں سلطان سلیمان کی عظیم الشان مسجد کے حوالی میں واقع ہے۔ اس مسجد کے اطراف میں سولہویں صدی عیسوی میں ایک عظیم بالشان مدرسہ تھا

جس کی عمارتیں اب تک باقی ہیں۔

جامع سلطان سلیمان کا استنبول کی دو تین بڑی مساجد میں شمار ہے۔ سامنے وسیع صحن اس کے اطراف کشادہ برآمدے ہیں۔ وسط صحن میں حوض ہے مسجد ترکی وضع کی ہے درمیانی گنبد بہت بڑا اور بعض کا خیال ہے کہ اطراف کے گنبد چھوٹے چار ستون بہت ہیں جو مصر سے لائے گئے ہیں۔ اس مسجد میں جانب قبلہ جو کھڑکیاں لگی ہیں مسجد اقصیٰ کی کھڑکیوں سے مشابہ ہیں اور رنگ برنگ کے شیشوں کی ترتیب کے لحاظ سے قابل دید ہیں۔ اس وسیع مسجد کے وسط میں صرف دو ضعیف اور ایک گوشہ میں ایک بوڑھی عورت مصروف عبادت نظر آئی۔ مسجد کے اطراف برآمدے اور عقب میں بانی مسجد کا مزار اور قبرستان کے اطراف کشادہ صحن ہے۔ چار بلند مینار ہیں جن میں سے پہلے دو میناروں کی دو دو منزلیں ہیں اور پچھلے دو میناروں کی تین تین اس طرح چار مینار اور دس منزل مراد یہ ہے کہ سلطان سلیمان سلاطین عثمانیہ میں دسواں اور سلاطین قسطنطنیہ میں چوتھا سلطان تھا۔ اس مسجد سے قریب ہی جامعہ استنبول کے کتب خانے میں سلاطین ترکیہ اور خصوصاً سلطان عبدالحمید خاں کے کتب خانے کے بعض نوادرات دیکھے۔ ایک تسبیح دیکھی جو سلاطین عجم نے عبدالحمید ثانی کو دی تھی جس کے ہر دانہ پر اسماء الٰہی سے ایک اسم کندہ ہے۔ دانے گو الماس سے مشابہ ہیں مگر الماس نہیں ہے۔ اور کانچ کے معلوم ہوتے ہیں۔ سونے کی لاکٹوں میں بہت سے چھوٹے حمایل ہیں جو حرم ہائے سلطانی پہنا کرتی تھیں۔ سونے کے پتروں کی دونوں جانب دلائل الخیرات لکھی ہوئی ہیں۔ اور اس پر مرصع کار جلد ہے جن پر زمرد، الماس اور یاقوت جڑے ہوئے ہیں۔ بعض جلدیں ایسی بھی دیکھیں جو موتیوں اور سیپ سے بنائی گئی ہیں۔ ریشم پر لکھے ہوئے قرآن شریف

بھی دیکھیے۔ کتابیں یا جواہر ترکوں نے نہیں بیچے۔ خزاین اوراق کا ایک حصہ بلغاریہ کو فروخت کیا گیا۔ اس علم کے بغیر کہ اس میں بعض بیش بہا اور لاقیمت دستاویزات ہیں۔

استنبول کا سب سے بڑا بازار تنگ گلیوں کا ایک سلسلہ پیچ در پیچ ہے جس کو بھول بھلیاں کہا جائے تو بے جا نہیں۔ ہر چیز کی فروخت کے لیے الگ الگ حصے قائم کیے گئے ہیں۔ قدیم اشیاء ایک طرف فروخت ہوتی ہیں۔ بازار میں مسقف اور راستے وسیع ہیں۔ چلتے پھرتے تھکان محسوس ہونے لگتی ہے۔ گلیاں سیدھی اور خوبصورت اسی بازار کی ایک جانب سراج خانے ہیں۔ جامع نور عثمان دیکھی جس کی تعمیر کو (۲۰۰) سال گزر چکے ہیں۔ محمود اول اور عثمان ثالث نے اس کو بنوایا تھا لیکن یہ استنبول کی جدید مسجد کہلاتی ہے جو ترکی وضع کی بہت بڑی ہے۔ میں جس وقت مسجد میں پہنچا تو نماز عصر کا وقت تھا۔ ترک وضو کر کے آتے اور ٹوپیوں کو الٹا کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تقریباً (۷۵) اشخاص کی جماعت ہوئی۔ اس میں جوان، بوڑھے سب شامل تھے۔ محل دولمہ باغچہ بنا کردہ سلطان عبدالحمید کے کنارے ایک بلند پہاڑی قہوہ خانہ میں بیٹھ کر خود ایک شیشہ لیمنیڈ پیا اور اپنے موٹر ڈرائیور احسان کے لیے ایک شیشہ بیر منگوایا اور اس سے باتیں کیں۔ مسلمان ہونے کا دعویدار ہے اور کہتا ہے کہ اگر شراب کا نشہ فتنہ پیدا نہ کرے اور لڑائی جھگڑا نہ ہو بلکہ خفیف سرور رہے تو حرام نہیں ہے۔ کمال پاشا کا مداح اور سلاطین کا شاکی ہے کہ سلاطین نے سارے ملک کا پیسہ اپنی ضروریات میں صرف کر دیا۔ کمال پاشا کے پاس صرف ایک موٹر ہے۔ ایک بیوی رکھتا ہے دوسرے نکاح کو ناجائز سمجھتا ہے حالانکہ پانچ سال سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے۔

دولمہ باغچہ کو چھت سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہی مقام ہے جہاں مغرب کا مرد بیمار

بیٹھ کر وحدتِ اسلامی کی تجاویز سوچتا تھا۔ نہایت دلکش منظر ہے۔ سامنے تھوڑے فاصلے پر سیدھی جانب بحر مارمورہ اور دوسری طرف بائیں جانب باسفورس میں چھوٹے بڑے جہاز کھڑے ہیں۔ سارے استنبول بلکہ ملک ترکیہ میں میرے سوا ترکی ٹوپی والا کوئی نہیں ہے کیوں کہ ان کے لیے یہ ٹوپی ۳ ماہ کے قید کا باعث ہوتی ہے جدھر جاتا ہوں خصوصاً نوعمر لڑکیاں تعجب سے دیکھتی اور دوسروں کو دکھاتی ہیں ٹوپی تو پہلے ہی سے تماشہ بنی ہوئی تھی شیروانی اور پاجامہ اس پر مستزاد ہے۔

موٹر کا کرایہ صبح ۹ بجے سے شام ۶ بجے تک دس گنی عثمانی اور اتنے ہی وقت کے لیے گائیڈ کی فیس ۶ گنی (ایک گنی عثمانی — ایک روپیہ ۵ آنہ ۴ پائی کلدار) ادا کرنی پڑی۔ ہوٹل سے متصل آج محمد نامی ایک سیلون کے باشندہ کی دکان دیکھی، نوجوان ہیں اور ہندوستانی سامان بیچتے ہیں، اردو نہیں جانتے کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ انھوں نے توفیق نام کے ایک صاحب سے ملایا جو ہندوستان کا سفر کر چکے ہیں۔ میرے ترجمان بننے پر راضی ہیں۔ عربی، فارسی کچھ اردو اور انگریزی جانتے ہیں۔

جمال الدین افغانی

۳؍ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ م ۱۹؍ جولائی ۱۹۳۱ء یکشنبہ۔ گھر کو خط لکھے۔ عبدالرحمٰن ہند بعد توفیق سے لے بھی آئے تھے دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ترکی میں افلاس روز افزوں ہے۔ ترکوں کی بہت بڑی تعداد نانِ شبینہ کی محتاج ہے۔

۲۔ ترکوں کی اکثریت موجودہ حکومت کو ناپسند کرتی ہے۔
۳۔ لاطینی حروف کے اجراء کے بعد سے اب تک کوئی علمی فنی کتاب درسی کتب کے سوا ترکی زبان میں طبع نہیں ہوی۔

محی الدین بک ڈپٹی گورنر (قسطنطنیہ) سے بھی ملاقات کی۔ توفیق بک ساتھ تھے۔ بہت اخلاق سے ملے۔ رسمی گفتگو کے بعد خود ہی اسلامیت کا تذکرہ چھیڑا۔ کہنے لگے یورپ ہماری تہذیب اور لباس کی وجہ سے ہم کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اس لیے ہم نے اس کی تہذیب اختیار کرلی اب اس میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ ہم دل سے مسلمان ہیں اور ہم اپنی اولاد کی تربیت بھی اسلامی طریقہ پر کریں گے

ترکی قبرستان کی عجیب کیفیت ہے۔ ہر قبر پر دو بڑے بڑے پتھر نصب ہیں ان پتھروں پر مرحوم کا نام اور واقعات حیات درج ہیں۔ اگر مرد ہے تو جس قسم کی ٹوپی یا عمامہ باندھا کرتا تھا اس کا نقش قبر پر بنا ہوا ہے۔ جدید قبروں پر نام لاطینی زبان میں کندہ ہیں اور بعض پر تصویریں آویزاں ہیں۔ جمال الدین افغانی کی قبر (لشکتاش ماچکا) کی بھی زیارت کی جسے چارلس کرائن نامی ایک امریکن سیاح نے ۱۹۲۶ء میں تعمیر کرائی ہے۔

پتھر کی صراحیاں

۴ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ م ۲۰ جولائی ۳۱ء دوشنبہ۔ مسجد والدہ سلطان (ینی جامع) دیکھی۔ دیواروں پر چینی کا کام ہے۔ خوبصورت دریچے اور وسیع احاطہ

ہے. بیان کیا گیا ہے کہ وسط شہر میں واقع ہونے کی وجہ سے ہر وقت مصلیوں سے معمور رہتی ہے.

جامع - زیں روز مسجد بہت قدیم اور وسیع عمارت ہے. معلوم ہوتا ہے رومیوں نے کسی فوجی ضرورت کے لیے بنائی تھی. بعد میں اس کو مسجد کی شکل دے دی گئی. اور ایک محراب و منبر قائم کر دیا گیا. غلطہ میں واقع ہے. بیان کیا گیا کہ اس مسجد میں حضرت سفیان بن عینیہ. عمرو ابن العاص ایک اور صحابی مدفون ہیں لیکن مجھے باور نہ آیا.

سلطان احمد کی عالی شان مسجد دیکھی. وسیع احاطہ اور اس میں چاروں طرف وسیع برآمدے ہیں اور اندر کشادہ صحن ہے بیچ میں خوبصورت فوارہ ہے. دروازہ بہت شاندار ہے بیزنطینی وضع کی وسیع عالی شان مسجد ہے. قبلہ کی جانب والی کھڑکیوں سے سمندر کا فرحت بخش منظر نظر آتا ہے. اس مسجد کے سامنے ایک مختصر سا پارک ہے جس میں رومی عہد کے تین بڑے ستون کھڑے ہیں. ایک ستون پتھر کا ہے جس پر ہیروگلافک خط میں کچھ لکھا ہے. دوسرا بہت بلند ہے لیکن اس کی بندش چونے اور پتھر کی ہے. تیسرا ستون برنجی یا آہنی ہے. قریب ہی میں وہ فوارہ ہے جو جرمنی کے قیصر ولیم نے ترکوں کی محبت کی یادگار میں بنوایا تھا.

کچھ آگے استنبول کی وہ عظیم الشان مسجد واقع ہے جس کے انداز پر بعد میں تمام مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں جو بیزنطینیوں کے فن تعمیر کی یادگار ہے. جس پر صرف میناروں کا اضافہ کر کے ترکوں نے بعد میں اسی نمونہ پر سب کی سب مسجدیں بنائیں یعنی مسجد ایا صوفیہ جس کو کئی سال تک کئی ہزار مزدوروں نے بنایا. کہیں کہیں

مزائیک کا کام بھی ہے۔ منبر و محراب کا اضافہ کر کے اس کو مسجد بنا لیا گیا ہے۔ یہاں ایک ترکی عالم ایک عربی کتاب سامنے رکھے ترکی زبان میں وعظ کر رہے تھے۔ سامعین میں چند بوڑھے، چند عورتیں اور ایک دو جوان تھے۔

محراب کے بائیں جانب منبر کے مقابلہ میں بادشاہ کے لیے ایک جگہ ذرا بلندی پر نماز کے لیے محفوظ کی گئی ہے جو ترکوں کی تعمیر ہے۔ مضبوط آہنی دروازوں سے داخل ہوتے ہیں۔ دونوں طرف دو پتھر کی بہت بڑی صراحیاں رکھی ہیں جو دراصل چشمے ہیں جس میں ٹونٹیاں لگادی ہیں۔ یہاں مصلی وضو کر سکتے ہیں۔ سیدھی جانب ایک دارالمطالعہ اور اس سے متصل ایک کتب خانہ ہے جس میں ایک لاکھ سے زیادہ دینی کتابیں جمع ہیں۔ فہرست موجود ہے ایک ستون پر منبر سے مغربی جانب سلطان محمد فاتح کے خون آلود پنجے کا (سفید) نشان دکھایا گیا ہے جو سطح زمین سے تقریباً پانچ گز بلند ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے گھوڑا اڑا کر یہ نشان کیا تھا۔ مقابل کے ستون پر گھوڑے کی ٹاپ کا نشان بھی ہے میں اس کو زیب داستان تصور کرتا ہوں۔ مسجد کے اطراف وسیع احاطہ ہے۔ عمارت بہت مضبوط اور اس کے مینار غلط کے پل سے نظر آتے ہیں۔

اس سے بہت قریب مارمورا کے ساحل پر مختصر اور خوشنما باغ ہے جس کو گل خانہ باغیچہ بھی کہتے ہیں اس کے ایک بلند مقام پر رومیوں کے زمانے کے کچھ آثار پائے گئے۔

شام کو توفیق بک اور عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ ایک ترکی قہوہ خانہ میں کھانا کھایا۔ ترکی میں مصر و شام کی طرح قہوہ خانوں کی کثرت نہیں ہے۔ کھانے کے

بعد لب ساحل ایک قہوہ خانہ میں ترکی گانا سُنا۔ ترکی نغمہ میں یورپ کا اثر غالب ہوتا جاتا ہے اور ان ہی کی سخن اختیار کیے جا رہے ہیں۔

زمین دوز عظیم الشان حوض

۵ ربیع الاول ۵۰ھ م جولائی ۳۱ء ۶ شنبہ۔ حسین بدر الدین بے سے ملا جن کے امیر سید الجزائری کا خط میرے پاس تھا۔ بہت اخلاق سے ملے۔ پرسوں جمعرات کے دن مجھے مدعو کیا ہے۔

تیسرے تان سرائے یا باسی لیکالسٹرن دیکھا ایک زمین دوز عظیم الشان حوض جس کی چھت ۳۳۶ پتھر کے عظیم الشان ستونوں پر کھڑی ہے اور جس کا رقبہ ۲۳۱/۲۶۲م فٹ ہے۔ رومانی شہنشاہوں نے محاصرہ کے زمانے میں پانی محفوظ رکھنے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اندر ایک چھوٹی کشتی پڑی ہے جس میں بیٹھ کر پھر سکتے ہیں۔ حوض برقی روشنی سے منور ہے۔

ایک چھوٹے سے ترکی ہوٹل میں کھانا کھایا پھر متحف عسکری کا معائنہ کیا توب کالو سرائے کے بالمقابل ایک قدیم رومانی گرجے میں جس کی قدامت اس کے ایک ایک کونے سے ظاہر ہے اور جس پر اب تک رومی تحریریں موجود ہیں ترکی عسکری نمائش گاہ قائم کی گئی ہے۔ مختلف قوموں ایرانیوں، بلغاریوں، رومانیوں آسٹریوں جرمنوں، فرانسیسیوں انگریزوں سے گزشتہ چھ سو سال کے عرصہ میں ترکوں نے جو ہتھیار چھینے اس کے نمونے سلیقہ سے جائے گئے ہیں۔ جگہ جگہ مشہور ترکی لڑائیوں کی تصویریں لگی ہیں اور خصوصاً ترکی کے مشہور جرنلوں اور سپاہیوں کی تصویریں ان کے

لباس و اسلحہ کے ساتھ محفوظ رکھی گئی ہیں۔ سلطان محمد فاتح اور سکندر اعظم کے اسلحہ بھی محفوظ ہیں وہ زنجیر جو پندرھویں صدی میں مسلمانوں کے سیل رواں کو روکنے کے لیے غلطہ سے توب کاتو بک سمندر میں گولڈن ہارن کی حفاظت کے لیے رومیوں نے باندھی تھی اور وہ جھنڈا جو سمرنا سے یونانیوں کے اخراج کے وقت مصطفیٰ کمال کے ساتھ تھا۔ زمانہ قدیم و عہد جدید کی بہترین یادگاریں ہیں۔ ینی چری جو سولہویں اور سترھویں صدی میں ترکوں کی مشہور فوج تھی اس کے لباس کو ظاہر کرنے کے لیے کئی مجسمے بنا کر رکھے گئے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی پگڑیوں کو دیکھ کر مغربی خواتین ہنس رہی تھیں اور منہ چڑا رہی تھیں میں نے بگڑ کر کہا۔ ان ہی بھونڈی صورت والوں کے نام سے تمھارے اجداد رعشہ براندام ہو جاتے تھے سن کر جھینپ گئیں۔

اسی دن توب کاپو سرائے میں جو سلطان عبدالعزیز کے زمانے تک سلاطین ترکیہ کی قیام گاہ تھی، سلاطین کی نشست گاہیں ان کی بیٹھک دربار ہال، سفراء سے ملنے کا کمرہ، ساحل سمندر والی سیر گاہ، رمضان میں افطار کے وقت بیٹھنے کا چبوترہ (بغداد سرائے) محلات بیگموں کے کھانے، سونے اور بیٹھنے کے کمرے حمام اور سنگھار خانے دیکھے۔ خواجہ سراؤں کے بیٹھنے کی جگہ دیکھی ایک وسیع کمرے میں شاہی ہتھیار سلیقہ سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ کئی کمروں میں شاہی محلات کی قدیم چینی جو ایک خزانے سے کم قیمت نہیں رکھتی محفوظ ہے۔

ایک اور کمرہ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کا وہ تخت رکھا گیا ہے جو ہندوستان سے ایران اور ایران سے ترکستان لایا گیا تھا۔ تخت پر جو تختی لگی ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے: "صنعت ہند عجیب صنعت است"

چاندی پر میناکاری اس میں موتیوں کے حلقے اور ہر حلقہ کے درمیان یاقوت
یا زمرد جڑے ہوئے ہیں جو ٹہنیاں بنی ہیں اس پر سب یاقوت جڑے ہیں گدے
لگے ہیں پاؤں رکھنے کی چوکی بھی ایسی ہی بنی ہے۔ سلاطینِ ترک کا ایک تخت بھی دوسرے
کمرے میں ہے جو سونے کے پتھر سے پٹا ہوا اور کہیں کہیں اس میں قیمتی پتھر جڑے
ہیں بسلاطین سلف کے لباس اور دستار و طرہ کو ظاہر کرنے کے لیے متعدد مجسمے
کھڑے کیے گئے ہیں جس سے دستار میں تبدیلی کے مدارج معلوم ہوتے ہیں سلاطین
کی چھڑیاں، گھڑیاں، فرش، قلمدان، آئینے، بچوں کے جھولے لباس اور اسی قسم
کی سیکڑوں چیزیں جو جواہرات اور موتیوں سے پٹی ہوئی ہیں کمروں میں سلیقے
سے سجائی گئی ہیں ہر شخص ایک لیرا عثمانی اور ان سب چیزوں کا نظارہ کر سکتا ہے۔

مرمریں صندوق اور نعشیں

۶ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۲۲ جولائی ۳۱ء چہارشنبہ۔ الدین ولد احمد
شفیق پاشاہ سے ملاقات کے لیے باسفورس گیا تھا ان کے والد کا مکتوب میرے
پاس تھا وہ وہاں موجود نہ تھے جی بھر کے باسفورس کی سیر کی۔ استنبول سے تقریباً
دس میل کے فاصلہ پر خلیج باسفورس کے اطراف قدرت نے پہاڑیوں، وادیوں اور
خوش منظر میدانوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم کیا ہے کہ نظر وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہے
امرا، سفرا، اور تجار نے گرمیوں کا موسم گزارنے کے لیے یہاں کوٹھیاں بنائی
ہیں۔ سمندر کے کنارے کنارے سڑک گئی ہے۔ اس کے اطراف کوٹھیاں اور باغ
دوسری طرف سمندری حمام ہیں جن میں عورت، مرد اور بچے ملے جلے نہا رہے تھے

اور کو دیکھا ندر ہے تھے عورتیں زیادہ تر روسی اور آریائی تھی۔ ان ہی عورتوں نے ترکوں کے اخلاق بگاڑ رہے۔ برائے نام تُستر عورت کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر اہتمام بھی ان کے لیے باعث زحمت ہے وہ مقام خاص طور پر دلچسپ ہے جہاں بحرا سود اور باسفورس کو تنگنائے ملاتی ہے۔ ان ہی پہاڑی سلسلوں میں جگہ جگہ پانی کے چشمے ابل رہے ہیں۔ ان میں ایک چشمہ "چرچر سو" بہت مشہور ہے جس کا پانی جلدی امراض کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے۔ صرف ایک مقام پر ایک نلکی لگی ہے اس سے ہر وقت باریک دھار گرتی رہتی ہے۔ اطراف میں اور چشمے بھی ہیں لیکن ان کی وہ تاثیر نہیں۔ لوگ دور دور سے آکر پیتے ہیں شیشوں میں محفوظ کر کے پانی دوسرے ملکوں کو بھی بھیجا جاتا ہے ایک اور چشمہ اس کے قریب ہنکار سو ہے (خونکار ترکی لفظ ہے جو بادشاہ، مالک یا بزرگ کے لیے مستعمل ہے) یہاں آج کسی مدرسہ کے طلباء اکسکرشن کے طور پر جمع تھے کچھ شائستگی کے ساتھ ہمارے لباس کی ہنسی اڑائی گئی۔ لیکن ممکن ہے انہیں تعجب اور مسرت کا اظہار مقصود ہو۔ اسی ہنکار سو پر جس کے اطراف بہترین مناظر اور وادیاں ہیں ہم نے کھانا کھایا۔ شام کو بنک سے رقم اٹھائی۔ اور عجائب خانہ عتیق کی سیر کی رومیوں کی بت تراشی کے اچھے نمونے جمع ہیں خصوصاً وہ مرمری صندوق جن میں ان کی نعشیں محفوظ ہیں۔ ایک دو کمروں میں شاہی محلات کی چینی کے لاجواب نمونے بھی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سکندر اعظم کی نعش کا صندوق بھی یہیں ہے۔ اسی عجائب خانہ کے دوسرے حصہ میں ترکی سلاطین کے آثار ہیں۔ مساجد قدیم کے بعض ہنر ترکی مصنوعی چینی، قالین، تانبے اور پیتل کے برتن دروازے وغیرہ وغیرہ۔

کہروبا کی تسبیح

۷ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۲۳ جولائی ۳۱ء پنجشنبہ۔ حسین بدرالدین کے ہاں دعوت تھی۔ ایشیا کی جانب باسفورس کی دوسری طرف "کسکلی" نامی ایک پرفضا مقام پر چھوٹے سے بنگلے میں رہتے ہیں۔ سلطان عبدالحمید کے مقرب تھے اور "بالا" کے درجے پر ممتاز جو بادشاہ سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ ساری عمر شادی نہیں کی۔ موجودہ حکومت سے بہت خائف ہیں۔ کسی سیاسی معاملہ میں گفتگو کرنا اور سننا گوارا نہیں کرتے۔ مجھے ایک کہروبائی تسبیح تحفتاً دی۔ ان کے گھر کے عقبی حصے میں ایک بلند پہاڑ "چملی جا" واقع ہے۔ کھانے کے بعد پہاڑ چڑھ کر اطراف عجیب وغریب مناظر دیکھے جو صرف قسطنطنیہ ہی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ہم مسلمان ہیں

۸ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۲۴ جولائی ۳۱ء جمعہ۔ عباس پشاوری ملنے آئے بہت بڑے تاجر ہیں۔ جاوا، چین، ملایا، یورپ اور عرب میں ان کی کوٹھیاں ہیں اور کامیاب تجارت کرتے ہیں۔ ایک مہینہ سے استنبول کے حالات کا معائنہ کر رہے ہیں یہاں بھی کوٹھی کھولنے کا قصد ہے۔ ان کے ساتھ فلوریا گئے۔ یہ استنبول کے جنوب مغربی جانب ایک ساحلی پرفضا موضع ہے۔ ساحل سمندر بہت بڑا اور اچھا۔ آج جمعہ کا دن تھا لوکل ٹرین میں بھر بھر کر لوگ نہانے کے لئے آرہے تھے۔ غیر اقوام نے ترکوں کو اپنی بداخلاقی سے متاثر کرنے کی جو صورتیں

پیدا کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ یہودی، ارمنی، یونانی، روسی، اطالوی عورت مرد تقریباً عریاں ایک دوسرے سے بے حیائی کے ساتھ چمٹتے، کھیلتے اور کشتے تھے۔ سمندر میں نہاتے اور ریت میں اگر خوب لوٹتے۔ اس میں ترک مرد تو کم شامل تھے لیکن عورتیں ہرگز نہ تھیں۔ اگر کوئی اپنے ساتھ کسی عورت کو لایا بھی تو وہ دور سے کھڑی شرماتی نگاہوں سے ان حرکتوں کو دیکھتی تھی سمندر کے کنارے کئی ہوٹل اور کرایہ کے چھوٹے چھوٹے کمرے نہانے والوں کی استراحت کے لیے بنے ہیں۔ کچھ فاصلہ پر ایک چشمہ کے کنارے بلند درختوں کا ایک سایہ دار کنج ہے۔ اکثر ترک خاندان اجنبیوں سے ملے جلے یہاں سجادوں پر بیٹھے ہوا خوری کر رہے تھے۔ بعض جھولوں پر جھول رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشن یہاں سے بہت قریب ہے۔ تقریباً ہر گھنٹہ کے فصل سے گاڑی چلتی ہے۔ یہاں سے ہم "سان سیتفانو" نامی ایک مقام پر آئے جس کو ایک ترکی روسی معاہدہ کا مقام ہونے کی وجہ سے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ پر فضا اور خوش منظر مقام ہے یہاں اکثر مرزائی اور یونانی رہتے ہیں۔ ترکوں کی کوٹھیاں بھی ہیں۔ حباک صاحب بھی اپنے دیسی لباس میں تھے۔ ہمارا لباس بہت تعجب سے دیکھا گیا ایک چھوٹی کردی لڑکی نے ہم کو عرب سمجھ کر بڑی شوخی سے مخاطب کیا۔ رات کو "توپ کاہو" والے قہوہ خانہ میں گانا سنا۔ ایک ترکی خاندان ہمارے ساتھ بیٹھا تھا میں نے لڑکی سے سوال کیا کیا تم مسلمان ہو؟ جواب اثبات میں ملا جب وہ جانے لگے تو ایک لڑکی نے کہا استنبول چل نکلا ہے اس کے ظاہر پر قیاس نہ کرو ہم مسلمان ہیں۔

مسجد بایزید

۹ ربیع الاول ۵۰ھ م ۲۵ جولائی ۳۱ء شنبہ۔ قصر یلاز کی عبدالحمیدی مسجد دیکھی چھوٹی مگر خوبصورت ہے اس وقت بند تھی باہر سے دیکھی۔ ۱۳۰۳ھ میں بنی ہے۔

قصر یلاز کے اطراف چکر لگائے دیکھنے کی اجازت نہ ملی۔

محمود خاں کی بنائی ہوی مسجد دیکھی جو ۱۲۴۱ھ میں تعمیر ہوی ہے۔ وہی بیزنطینی وضع مینار خوبصورت لیکن حفاظت کا انتظام نہیں ہے، جگہ جگہ منہدم ہوگئی ہے۔ ترکی میں چینی کے کارخانے بہت قدیم ہیں۔ ہر قسم کی ٹائل اور گلدوں وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ ٹائل میں نہایت خوش خط آیات وغیرہ لکھے جاتے ہیں اور نقش کیا جاتا ہے۔ لوز عثمانیہ مسجد سے متصل اس کا ایک کارخانہ دیکھا۔

بڑے مسقف بازار سے تسبیح اور دوسرے تحائف خریدے۔

دارالفنون کے سامنے بایزید کی مسجد دیکھی۔ ظہر کا وقت تھا نماز ہو رہی تھی۔ نمازیوں کی تعداد کافی تھی۔ والدہ عبدالعزیز خاں کی خوبصورت چھوٹی سی مسجد (اق سرائے) دیکھی۔ نہایت دیدہ زیب خوبصورت اندرونی حصہ میں نقاشی کا بہترین کام ہے۔ مسجد محراب منبر بھی بہت خوبصورت ہیں سگریٹ سازی کا بہت مشہور کارخانہ دیکھا جہاں کئی طرح کے سگریٹ تیار ہوتے ہیں جن کے لیے ترکی تمباکو اور یورپی کاغذ استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف مشینری پر سرد ہیں باقی سب کام عورتیں کرتی ہیں۔ کئی سو عورتوں کو مشغول پایا۔ غازی کمال پاشا

کے لیے بطور خاص سگریٹ تیار ہوتے ہیں جو اوروں کے ہاتھ فروخت نہیں کیے جاتے۔ یہاں کے کارخانوں، بینکوں اور دکانوں میں ترکی عورتیں مردوں کے دوش بدوش آزادی کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ آج دن کا باقی وقت کچھ ہوٹل میں اور رات کا کچھ حصہ بازار کی تفریح میں گزارا۔

ترکی امراء کے بنگلے

۱۰ ربیع الاول ۵۰ھ م ۲۶ جولائی ۳۱ء یکشنبہ۔ آج شیخ عبد الرحمن صاحب ہندی دیر سے آئے۔ دس بجے ان کے ساتھ پرنس آئی لینڈز دیکھنے گیا۔ قسطنطنیہ کے مشرق میں بحرابیض میں کئی چھوٹے چھوٹے خوش فضا منظر اور سرسبز جزائر ہیں یہاں کی آبادی کا کثیر حصہ آرمینوں، یونانیوں اور اطالیوں پر مشتمل ہے۔ سب سے بڑے جزیرے کا نام بیوک ادا (بڑا جزیرہ) ہے۔ چھوٹے چھوٹے جہازوں کا دو تین دفعہ استنبول سے ان جزائر کو روزانہ لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان جزائر میں سے ایک (حیلی) میں بہت بڑا بحری حربی مدرسہ ہے۔ یہاں ترکی امراء نے اپنے اپنے بنگلے اور باغ بنائے ہیں۔ نہایت پرفضا پہاڑیاں ہیں۔ جا بجا سمندر کے کنارے سمندری حمام بنے ہیں۔ ہوٹلوں میں نوجوانوں کی تفریح و تفنن کا سامان موجود ہے۔

مینار روشن محراب تاریک

۱۱ ربیع الاول ۵۰ھ م ۲۷ جولائی ۳۱ء دوشنبہ۔ آج بردسا کا قصد

تھا لیکن بنک سے رقم حاصل کرنی تھی اس لیے ارادہ ختم کر دیا۔ استنبول میں روزانہ تقریباً (79%) کلدار کے حساب سے خرچ آیا ہے۔ انشاء اللہ کل یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ آج استنبول کے بحری عجائب خانہ کے معائنہ کے لیے گیا۔ سمندر کے کنارے ایک وسیع عمارت میں جہاں پہلے وزارت بحری کا دفتر تھا عجائب خانہ قائم کیا جا رہا ہے۔ ابھی تو سامان کی ترتیب کا کام جاری ہے عوام کے لیے کھولا نہیں گیا لیکن میری اطلاع پر کمانڈر فواد بے نے بکمال اخلاق بلایا اور قہوہ سے تواضع کی اور جو چیزیں باہر رکھی تھیں دکھائیں کیوں کہ کمرے بند ہیں اور ان کی کنجیاں وزارت بحری کے دفتر میں محفوظ ہیں۔ قدیم کشتیوں کے مکمل نمونے قدیم ترکی کشتیوں کے نامون کے لیبل جہازوں کے لنگر اور اس قسم کی دوسری چیزیں باہر رکھی ہوئی تھیں۔ وہ مقام دیکھا جہاں بحر مارمورا میں ایک نہر "آب شیریں" آگر ملی ہے اور گولڈن ہارن کا آخری حصّہ ہے۔ یہاں سلاطین قدیم کی ایک عالی شان کوٹھی اور وسیع باغ بھی ہے۔ امراء نے بھی اپنے اپنے مکان بنائے ہیں موسم برسات میں یہاں آکر قیام کرتے ہیں۔ لیکن آج کل سب ویران پڑے ہیں

مغرب کے قریب ایک نہایت خوش منظر قہوہ خانہ میں چائے پی۔ عین مغرب کے وقت توپوں کی گرج سنائی دینے لگی معلوم ہوا کہ آج ربیع المنور کی بارھویں رات ہے۔ میلاد النبی کی یاد میں سلامی دی گئی ہے۔ پھر دیکھا کہ تمام مساجد کے مینار روشن کر دیے گئے ہیں۔ خیال ہوا کہ یقیناً مساجد میں چہل پہل ہوگی۔ مسجد ایا صوفیہ میں گیا کہ مغرب کی نماز وہیں ادا کروں۔ مگر یہ دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی کہ مینار تو روشن ہیں لیکن اس عظیم الشان مسجد کے دروازہ کے قریب دو تین قمقمے روشن

ہیں اور خود محراب و منبر کے پاس تاریکی ہے۔ ایک خدا کا بندہ کسی گوشہ میں بیٹھا ہوا ترتیل سے قرآن پاک تلاوت کر رہا تھا۔ ایک بڑھیا اور دو تین غریب ترک نماز پڑھ رہے تھے۔ مغرب کی جماعت ہو چکی تھی۔ ہم نے یہاں مغرب پڑھی پھر مسجد سلطان احمد کا راستہ لیا۔ اس کے صرف دو تین میناروں پر روشنی تھی لیکن دروازہ بند تھا۔ ایک اور مسجد میں جو عورتوں کی مسجد کہلاتی ہے نماز عشاء پڑھی ایک ترکی قہوہ خانہ میں کھانا کھایا اور گیارہ بجے ہوٹل لوٹا جس کے کمرہ کی ایک کھڑکی گولڈن ہارن کی طرف کھلتی ہے۔ اس میں سے سلطان محمد فاتح سلطان سلیمان کی مسجد کی روشنی کا منظر بہت پر لطف تھا۔ اتفاق سے کل کی تاریخ ترکوں کے حاکمیت ملیہ کے اعلان کی تاریخ تھی۔ یہ تاریخ عیسوی حساب سے ۲۸ جولائی ہے اس سال عید میلاد کے ساتھ واقع ہو گئی۔ یہ وہ دن ہے جب کہ سلطان حمید الدین کے انتقال کے بعد ترکوں نے سلطان عبدالمجید (موجودہ معزول سلطان) کو صرف خلیفہ کی حیثیت سے تخت پر بٹھایا اور سلطان کے سارے اختیارات سلب کر کے مجلس ملیہ کے حوالے کر دیئے تھے اور ملت کی حاکمیت (خود مختاری) کا اعلان کیا تھا۔ اسی تقریب میں آج رات کو تمام سرکاری دفاتر، بنک وغیرہ پر روشنی کی گئی تھی اور ہر ترکی کے اپنے مکان پر حسب استطاعت بڑی اور چھوٹی سرخ ہلالی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔

شب برات، شب معراج وغیرہ جیسی مقدس راتوں کو ترک "قندیل کی راتیں" کہتے ہیں۔ میں نے امتحاناً چند ترک نوجوانوں اور لڑکوں سے مساجد پر روشنی کی وجہ پوچھی تو جواب ملا کہ آج 'قندیل کی رات' ہے۔

غیرت مند ترکوں کی اولاد

۱۲ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۲۸ جولائی ۳۱ء سہ شنبہ - ۸½ بجے ناشتہ کر کے تیار تھا کہ ۹ بجے ہمارے گائیڈ عماد الدین صاحب آئے۔ ان کے ساتھ ہم نے غلطہ کے پل کے قریب ایک گودی پر بروصہ کا جہاز پکڑا۔ اس کے ڈک پر ہوادار جگہ ایک کرسی حاصل کی اور روانہ ہوئے۔ سمندر تالاب سے ساکت ہے۔

کل مسجد ایا صوفیہ سے ہم نکلنے لگے تو چند چھوٹے بچوں کو میں نے دیکھا کہ مجھے دیکھ کر حیرت اور خوف کے مشترک جذبات کے ساتھ بھاگ جاتے ہیں۔ جب میں باہر آیا تو ایک چھوٹی لڑکی کو میں نے چند پیاسٹر دینے چاہے۔ لڑکی گو پانچ چھ برس کی تھی۔ لیکن کسی شریف اور غیور ترک کی اولاد معلوم ہوتی تھی اس نے پیسے لینے سے انکار کر دیا اور صاف الفاظ میں کہا کہ میں مانگنے والوں میں نہیں ہوں۔ جب میں نے ازراہ محبت اس کو پیسے لینے پر مجبور کیا تو رو پڑی اور کہنے لگی "اے چاچا تو نے مجھے ذلیل سمجھا" میں صرف نماز پڑھنے آئی تھی میں مانگنے والی نہیں ہوں۔ میں اس واقعہ سے دیر تک متاثر رہا۔ آگ بوٹ ہی میں دوپہر کا کھانا کھایا ۱½ بجے مدانیا پہنچے۔ مختصر سا ساحلی مقام پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہے۔ بروصہ کے جہاز میں لنگر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں سے بروصہ تک ریل بھی جاتی ہے اور موٹر بھی چلتی ہے۔ ہم ریل میں روانہ ہوئے اور ۵ بجے بروصہ پہنچ گئے۔ ریل پہاڑیوں میں سے ہو کر کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں سے گزرتی ہے جو ہندوستانی دیہات سے مشابہ ہیں۔ راستہ میں ترکی کسان کھیتیاں کاٹ رہے تھے اور کھلیان کر رہے تھے باغوں کو پانی دے رہے تھے یا اپنے جانور چرا رہے تھے۔

مناظر نہایت دل فریب و دلکش تھے۔ بروسہ کو رومی شہنشاہ (
نے آباد کیا تھا۔ گیارھویں صدی عیسوی میں عثمان خاں اول بانی خاندان عثمانیہ نے
فتح کی بارھویں صدی میں پھر رومی اس پر قابض ہو گئے۔ تیرھویں صدی میں پھر ترکوں نے
لے لیا جواب تک ان کے ہی قبضہ میں ہے۔ چودھویں صدی میں قسطنطنیہ فتح کر کے محمد فاتح
نے استنبول کو دار السلطنت قرار دیا۔ بروسہ نیچی اونچی فضا و خوشنما منظر پہاڑ یولدہ
پر آباد ہے۔ راستے ناہموار ہیں۔ اب ان کی تعمیر ہو رہی ہے۔ ریشم کی پیداوار کے
لیے مشہور ہے۔ یہاں کے قدرتی چشمے بہت مشہور ہیں۔ بعد امتحان ڈاکٹروں نے اکثر
بیماریوں کے لیے مفید بتایا ہے۔ میں نے بھی امتحاناً ایک حمام میں آج علاجاً غسل کیا
جو وجع مفاصل کے علاج کے لیے مشہور ہے (۸۰) درجہ گرم پانی میں جو وسیع
حمام کے کئی چھوٹے چھوٹے حوضوں میں بھرا رہتا ہے سر اونچا رکھ کر (۲۰) منٹ تک
بیٹھے رہیں۔ اس قدر پسینہ نکلا کہ میں اسی میں نہا گیا اور حوض سے نکلنے کے بعد نشہ کی
سی کیفیت طاری ہوئی۔ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ دیر تک اوڑھے بیٹھا رہا۔ باقی وقت
انادول ہوٹل میں گزارا جو یہاں کا سب سے بڑا لیکن معمولی سا ہوٹل ہے۔

عشاء کے بعد قریب کے بازاروں میں چل قدمی کی پردہ والوں کی دلچسپ
شام کا تماشہ دیکھتا رہا اور اپنے لباس کی وجہ سے خود ان کا تماشہ بنا رہا۔

سبز مسجد

۱۳ ربیع الاول ۵۰ھ م ۲۹ جولائی ۳۱ء چہار شنبہ۔ سب سے پہلے گرم حمام
کیا۔ پھر ناشتہ کر کے عجائب خانہ کی راہ لی۔ ایک قدیم مدرسہ کی عمارت میں رکھو

یونانیوں اور ترکوں کے آثار خطاطی سلطان مراد کا عمامہ عام اور خاص استعمال کے عمامے محفوظ کیے گئے ہیں۔ امیر سلطان یعنی سلطان سلیم فاتح مصر کی مسجد اور مقبرہ دیکھا۔ مسجد بہت خوبصورت ہے۔ صحن اور حوض مختصر لیکن زیادہ زیبا ہیں۔ محراب ان دونوں محرابوں میں سے ایک ہے جن کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ خطاطی کے بعض لاجواب نمونے دیکھے۔ مقبرہ مقفل ہے۔ باہر ہی سے فاتحہ پڑھی۔

سبز مسجد دیکھی جامع الگی زیارت کی جو سلطان محمد چلبی کی بنائی ہوئی ہے سنگ مرمر کا بنا ہوا پیش دالان محرابی وضع کا عالی شان مرمریں دروازہ جس کے اطراف خط کوفی و نسخ میں دوہری تحریریں منقوش ہیں جن سے نقاشی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ مسجد نہایت خوبصورت ہے اور اس کے اندر دیدہ زیب حوض بنا ہوا ہے۔ مسجد میں سبز چینی کا کام ہے اس لیے اس کو سبز مسجد کہتے ہیں۔ سبز چینی کا بے نظیر محراب ہے۔ یہاں کے مینار اونچے اور شاندار ہیں لیکن سلطان احمد یا سلطان سلیمان کی استنبول والی مساجد کے میناروں والی بات نہیں ہے۔ البتہ محراب سب تمسد ہیں۔

اس مسجد کے عقب میں اس کے بانی سلطان محمد چلبی ابن بایزید ابن بامراد کی قبر پر عالی شان گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ گنبد پر بھی سبز چینی کا کام ہے دروازہ پر اور اس کے اندر خوبصورت محراب بنے ہیں۔ سلطان کے پائیں اس کی بیوی اور تین لڑکیوں کی قبور ہیں اس کی سیدھی جانب اس کے دو بیٹوں محمود اور مصطفیٰ کی ہیں اور بائیں جانب اس کے بیٹے یوسف کی قبر ہے۔

ریشم نکالنے اور اس سے کپڑا تیار کرنے کا کارخانہ دیکھا اس کا نام

ترک جاپان ویونگ فیکٹری ہے کیونکہ بعض جاپانی اس کے حصہ دار ہیں بہت اچھا کپڑا بنایا اور رنگا جاتا ہے۔ یہاں کی بڑی مسجد (علو جامع) دیکھی نہایت شاندار مسجد ہے۔ محراب بہت اچھا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پورا محراب سونے کا بنا ہے۔ محراب کے اطراف بے نظیر چینی اور خطاطی کے جو نمونے یہاں دیکھے کہیں نہ دیکھے تھے۔ بروسہ کا چھوٹا سا مسقف بازار دیکھا۔

سلطان عثمان اول بانی خاندان عثمانیہ اور سلطان احمد ثانی کے مقبرے دیکھے۔ یہ سب مقفل ہیں۔ موجودہ حکومت شاید یہ چاہتی ہے کہ دنیا ان سلاطین کو بھول جائے۔ سلطان مراد بن محمد بایزید کی مسجد سادہ اور پُر کار ہے۔ البتہ محراب رنگین ہے۔ یہ ۸۳۰ھ میں تعمیر ہوئی ہے۔ بروسہ کی مساجد کا طرز تعمیر بزنطینی نہیں بلکہ قدیم مشرقی ہے۔ گلبرگہ شریف اور چاپانیر شریف کی مساجد کی طرح ہیں۔ اس مسجد کے قریب ہی ایک گنبد میں سلطان مصطفیٰ ابن سلطان محمد فاتح۔ سلطان عبداللہ بن سلطان بایزید ثانی۔ سلطان احمد لی وغیرہ سلاطین کی قبریں ہیں۔ اسی کے بازو ایک اور چھوٹے صاف ستھرے گنبد میں سلطان مراد ثانی کی قبر واقع ہے اس سے متصل ایک کمرہ میں سلطان علاءالدین بن سلطان مراد سلطان احمد بن سلطان مراد اور کوچک سلطان احمد بن سلطان مراد کی قبریں ہیں۔

گنبدوں کے سامنے کے سایہ بان عموماً لکڑی کے مگر خوشنما ہوتے ہیں ایک اور گنبد میں سلطان احمد بن سلطان بایزید اور سلطان مصطفیٰ بن سلطان سلیمان اور چند شہزادوں کی قبریں ہیں۔ کئی اور گنبد اس کے اطراف پھیلے ہوئے ہیں یہ حصہ پورے کا پورا شاہی خاندان کا قبرستان ہے۔ بروسہ کے باشندے مغربی

طرز معاشرت سے ابھی پوری طرح متاثر نہیں ہوے ہیں۔ عورتیں باہر نکلتی ہیں لیکن عموماً شرعی پردہ کے ساتھ صرف منہ کھلا رہتا ہے۔ برقعے بھی ٹخنوں تک ہوتے ہیں۔ ریشم کے کارخانوں میں بھی لڑکیاں کام کررہی تھیں لیکن پورے لباس میں یہاں تک کہ سر اور گردن تک کساوے بندھے ہوے تھے۔ مکانات عموماً سفالی ہوتے ہیں جن کی وضع قطع حیدرآبادی سفالی سے مشابہ ہے۔ تین تین منزلہ عمارتیں صرف لکڑی کی ہوتی ہیں۔ دیواریں بھی چوبی تختوں کی بنائی جاتی ہیں لیکن آتش گیری کا خطرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب لکڑی کا استعمال ترک کیا جارہا ہے اور پتھر کے پختہ مکان تعمیر ہورہے ہیں۔ آبادی زیادہ تر مسلمانوں کی ہے کچھ یہودی بھی آباد ہیں۔

چار بجے حمام گیا اور پانچ بجے موٹر پر یالوا روانہ ہوا۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں خوش فضا سرسبز وادیاں ہیں کھیتوں سے ترک عورتیں اور مرد کام کرکے گھروں کو پلٹ رہے تھے میرے لباس کو مختلف لوگ مختلف نظر سے دیکھتے ہیں ضعیف العمر مشرق پسندیدہ نظروں سے مسکراتے ہوے، ادھیڑ عمر کی عورتیں اور مرد تعجب و حیرت کی نگاہ سے جیسی اجنبی چیز کے لیے ہوا کرتی ہے۔ نوجوان استحقار و تضحیک کی نظر سے۔ مجھے تعجب اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ۔ لیکن مرعوب سب ہوے ہیں۔ جدھر گزر جاتا ہوں یہ یقین کرتے ہیں کہ کوئی بڑا شخص ہے جو زمانے کی رو کے خلاف اپنی روش پر قائم ہے۔ ہر طرف گردنیں جھکتی اور سلام ہوتے ہیں۔

مغرب کے وقت ہم یالوا کے مختصر گاؤں اور بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ یہاں کا ساحل بہت اچھا اور وسیع ہے۔ اس گاؤں سے تقریباً تھوڑے سے فاصلہ پر دو

خوش فضا اور سرسبز پہاڑیاں واقع ہیں جن کو استنبول کی جنت کہا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ ہوا میں خاصی سردی معلوم ہوتی ہے۔ اونچی اونچی پہاڑوں پر اب مصطفےٰ کمال پاشاہ کی توجہ سے بنگلے اور ہوٹلیں بننے لگے ہیں۔ یہاں کا ایک چشمہ بھی ہے جس کا پانی مشہور ہے کہ مفید صحت ہے۔

بیز نطینیوں نے اس پر گنبدی قسم کے حمام تیار کروائے تھے جو مرورِ زمانہ سے منہدم ہونے کے قریب تھے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشاہ کی توجہ سے اب یہ جگہ آباد ہوتی جارہی ہے۔ سڑک یالوا سے یہاں ایک پختہ سڑک بن گئی ہے جدید ہوٹل قائم ہو رہے ہیں۔ ہوک رول آرام دہ پرتکلف سب سے بڑا اور سب سے مہنگا ہوٹل ہے۔ ایک دن کے قیام وطعام کا معاوضہ (۱۶) لیرے ترکی یعنی ۱۲ روپے کلدار ہوتا ہے۔ رات کو چاندنی میں ان پہاڑیوں پر بڑے لطف سے گزری۔

بزدل رہبر

۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء پنجشنبہ۔ ۹ بجے ناشتہ کے بعد ڈاکٹر کے یہاں جاکر معائنہ کروایا۔ حمام سے قبل یہ معائنہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ چشمہ کا پانی نہانے والے کے لیے مضر تو نہ ہوگا۔ معائنہ کے بعد حمام میں داخل ہوا بہت سے چھوٹے چھوٹے کمرے کپڑے بدلنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ایک وسیع کمرے میں بڑا حوض گرم پانی سے بھرا ہوا ہے تاکہ سب مل کر نہائیں۔ اس کے اطراف بند کمروں میں چھوٹے چھوٹے جدا جدا حوض بنے ہیں۔ یہاں بھی وہی (۲۰) منٹ کا حساب ہے کہ پانی میں پڑے رہو۔ حمام سے واپس آکر کچھ خطوط لکھے۔ موٹر میں یالوا کی بستی تک گیا

یالوا سے تھوڑے فاصلے پر مصطفیٰ پاشاہ نے اپنے کھیت میں لب ساحل ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان بنوایا ہے اس کے ساتھ ایک ساحلی حمام بھی ہے۔ کھیت میں جدید آلات سے کاشت ہوتی ہے۔

غازی پاشاہ آج کل یہیں یالوا میں مقیم ہیں، میرا ارادہ تھا کہ ان سے ملاقات کروں، مگر یہاں مجھے جو رہبر ملے وہ بزدل اور کمزور تھے اس لیے میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ ترک ہندوستانیوں کی طرف سے مشکوک ہیں اور ہر ہندوستانی مسلمان کو انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں۔ بعض ہندوستانیوں نے کیا بھی ایسا ہی۔ مثلاً مصطفیٰ صغیر کا واقعہ ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اس لیے وہ یہاں مجھے کسی سے ملاتے گھبراتے ہیں۔ شام کو پانچ بجے یالوا سے چلے۔ جہاز (۶) بجے روانہ ہوا سمندر میں تلاطم ہے۔ تیز ہوائیں چل رہی ہیں۔ یالوا سے استنبول تقریباً تین گھنٹے کا راستہ ہے۔ سب کے سب سمندری بیماری میں مبتلا ہو گئے لیکن الحمدللہ میں محفوظ تھا رات کو پیرا پلاس میں قیام کیا۔ گائیڈ کے ساتھ ہونے سے اس سفر میں اخراجات کا بہت بار پڑا۔ اس کی فیس کے علاوہ دس لیرے روز قیام و طعام کے ادا کیے گئے۔ سواری کا اپنے برابر اس کے لیے بھی انتظام کرنا پڑا۔ تقریباً دو سو روپے اس مختصر سے سفر میں خرچ ہوئے۔ حلب سے ترکی آنے اور پھر واپس جانے کے اخراجات کا اندازہ ایک ہزار کلدار سے زیادہ ہے۔

شہر سونا

۱۵ ربیع الاول ۵۰ھ م ۳۱ جولائی ۳۱ء جمعہ۔ تمام دن ہوٹل پر رہا۔ جمعہ

ہے استنبول کی تمام دکانیں بند ہیں اور لوگ اطراف و جوانب میں سیر کی غرض سے روانہ ہوگئے ہیں۔ شہر سونا معلوم ہوتا ہے۔ گھر سے خط آیا اطمینان ہوا۔ شام کو ۶ بجے ہوٹل سے چلا۔ خلیج کے پل سے ایک چھوٹے آگ بوٹ پر حیدر پاشا گیا۔ سات بجے گاڑی چلی۔ سونے کے کمرے میں پہلے سے سیٹ مخصوص کر دالی تھی۔ رات آرام سے گزری۔ عبد الرحمٰن ریاض سے ہندی اسٹیشن تک چھوڑنے آئے تھے۔ ان کو ۲۵ لیرا ترکی انعام کے طور پر دیئے۔

عصمت پاشا سے ملاقات

۱۶ ربیع الاول ۵۰ھ یکم اگست ۳۱ء شنبہ۔ ۹ بجے انگورا پہنچے یونانیوں کے زمانے کا قدیم شہر ہے ایک پہاڑ پر قدیم گڑھی کے آثار باقی ہیں۔ ایک یونانی گرجے کی دیواریں بھی کھڑی ہیں اور اس کے صحن میں جو پتھر جمع ہیں ان کے دیکھنے سے بعض اسوری اور عتیق آثار بھی نظر آئے۔ اسی گرجے کے بازو یہاں کی سب سے بڑی اور قدیم مسجد بھی ہے جو ۱۱۲۶ھ میں بنی ہے۔ قدیم آبادی بالکل ہندوستان کے قدیم دیہاتوں سے مشابہ ہے۔ کولو کے پست مکان، تنگ گلیاں پرانی وضع کا لباس پہنی ہوئی بوڑھی عورتیں۔ قدیم وضع کے تنگ اور گنجان بازار وغیرہ اسی قدیم آبادی کے مشرقی و جنوبی جانب نئی آبادی بسائی جارہی ہے جس کو نیا شہر کہتے ہیں اسٹیشن کے آگے چلتے ہی انقرہ پلاس ہوٹل واقع ہے اور اسی میں میرا قیام ہے اس کے بالمقابل پارلیمنٹ کا دو منزلہ کم رو اور مختصر سا مکان ہے۔ آگے چوراہے میں مصطفیٰ کمال پاشاہ کا گھوڑے پر سوار مجسمہ کھڑا ہے۔ بائیں جانب ترکی بنک ہے

اس کے پیچھے وزارت مالیہ اور وزارت عالیہ — کی عمارتیں ہیں۔ مجسمے سے پرانی بستی کی جانب آگے بڑھو تو وزارت عامہ وغیرہ کے دفتر واقع ہیں۔ مجسمے سے سیدھی جانب زراعتی بنک کی عظیم الشان عمارت ہے اس کے بازو عثمانی بنک (ار وتوماں بنک) کی جدید عمارت بنی ہے آگے ایک بلند ٹیلہ پر ایک عالیشان مکان ہے جس کو میرے گائیڈ نے نوجوان ترکوں کی تفریح گاہ بتایا اور میں نے اس کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کلب ہے۔ اس میں ایک تھیٹر بھی بنا ہوا ہے اس عمارت سے متصل عجائب خانہ ہے جو آج بند تھا اس لیے ہم نہ دیکھ سکے میوزیم کے سامنے غازی کا ایک گھوڑے والا مجسمہ ہے۔ اس کے آگے تھیٹر سے بنی ہوئی نہایت وسیع سڑک گئی ہے جس کے درمیانی حصہ میں چمن بندی ہے اور اس سڑک کے اطراف دور تک سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ وزارت خارجیہ اور جرمن سفارت خانوں کی عمارتیں بہت شاندار ہیں۔

انگریزوں نے بھی ایک ٹیلہ پر اپنا چھوٹا سا سفارت خانہ بنایا ہے۔ استنبول میں ان کا سفارت خانہ بہت شاندار ہے۔ عصمت پاشاہ اور وزیر اعظم کے مختصر سے مکان کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گھر ہی پر ہیں۔ کارڈ دیکھتے ہی بلا لیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک ملاقات رہی۔ میرے گائیڈ نے ترجمانی کی تھوڑی سی انگریزی سمجھ لیتے ہیں۔ اور کچھ عربی بھی۔ مختلف مسائل زیر بحث رہے۔ کافی سے میری تواضع کی۔ کاظم پاشاہ صدر پارلیمنٹ اور مصطفیٰ کمال پاشاہ صدر جمہوریت کے مکانات بھی نہایت مختصر اور حسب ضرورت ہیں۔ البتہ صدر جمہوریت کے لیے ایک ٹیلہ پر حکومت کی طرف سے ایک شاندار عمارت زیر تعمیر ہے۔ مدرسوں کی عمارتیں شاندار

اور خوبصورت ہیں۔ عمارتوں کا طرز یورپی ہے۔ دیواریں پتھر کی اور چھتیں عموماً ٹائل کی ہیں جس کو ہمارے یہاں انگریزی "سفال" کہتے ہیں۔ انگورہ سیاسی نقطۂ نظر سے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن ترکی حکومت کا شاندار دارالحکومت بننے کے لیے اس کو کم از کم نصف صدی درکار ہے۔

استنبول میں تو وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ شہر کی آرائش کا کام اب شروع ہوا ہے۔ توقع ہے کہ تھوڑے دنوں میں اس کی دلچسپیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہاں میٹھے پانی کا سوال بہت اہم ہو گیا ہے۔ اس وقت جو پانی ہے وہ پینے کے قابل نہیں ہے۔ اطراف کے پہاڑیوں میں چشمے ہیں جہاں سے پانی شہر میں پہنچایا جاتا ہے آسانی سے پانی حاصل کرنے کی تجاویز زیر غور ہیں۔ یہاں اور استنبول میں لیمنڈ اور سوڈے کی طرح ہر چشمے کا میٹھا پانی لیبل کے ساتھ شیشوں میں محفوظ کر کے فروخت کیا جاتا ہے۔

اسمبلی ہال یا پارلیمنٹ ہوز سے متصل ایک مختصر پارک بنا ہوا ہے جہاں تفریح کے لیے ہر روز شام کو لوگ جمع ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ کی عمارت کے ایک برآمدہ میں شام کو بیانڈ بجتا ہے اور مغرب تک خوب چہل پہل رہتی ہے۔ ہوٹل سے اسٹیشن کو جو سڑک جاتی ہے وہ بہت خوشنما ہے۔ بعد مغرب اسی پر چہل قدمی کی۔

خدائی عذاب

۱۷ ربیع الاول ۵۰ھ م ۲ راگست ۳۱ء یکشنبہ۔ دوپہر تک بے کار ہوٹل میں بیٹھا رہا ۳ بجے پارلیمنٹ ہاوز کا معائنہ کیا۔ دروازے میں داخل ہونے کے بعد ایک گیلری ملتی ہے اس سے آگے ایک وسیع ہال ہے جس میں ترکی کی

مجلسِ ملیہ کبیر کا اجلاس ہوتا ہے۔ دو منزلہ گیلری کا ایک حصہ غازی مصطفیٰ کمال کی نشست کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے اوپر کی منزل میں غازی کی نشست اور وزراء سے مشورت کے کمرے ہیں اور باقی حصہ دفتری ضروریات کے لیے وقف ہے۔ ایک مختصر عمارت میں عجائب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے۔ ایک کمرہ میں امریکی ریڈ انڈینز کا لباس شکار کے آلات اور بعض اور آثار رکھے ہیں۔ دوسرے تین کمروں میں اناطولیہ کے قدیم کاشتکاری کے آلات یہاں کے قدیم باشندوں کے لباس وغیرہ ہیں اور دو کمرے یہاں کی سب سے قدیم قوم ہنیت کے آثار سے بھرے ہوئے ہیں جس کا بڑا حصہ مٹی کے برتن، ہڈی، پتھر یا لوہے کے بعض ہتھیاروں پر مشتمل ہے۔ اس قوم کے متعلق غازی کا خیال ہے کہ دنیا کی سب سے قدیم متمدن قوم تھی اور بعض ترک اس قوم کی نسل سے ہیں۔

شہر سے الگ ریل کی پٹری کے دوسری جانب ایک عالی شان عمارت (سہ منزلہ) مدرسہ تعلیم المعلمین (نارمل اسکول) کی نظر آئی۔ میجر فواد بے نے نہایت الطاف سے اس کا معائنہ کرایا۔ یہاں معلمین کو صرف فنونِ طبیعات، کیمیا اور ریاضی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حدادی اور نجاری کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ ہر فن کی تعلیم کے علیحدہ کمرے جدید آلات سے آراستہ ہیں۔ درسگاہ کے ساتھ دارالاقامہ بھی ہے جس سے متعلق باورچی خانہ اور دھلائی گھر بھی جدید آلات سے آراستہ ہے۔ کپڑے برقی الماریوں میں بھاپ سے خشک کیے جاتے اور خود بخود چلنے والی مشین پر استری کیے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جس میں ان ہی فنون سے متعلق جرمن، فرنچ، انگریزی اور ترکی زبان کی کتابیں فراہم کی گئی ہیں۔ انقرہ کے اطراف کئی میل تک اراضی خشک

اور افتادہ ہے. لوگوں کا خیال تھا کہ اراضی ناقابل کاشت ہے. غازی نے اپنے ذاتی صرفہ سے ایک حصہ کو آراستہ کیا اور وہاں کھیتی شروع کی. یہ مقام انگورہ سے چند میل فاصلہ پر واقع ہے اب دوسرے لوگ بھی اس طرف توجہ کر رہے ہیں. انھیں کھیتوں کے کنارے ایک بلند ٹیلے پر غازی کا چھوٹا سا مکان ہے اور اس کے روبرو ایک وسیع حصہ چھوٹے سے تالاب کے طور پر بنایا گیا ہے اس کے کنارہ ایک قہوہ خانہ ہے جہاں لوگ شام کو تفریح کے لیے جمع ہو جاتے ہیں

شام تک باقی وقت ہوٹل ہی میں گزرا. دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا شام کو اول وقت کھانا کھا کر اسٹیشن تک چہل قدمی کی، رات مچھروں نے بہت ستایا غداق عذاب بن کر آئے تھے ساری رات سونے نہ دیا.

ترکی ٹوپی

۱۸ ربیع الاول ۵۰ھ م ۳۱ اگست ۳۱ء دوشنبہ. صبح ہوتے ہوتے آنکھ لگی تھی ۸½ بجے اٹھا. حمام کر کے سامان باندھا ۱۲ بجے گاڑی انگورہ سے چلی. رات کو آٹھ بجے عسکی شہر پہنچا. اناطولیہ کا وہ علاقہ جس میں انقرہ واقع ہے غیر ذی ذرع ہے. اکثر خشک چٹیل میدان کہیں کہیں معمولی کھیتی کے کچھ نشان نظر آئے. عسکی کے معنی ہی پرانے شہر کے ہیں. شہر دیکھنے کا اتفاق ہوا. اسٹیشن کے ایک کیفے میں (ہوٹل) کھانا کھایا اور ویٹنگ روم میں لیٹا رہا. قسطنطنیہ سے حلب جانے والی گاڑیاں یہاں بدلنی پڑتی ہیں. ایک فوجی افسر مصطفیٰ ارشاد بے نے میرے پاسپورٹ کی تنقیح کی. اور دیر تک باتیں کرتا رہا. یہ معلوم کر کے سخت رنج ہوا کہ ترکوں کو اہل ہند سے بہت

اندیشے ہیں اور ان کو انگریزوں کے جاسوس خیال کرتے ہیں۔ مصطفیٰ صغیر کے واقعے کو وہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ آج ارشاد بے نے بھی جو تھوڑی تھوڑی عربی بول سکتے ہیں واقعہ کو دہرایا۔ میں نے پوری صفائی کے ساتھ ترکی کی موجودہ حالت کے متعلق رائے زنی کی۔ مصطفیٰ ارشاد بے نے میری رائے سے اتفاق کیا ترکی ٹوپی کو حسرت کے ساتھ دیکھا اور میرے سوال پر جواب دیا کہ چونکہ ہمارے صدر نے اس کو برا کہا اور اس کا استعمال جرم قرار دیا گیا ہے اس لیے ہم کو برا سمجھتے ہیں لیکن یہی ٹوپی مرغوب ہے۔ اتنا کہنے کے بعد بھی جب ان سے نہ رہا گیا تو تھوڑی دیر کے لیے انھوں نے میری ٹوپی اوڑھ لی۔ رات کو ایک بجے استنبول سے گاڑی آئی۔ استراحت کا کمرہ محفوظ تھا سوار ہوتے ہی لیٹا اور سو گیا۔

۱۹ ربیع الاول ۵۰ھ م ۱۴ اگست ۳۱ء سہ شنبہ۔ ۸ بجے آنکھ کھلی۔ ایک بغدادی تاجر عبدالعزیز ہم سفر ہیں۔ آدمی کم علم ہیں چونکہ میں عربی جانتا ہوں اس لیے خوب گزر رہی۔ دن بھر گاڑی چٹیل میدانوں سے گزری اور شام کو ایسے پہاڑوں سے جن کی بلند چوٹیوں اور (ادھورا)

تین روٹیاں

۲۰ ربیع اول ۵۰ھ م ۵ اگست ۳۱ء چہارشنبہ۔ ہم خوش تھے کہ صبح ۷ بجے حلب پہنچ کر پھر ان احباب سے ملیں گے جن سے یہاں ملاقات ہو چکی ہے اور ایک روز قیام کر کے پرسوں جمعہ کو گاڑی سے بغداد کے لیے نصیبین روانہ ہو جائیں گے لیکن جب حلب کچھ دور رہ گیا تو پاسپورٹ آفیسر نے آکر اطلاع دی کہ میں نے

فرانسیسی قونصل سے دو دفعہ اپنے پاسپورٹ پر ویزے حاصل کیے تھے اور دو دفعہ حدودِ شام میں داخل ہو چکا ہوں چونکہ ایک دفعہ داخلہ کے لیے ویزہ نہیں حاصل کیا گیا ہے اس لیے میں حلب نہیں جا سکتا۔ میں بین الاقوامی مسائل میں بہت محتاط ہوں لیکن مجھ سے چوک ہو گئی تھی اور اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو الٹے پاؤں بارہ گھنٹے کا راستہ طے کر کے اوٹا جاؤں اور فرانسیسی قونصل کا ویزا حاصل کروں یا حلب میں قیام کیے بغیر اسی گاڑی سے سیدھے نصیبین چلا جاؤں لیکن میرا حلب جانا ضروری تھا تاکہ بستر جس میں اور بہت سی ضروری چیزیں تھیں اور جو استنبول جاتے ہوئے ... حسین بک ابراہیم پاشا کے یہاں امانتاً رکھوا دیا تھا حاصل کروں۔ بمشکل تمام افسر کو اس پر راضی کیا کہ مجھے حلب میں داخل ہونے دے اور میرے ساتھ حسین بک کے مکان تک سپاہی چلے گاڑی حلب دو گھنٹے ٹھہرتی ہے اس عرصہ میں بستر لے کر میں اسی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن اب دوسری مشکل یہ آن پڑی کہ مجھے حسین بک کے مکان کا پتہ معلوم نہ تھا۔ طے ہوا کہ دکتور عبدالرحمٰن کیالی کے یہاں جا کر ان سے پتہ معلوم کر لیں گے۔ اتفاق کی بات ہے میرے ساتھ دکتور عبدالرحمٰن کے چچا استنبول سے حلب آ رہے تھے ان کو لینے کے لیے دکتور عبدالرحمٰن خود اسٹیشن آئے تھے۔ یہیں ان سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے حسین بک کا پتہ معلوم کر کے بستر حاصل کیا اور اسی گاڑی نصیبین روانہ ہوا۔ دکتور عبدالرحمٰن الکیالی مجھے وداع کرنے آئے تھے۔ صبح جلدی میں بقدر بادام ناشتہ کیا تھا۔ سونے اور کھانے کے ڈبے صرف دو شنبہ یا جمعہ کی گاڑی میں لگائے جاتے ہیں۔ چہار شنبہ کی گاڑی میں نہیں ہوتے ہیں۔ میں نے (١٥) لیرا الوری (٩ لیرا ترکی) میں حلب سے نصیبین تک درجہ اول کا ٹکٹ لیا۔ عجلت میں

پانی کی ایک صراحی تو لے لی لیکن روٹی ساتھ نہیں رکھی تھی۔ راستہ کی عجیب حالت دیکھی۔ صاف چٹیل میدان حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ مسلمیہ اور راخترین کے بعد گاڑی پھر ترکی حدود میں داخل ہوئی اور "جسر بیے" کے اسٹیشن پر آکر رکی۔ ٹین کے چھت کے دو تین کمروں کا معمولی اسٹیشن تھا اور اسٹیشن سے قریب ہی ٹین کی چھت کا کسٹم ہوز جس پر ہلالی پرچم اڑ رہا تھا۔ دو تین اور کوٹھو کے مکان تھے اور بس، لیکن معلوم نہیں اس زمین میں کیا جاذبیت تھی کہ پورے ایک گھنٹہ تک اس نے گاڑی کو "روکے رکھا" بھوک نے پریشان کر رکھا تھا لیکن کہیں کوئی دکان یا کھانے کی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ایک جھونپڑے پر دور نظر پڑی قریب جا کر دیکھا تو ایک دکان تھی۔ اس سے تین ایسی روٹیاں لیں کہ میں نے ساری عمر میں نہ کھائی تھیں لیکن سیب اور کھیرے بڑی نعمت تھے جو مل گئے، سالن کا ذکر کیا۔ سیب سے روٹی زہر مار کی اوپر سے کھیرا چبایا ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پیا اور ایک انگریزی ناول کے مطالعہ میں مصروف رہا۔ گرمی بڑھتی جارہی ہے جرابلس پر پون گھنٹہ رکی۔

کالی وغیرہ پر نصف گھنٹہ ٹھہر کر گاڑی رات کو ۲ بجے درویش پہنچی۔ جہاں نصیبین کے لیے گاڑی تبدیل کی۔ حلب سے نصیبین تک ریلوے لائن ترکی سوریا کی سرحد پر چلی گئی ہے۔

بدوی لڑکیاں

۲۱؍ ربیع الاول ۵۰ھ م ۶؍ اگست ۳۱ء پنجشنبہ۔ صبح ۵ بجے نصیبین پہنچے سورج ۴½ پر طلوع ہوگیا۔ نصیبین پر ریلوے لائن کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے جو ترکی

سرحدی موضع ہے اس سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر سوری حکومت کا جدید آباد کیا
ہوا گاؤں فاسلی ہے۔ لیبو سے موٹریں موصل جاتی ہیں۔ صرف چار سال ہوئے
کہ یہ گاؤں بسا ہے لیکن پندرہ سو کے قریب اریفیوں کے مکان موجود ہیں آبادی
میں اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت اس کو سرحدی حیثیت سے مضبوط بنانا چاہتی ہے۔
سرکاری دفاتر وغیرہ بھی زیر تعمیر ہیں۔ گاؤں سلیقہ سے تعمیر کیا گیا ہے۔ سڑکیں سیدھی اور
ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کرتی ہیں۔ واگنگلی بسٹ کمپنی کی طرف سے ہر شنبہ اور
سہ شنبہ کو فاسلی سے موصل کے لیے اور ہر یکشنبہ و چہار شنبہ کو موصل سے کرکوک کے
لیے باقاعدہ موٹر سروس جاری ہے۔ مگر ہم اس نظام نامہ کے خلاف سفر کر رہے تھے
اس لیے قصد کیا کہ کوئی چھوٹی موٹر حاصل کر لیں۔ ایک موٹر والے نے موٹر مہیا کرنے کا
وعدہ کر کے مایوس کیا۔ تین دن کی مسلسل مسافرت کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا تھا۔ ران میں
دنبل نکل آنے کی وجہ سے تکلیف تھی وہ اس پر مستزاد تھی۔ راستہ میں ایک اسٹیشن پر اماڑی قسم کی غذا
ملنے سے معدہ نے الگ ہجوم مچا رکھی تھی۔ اب بھی بازار میں اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ اسلیے صرف
چھاچھ اور تربوز پر دن گزار دیا۔ لفیبین چھوٹا سا مقام ہے۔ یہاں کوئی ہوٹل بھی نہیں کہ رات بھر
قیام کر کے دوسرے دن اطمینان سے اپنا سفر جاری رکھوں۔ دس بجے ایک موٹر کا انتظام ہوا۔ افیون کرا
چکا کے ایک ترکی ڈیل صاحب ساتھ ہو گئے۔ یہاں سے موصل تک کرایہ عموماً چھ سات روپیہ ہے (عراق قریب
ہونے کی وجہ سے ہندی روپیہ کا چلن شروع ہو جاتا ہے) لیکن ٹیکسی (عہ) روپیہ
ادا کرنے پڑے اور موصل تک دو سو کیلومیٹر کا سفر چٹیل اور غیر ذی زرع میدانوں میں طے
کیا۔ ایسی شدت کی گرمی جس سے بزمانہ حج کی حجاز کی گرمی بھی فراموش ہو گئی۔ مدینہ
طیبہ کے سفر میں برداشت بلکہ ہر تکلیف کو راحت سمجھنے کی جو قوت قلب میں تھی اس کا

اس وقت فقدان تھا کچھ چھوٹے گاؤں نظر سے گزرے جو کچی اور اینٹوں سے بنے ہوئے گنبد دار، مستطیل چھت کے چند مکانوں کا مجموعہ تھے۔ بعض جگہ کنوؤں پر بدوی لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ جگہ جگہ بدوی اونٹوں، بھیڑوں اور دنبوں کے گلے چرا رہے تھے۔ بعض خانہ بدوش بدویوں کے کیمپ نظر آئے جن کے لیے عراق کی چلچلاتی دھوپ چاندنی کے برابر تھی۔ سوری اور عراقی سرحد میں کئی جگہ پاسپورٹ کی تنقیح ہوئی عین مغرب کے وقت موصل پہنچے۔ حلب کی طرح اینٹ، مٹی اور پتھر کے مکان ہیں۔ ببول اور کھجور کے درخت تک مفقود ہیں۔ ہوٹل ہارون میں پہنچتے ہی ٹھنڈا حمام کیا تھوڑی سی روٹی کھائی اور سو گیا۔

دجلہ کا کنارا

۲۲ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۷ اگست ۱۹۳۱ء جمعہ۔ ۸ بجے بمشکل بستر سے اٹھ سکا۔ ۹ بجے دو گھوڑوں والی فٹن پر موصل کا ایک چکر کاٹا۔ شام کو ۵ بجے تک ہوٹل کے مغرب رویہ کمرہ میں وقت گزارا جس کی کھڑکیوں سے دھوپ چھن چھن کر اس کو بہارہ گھر بنا رہی تھی۔ شام کو نینوا کے کھنڈر، حضرت یونس علیہ السلام کا مزار مبارک اور قرہ سرائے کی سیر کی۔ مجھے یہاں ایک ایسا رہبر ملا جو ہر چیز گاڑی بان سے دریافت کر کے بتاتا تھا۔ ہوٹل ہارون موصل کا سب سے بڑا ہوٹل ہے لیکن میری رائے میں اس پر بھٹیار خانہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ موصل کی آرائش ہو رہی ہے سڑکیں کشادہ اور پختہ بنائی جا رہی ہیں۔ مکانات عموماً ایک منزلہ اور بعض دو منزلہ ہیں۔ قہوہ خانوں کی کثرت ہے اور ہمیشہ معمور رہتے ہیں، دجلہ کے کنارے آباد ہیں۔ دجلہ کا پاٹ بہت وسیع ہے۔

طغیانی کی صورت میں پانی پل پر سے بہہ جاتا ہے۔ پل کے تین حصے ہیں۔ (۱) پختہ قدیم حصہ (۲) پتھر اور چونے کا وہ جدید حصہ جسے ترکوں نے تعمیر کیا ہے جو آبادی سے متصل ہے۔ (۳) قدیم وضع کی وہ عارضی تعمیر کشتیوں کو ایک دوسرے سے متصل ترتیب دے کر اور ان پر تختے جما کر تیار کیا گیا ہے۔

ایک پل لکڑی اور لوہے کا انگریزوں نے بنایا تھا جو طغیانی میں بہہ گیا۔ دونوں کناروں پر اب تک آثار باقی ہیں۔ یہاں مکانوں کی تعمیر میں پتھر، اینٹ یا خالص مٹی استعمال نہیں کی جاتی بلکہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو مٹی میں ملا کر دیواریں بنائی جاتی ہیں نینوا کے کھنڈروں میں بھی تعمیر کا یہی انداز پایا جاتا ہے۔ موصل سے قریب سنگ مرمر کی کانیں ہیں۔ نینوا کے کھنڈر دجلہ کے دوسرے کنارے پر ایک تودہ خاک سے زیادہ نہیں ہیں کہیں کہیں کھدائی ہوئی ہے اور جو کچھ برآمد ہوا وہ امریکہ اور یورپ کے عجائب خانوں کی زینت ہے۔ نینوا کے کھنڈروں کے بالمقابل ایک ٹیکری پر ہی حضرت یونس علیہ السلام کے مزار کی نشان دہی کی گئی۔ ایک قدیم مسجد بھی ہے اور کچھ جدید آبادی بھی ہو رہی ہے۔ قراسرائے دجلہ کے موصلی کنارے پر شاہی محلات کے آثار کا نام ہے جس میں سے اب صرف دو محراب نما کانیں لب دجلہ باقی رہ گئی ہیں۔ ایک پر بہترین عربی خط میں ذیل کی عبارت پڑھی گئی۔

(الدنیا والدین عضد السلام والمسلمین تاج الملوک السلاطین)

لیکن کسی بادشاہ کا نام نہ ملا۔ یہ عبارت بھی اب محو ہونے کے قریب ہے۔ اس سے متصل ٹیلہ پر محبس اور دوسرے شاہی امکنہ کے کھنڈر ہیں۔

نوجوان سوٹ اور کشتی نما ٹوپی پہنتے ہیں جو عموماً امیر فیصل پہنا کرتے تھے

عرب عموماً لابنا کرتا تھا اور سر کے لیے احرام و عقال استعمال کرتے ہیں۔ دجلہ کے کنارے پر عمر کے عرب برہنہ جسم سے نہاتے پائے گئے۔

حضرت دانیال کا مقبرہ

۲۳ ربیع الاول ۵۰ھ م ۸ اگست ۳۱ء شنبہ۔ ۷ بجے اپنے رہبر کو لے کر روانہ ہوا۔ حضرت جرجیس، حضرت شیث، حضرت دانیال علیہ السلام کے مقبروں کی زیارت کی۔ امام ابراہیم، امام یحییٰ، امام محسن وغیرہ بزرگان دین کے روضہ پر بھی حاضر ہوا۔ واگنلی کمپنی کے دفتر میں جاکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صبح ۹ بجے یہاں سے ان کی سروس روانہ ہوتی ہے لیکن کرکوک کا کرایہ فی کس (۴۰) روپیہ ہے۔ حالانکہ مجھے ایک اسپیشل موٹر یہاں سے کرکوک تک صرف (۲۰) روپیہ میں مل گئی۔

انشاء اللہ کل صبح روانہ ہوں گے۔ آج کی دوپہر اچھی کٹی۔ میرا کمرہ تو جہنم تھا لیکن منیجر سے کہہ کر نیچے ایک بہت ٹھنڈے کمرے میں بستر بچھوا لیا تھا۔ بجلی کا پنکھا چل رہا تھا کتب بینی میں وقت گزرا۔ آج کروڑگیری والوں نے امیر سعید الجزائری کے ہدیہ دیے ہوئے قہوہ کے سٹ کے لیے (للعہ) روپیہ محصول وصول کرلیا۔ دوپہر کے بعد کہیں باہر نہ گیا رات کو بہت جلد سو گیا۔

سونے کا پل

۲۴ ربیع الاول ۵۰ھ م ۹ اگست ۳۱ء یکشنبہ۔ ابھی رات کے تین بجے تھے کہ موٹر والے نے جگایا ہم فوراً سوار ہو گئے۔ سامان بندھا بندھایا تھا

موٹر خاص تھی۔ کمپنی کے ملازم کے بہانہ سے اس نے ایک مسافر لے ہی لیا۔
نہر زاب الکبیر کے کنارے صبح ہوئی۔ اس نہر کو موٹر لانچ کے ذریعہ عبور کیا گیا۔ ۹ بجے
زاب الصغیر پر پہنچے۔ جس کے کنارے آلتون کوپری (سونے کا پل) نامی قریہ آباد ہے
نہر نے اس کو چاروں طرف سے احاطہ کیا ہے اور گاؤں ایک جزیرہ سا بن گیا ہے
۹ ½ بجے کرکوک پہنچ گئے۔ ایک ٹیلہ پر قدیم دیہات اور دوسرے کنارے پر جدید آبادی
ہے۔ نہر پر ایک پل بھی بنا ہے۔ نہر کے کنارہ کنارہ پن چکیاں بنی ہیں اور دور تک
ان کا سلسلہ چلا گیا ہے یہ سب نہریں بہت بڑی بڑی ہیں جن کو ہندوستان کی زبان
میں دریا اور حیدرآباد کی اصطلاح میں ندی کہہ سکتے ہیں۔ کرکوک صوبہ کا صدر مقام
ہے۔ موجودہ صوبہ دار جو نوری پاشاہ وزیر اعظم کے نسبتی بھائی ہیں۔ صوبہ سے نیچے
(قائم مقام)، (تعلقہ) اور اس سے نیچے منجریہ (تحصیل) ہوتی ہے۔ موصل کے متعلق ہم
نے سنا تھا کہ وہاں پٹرول برآمد ہوا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ خاص حدود موصل میں
اب تک کوئی کنواں نہیں کھودا گیا۔ کرکوک کے اطراف میں البتہ کنوئیں کھودے
گئے ہیں۔ یہاں ایسٹرن آئیل کمپنی اور عراق آئیل کمپنی کام کر رہی ہیں۔ تیل کے کارخانوں
کے معائنہ کے لیے گیا تو تھا لیکن اتوار کی وجہ سے بند تھے۔ عراق آئیل کمپنی پہلے ٹرکسن
آئیل کمپنی کے نام سے کام کرتی تھی۔ ایسٹرن آئیل کمپنی کے معاہدات کی رو سے اس
کو عراق میں تیل فروخت کرنے بلکہ بنانے کا بھی حق نہیں ہے۔ صرف مٹی سے تیل نکال کر
باہر بھیج سکتی ہے۔ اس میں برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور اٹلی حصہ دار ہیں۔ اب تجویز یہ
ہے کہ کرکوک سے حیفہ تک حدود شام سے ہوتا ہوا ایک پائپ لے جایا جائے جس میں
حیفہ کو کچا تیل پمپ کیا جاسکے (تقریباً دو ہزار میل پر) اس میں سے ۲۵ فیصدی

اپنے حدود شام میں فرانس لے لے گا اور باقی حیفہ جائے گا اور وہاں اس سے پٹرول، اسپرٹ، گیاس وغیرہ تیار ہوگا۔ فی الحال بازاروں میں ایسٹرن آئیل کمپنی کا ناقص کے انوئیں کا تیل ہے جو ایک روپیہ کلدار فی گیلن کی شرح سے فروخت ہو رہا ہے۔ آج ہوٹل میں راجپوتانہ کے ایک مسلمان عبد الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہاں ٹھیکہ کا کام کرتے ہیں تقریباً پندرہ سال سے ہیں اور کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ عراق کے (۹۹) فیصدی لوگ امیر فیصل سے ناخوش اور زبان سے نہیں مگر دل میں ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ وجہ انگریزوں کی طرفداری ہے۔ نوری پاشاہ موجودہ رئیس الوزراء معمولی شخص ہے رائے عامہ اس کو پسند نہیں کرتی اور اس کی سابقہ زندگی بہت داغدار ہے۔ جعفر پاشاہ عسکری سب سے چلتا پرزہ ہے اور وزیر اعظم کا نسبتی بھائی ہے اور بہنوئی بھی۔ اعلیٰ عہدوں پر اکثر انھیں کے رشتہ دار مامور ہیں۔ یہاں کے شریف اور بزرگ خاندان نقیب (اولاد حضرت غوث اعظم) اور ہاشمی ہیں۔ انگریزوں نے سُنّیوں اور جعفریوں (شیعوں) میں شدید اختلافات پیدا کر دیا ہے۔ دونوں برابر کی قوت اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ مسلمانوں کی عام اخلاقی حالت بہت خراب ہے۔ بوڑھے بچے سب شراب اور عرق (فواکہ کی روح جو شراب سے بڑھ کر تیز) بناتے ہیں بیچتے ہیں اور پیتے ہیں۔ عبد الرحمٰن صاحب نے آج عبد الصمد کی ہوٹل سے ہندی سالن منگوا کر کھلائے۔ ذائقہ اگرچہ شمالی ہند کے سالنوں کا تھا لیکن عربی سالنوں سے بہتر تھا۔ پانچ بجے تک ستالیا۔ ۶ بجے اسٹیشن گیا ۶½ پر گاڑی روانہ ہوئی۔ درجہ دوم کا ٹکٹ بغداد تک (ملیسہ) اور رات میں سونے کے کمرے کے لیے دو روپے بوتھ اگر قبل از قبل محفوظ کرائیں تو مزید آٹھ آنے

(۱۵ ر آنہ) اگر ڈرائنگ کار میں (۸) آنہ کھانے کا انتظام مقصود ہو تو تین روپیہ آٹھ آنہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ عراق میں دجلہ اور فرات کی وجہ سے پانی کی افراط ہے لیکن یہاں نہری کاشت کا طریقہ رائج نہیں ہے۔ زمین کی صلاحیت بہت اچھی ہے۔ عموماً جو، گیہوں، باجرہ وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ میرے زمانہ سفر میں ربیع کی فصلیں کٹ چکی تھیں اور ہر گاؤں کے باہر غلہ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کہیں اطراف شہر میں ترکاریوں کے کھیت لہرا رہے تھے۔ عراقی زراعت کی طرف کم توجہ کرتے ہیں مگر جانور زیادہ پالتے ہیں جس طرف جائیے اونٹوں، گائیوں، بھینسوں اور دنبوں کے ریوڑ نظر آئیں گے۔ دن بہت گرم ہوتے ہیں اور راتوں کو ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔

حضرت غوث پاک کا گنبد مبارک

۲۵ ربیع الاول سنہ ۵۰ھ م ۱۰ اگست ۳۱ء دوشنبہ۔ صبح پونے سات بجے گاڑی باب الشیخ کے بغدادی اسٹیشن پر ٹھہری دور سے حضرت غوث پاک کا سبز چینی سے منڈھا ہوا گنبد نظر آرہا تھا ہماری موٹر مزار پر سے گزری۔ کارلٹن ہوٹل جا کر قیام و طعام کے لیے روزانہ (؎) کلدار کا خرچ ہے۔ پہنچ کر حمام اور ناشتے سے فارغ ہوا پھر سید محمود نقیب صاحب کے پاس گیا جو حضرت غوث پاک کی اولاد میں اس وقت کے سب سے بڑے صاحب بزرگ ہیں۔ خصوصاً تاریخ اور ادب میں ان کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ایک آنکھ میں موتیا۔ وجیہ چہرہ، خشخشی سفید ڈاڑھی عمر ستر یا اس سے متجاوز، صبیح سے کلام کرتے ہیں۔ حیدرآباد کے متعلق دیر تک باتیں ہوتی رہیں افغانستان کی قدیم و جدید تاریخ اس تفصیل و وضاحت سے بیان کی کہ میں حیران رہ گیا۔

اپنا مہمان بنانا چاہتے تھے مگر میں نے معذرت کرلی۔ باہر آکر روضہ اقدس پر حاضری دی۔ وسیع مسجد کے ایک حصہ میں اسی سبز گنبد کے نیچے ایک وسیع حجرہ میں چاندی کی جالی کے اندر بجور البند مرقد، اندر زرین غلاف ہے۔ کمرہ سادہ جو ہر قسم کی آرائش و زیبائش سے یکسر معرا مسجد کے دو وسیع حصے ہیں ایک کو مصلی حنفی اور دوسرے مصلی کو شافعی کہتے ہیں جنتی خوشنما چینی مڑھا ہوا منبر و محراب ہے۔ باہر کی جانب سبز گنبد کے نیچے ایک سیاہ چینی کے حلقہ میں سفید خط سے آیت الکرسی منقوش ہے۔ دوپہر اپنے بند کمرے میں بجلی کے پنکھے کے نیچے بسر کی۔ شام کو پانچ بجے موٹر پر مدائن کا قصد کیا۔ یہ مقام بغداد کے جنوب مغرب میں تقریباً ۲۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سڑک نہایت صاف اور جس کے اکثر حصے ڈامبر سے پختہ کیے گئے ہیں۔ ایسے میدانوں سے گزری ہے جو خاموش سمندر کی طرح حد نظر تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سڑک کے کنارہ کنارہ ایک نہر گئی ہے اور دونوں طرف دور تک ترکاریوں کے کھیت ہیں۔ اسی جانب انگریزی فوجوں کی چھاؤنیاں اور طیران گاہ بنے ہوئے ہیں۔ اکثر ہندوستانی جس میں زیادہ تر پنجابی ہی یہاں نظر آئے۔ مدائن دجلہ کے کنارے واقع ہے اس کے کھنڈروں میں اب صرف طاق کسریٰ باقی رہ گیا ہے۔ اینٹ مٹی کی عمارت ہے افقی منقش دیوار اور اس کے پیچھے نسبتاً ایک بلند دیوار ہے۔ آثار ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو منزلہ کمانی عمارتیں بھی اس سے ملحق تھیں۔ اس دیوار کے بازو وہ مشہور طاق ہے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ۱۱۱½ فٹ بلندی اور (۸۲) فٹ عرض کے ساتھ کس طرح ڈیڑھ ہزار سال سے یہ طاق قائم ہے اب جگہ جگہ شگاف پیدا ہو گئے ہیں۔ اس سے قریب ہی ایک چھوٹا سا قریہ ہے اور اس میں حضرت سلمان فارسی کا مزار اقدس ایک وسیع احاطہ اور

مسجد کے کنارے واقع ہے اس نسبت سے یہ قریۂ سلیمان پاک" کہلاتا ہے۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے سے احاطہ کی دو بالمقابل کوٹھریوں میں دو صحابیوں کے مزار ہیں۔ اس میں سے ایک حضرت عبداللہ بن الجابر الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں میں نے زیارت کا شرف حاصل کیا۔ دجلہ کے کنارے نماز مغرب پڑھی۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں مال تجارت لے جا رہی تھیں۔ واپسی میں ہوا خوشگوار تھی۔ رات کو مکان کی چھت پر سویا نیند اچھی آئی۔

بغداد میں قہوہ خانوں کی کثرت ہے۔ شہر کے اطراف چاروں طرف دور تک کھجور کے باغات پھیلے ہوئے ہیں دجلہ کے مشرقی کنارے پر بغداد کی جدید اور مغربی کنارے پر قدیم آبادی واقع ہے۔ یہاں اکثر لوگ خصوصاً شیعہ سروں پر چھوٹی کپڑے کی ٹوپی پہن کر اس پر سے احرام لپیٹ لیتے ہیں۔ یہاں موٹریں کرایہ پر مل جاتی ہیں لیکن ان میں میٹر نہیں ہوتا جس سے اجنبی عموماً دھوکا کھا جاتا ہے۔ سید محمود صاحب نقیب نے . . . . عبدالرزاق نامی ایک خادم کو رہبر کی حیثیت سے میرے ساتھ کر دیا تھا۔

بغداد کی گلیاں

۲۶ ربیع الاول ۵ سنہ م ۱۱ اگست ۳۱ ء شنبہ۔ صبح پانچ بجے عبدالرزاق (ہمارا رہبر) آگیا۔ اس کے ساتھ پہلے حضرت غوث پاک کی بارگاہ پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی پھر باب الشیخ سے آگے حضرت عمر شیخ شہاب الدین بانی سلسلہ سہروردیہ کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی ایک وسیع احاطہ اور مسجد کے کنارے مندر کی وضع کے مخروطی گنبد کے نیچے مزار ہے۔ ایسا ہی گنبد زبیدہ خاتون زوجہ ہارون رشید کی مزار پر

بنا ہے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر وہ مقام آیا جو حضرت امام اعظم کی وجہ سے الاعظمیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں حضرت صعاد بن مسلم کی زیارت کی جو غوث پاک کے شیوخ میں سے ہیں۔ حضرت امام اعظم کا مزار ایک مسجد کے عقب میں ہلکے زرد رنگ کے ایک وسیع احاطہ میں دو مقفل حجروں کے پرے واقع ہے۔ کلید بردار اطلاع کے آدھ گھنٹہ بعد برآمد ہوئے اور دونوں دروازے کھولے۔ مزار اقدس کے ایک جالی دار منقش احاطہ میں واقع جس پر السماء الحسنیٰ کندہ ہیں اس احاطہ پر ایک چھت گری اور اس پر ایک بڑی اور سفید چھوٹی نقرئی قندیلیں آویزاں ہیں۔ احاطہ کے ایک گوشہ میں چاندی کے چار بڑے شمع دان رکھے ہوئے ہیں۔ گنبد حضرت غوث پاک کی گنبد کی طرح سبز چینی کا ہے۔ مسجد کے مینار پر بھی سبز چینی سے نقش بنے ہوئے ہیں۔ گنبد اور مسجد دونوں سلطان سلیم کے عہد کی یادگار ہیں۔ یہاں کے انتظام کے جملہ اخراجات محکمۂ اوقاف سے ادا کیے جاتے ہیں اور اوقاف کی جانب سے گنبد کے عقب میں ایک مدرسہ بھی قائم ہے جو "کلیۃ امام الاعظم" کے نام سے موسوم ہے جس میں فقہ حنفی کے ساتھ تفسیر، حدیث، کلام، منطق کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ ڈیڑھ دو سو سے زیادہ طلبا زیر تعلیم ہیں۔ الاعظمیہ ہی میں کچھ فاصلہ پر حضرت ابوبکر شبلی اور اس سے کچھ فاصلہ پر حضرت بشر الحافی اکابر اولیاء اللہ کے مزار ہیں لیکن جب میں حاضر ہوا تو یہ سب مقامات مقفل تھے۔ باہر سے فاتحہ پڑھی۔

یہاں سے ہم نے دجلہ کا جسر القدیم عبور کیا جو کشتیوں پر تختے جوڑ کر بنایا گیا ہے اور کاظمین پہنچے، ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ بازار سارے مسقف ہیں۔

سب سے اہم یہ کہ حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام محمد جواد جنیہ توسّی

کاظم علیہما کے روضے یہیں واقع ہیں۔ سات دروازوں کا ایک وسیع احاطہ ہے جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں کے کمان دار خانقاہیں بنی ہیں جن پر چینی کا کام کیا گیا ہے۔ وسیع صحن کے وسط میں روضہ کی عمارت واقع ہے۔ اس میں ایک خوبصورت فوارہ بھی ہے۔ دونوں بزرگوں کی مزاروں پر دو سنہری گنبد اور چار خوبصورت مینار بنے ہوئے ہیں جو دور سے بہت بھلا معلوم ہوتے ہیں۔ بلند ستونوں پر کشادہ برآمدہ ہے اس کے اندر کئی وسیع کمرے ہیں درمیانی حصہ میں چاندی کے منقش پنجرے میں دونوں بزرگوں کے مزار ہیں۔ روضہ پر باہر کی طرف چینی کا اور اندر چھت اور دیواروں پر جگمگاتے کانچ کا کام بنا ہوا ہے جو بہت ہی نظر فریب ہے۔

احاطہ صحن ناصر الدین شاہ قاچار کے چچا فرہاد مرزا معتمد الدولہ کا اور رقبہ وہ مسجد شاہ اسمٰعیل صفوی کی تعمیر کردہ ہے مگر سلطان سلیم فاتح بغداد نے اس کی تکمیل کی اس کے انتظام کے مصارف محکمہ اوقاف سے ادا کیے جاتے ہیں اب اس کی حالت روضہ کی نسبت زیادہ خراب اور خستہ ہو گئی ہے۔ بوریے کا فرش ہے۔ خدام کی بہت کثرت ہے اس طرح چمٹتے ہیں کہ زیارت کا بھی موقعہ نہیں دیتے اور سقّے ان کے علاوہ ہیں۔

اس روضے سے متصل ہی حضرت امام ابو یوسف مشہور امام فقہ اور شاگرد حضرت امام الاعظم رح کا مزار ایک مسجد کے گوشہ میں واقع ہے۔ زیارت کی۔

کاظمین سے روانہ ہو کر مقام (   ) پہنچے اور حضرت سقطی اور حضرت جنید بغدادی کی زیارت کی جن کے مزار ایک ہی حجرے میں واقع ہیں۔ یہاں سے پچاس قدم کے فاصلے پر حضرت یوسع پیغمبر علیہ السلام کا مزار دیکھا گیا۔ اس سے قریب حضرت بہلول دانا اور ابراہیم کی مزاروں پر حاضری دی۔ یہ سب قبریں اینٹ کی بنی

ہوئی ہیں۔ سادہ اور بلا آرائش گنبدوں میں اور لکڑی کے پرانے بوسیدہ احاطوں میں واقع ہیں۔

اب مقام (   ) پر پہنچے اور شیخ معروف الکرخی کی زیارت کی جو ایک مسجد کے گوشے میں واقع ہے۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زبیدہ خاتون اور منصور کے مزار ہیں۔ اس سے کچھ دور حضرت صالح ابن غوث اعظم کے مزار پر حاضری دی۔ خدام دروازے کھولنے کی اجرت بڑی سختی سے وصول کرتے ہیں لیکن مزاروں پر جاروب کشی بھی نہیں کرتے۔ میں دس بجے اپنی قیام گاہ پر واپس آیا، روزنامچہ لکھا، پانچ بجے تک ہوٹل میں استراحت کی اور شام کو عبدالرزاق کے ساتھ بغداد کی گلیوں میں چکر لگائے۔

روضہ حضرت امام علی نقی

۲۷ ربیع الاول ۵۰ھ م ۱۲ اگست ۱۹۳۱ء چہارشنبہ۔ صبح ۵ ۱/۲ بجے عبدالرزاق خادم کے ساتھ موٹر میں جس کا مکمل کرایہ ([illegible]) کلدار دیا تھا۔ سامرہ روانہ ہوا۔ بغداد سے جانب شمال ۹۰ میل کے فاصلے پر دجلہ کے کنارے قدیم شہر مٹ گیا ہے۔ جدید شہر کے اطراف ایک ہندی عورت نے فصیل اٹھا کر اہل شہر کو بدوؤں کے دست برد سے بچا لیا۔ یہاں جو کچھ آبادی ہو گئی ہے وہ حضرت امام علی نقی و امام حسن عسکری کے روضہ کی برکت ہے۔ خدام سب سنّی ہیں۔ میں موٹر کشتی کے ذریعہ دجلہ عبور کیا اور ۱۰ ۱/۲ بجے مقبرہ کے احاطہ میں داخل ہوا۔ وہی وسیع احاطہ اطراف میں خانقاہ وسط میں ایرانی وضع کا روضہ سنہری گنبد اور برآمدہ

اندرونی حصہ میں جگمگاتی چینی کا کام سنگ مرمر کا فرش دو سنہری مینارے چاندی کے پنجروں میں ائمہ موصوف کے علاوہ والد محمد ابن حسن (جن کو شیعہ امام مہدی آخر الزماں کہتے ہیں) اور حلیمہ خاتون (   ) کا مزار ہے۔ اسی احاطہ میں تھوڑے فاصلے پر ایک تہہ خانہ میں وہ غار ہے جس میں محمد بن حسن بارھویں امام کے غائب ہو جانے کی روایت مشہور ہے۔ فی الحال غار کے دہانہ پر پتھر رکھے ہوئے ہیں اور چھوٹا سا نشان باقی ہے۔ اس غار کے اوپر ایک عالی شان مسجد ہے جس کے قبہ پر چینی لگی ہوئی ہے۔ سامرہ قدیم کے آثار جدید شہر سے کچھ دور واقع ہیں۔ جن میں صرف دو چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک جامع مسجد کا احاطہ اور اسی کے عجیب و غریب منار اور دوسرے بیت الخلیفہ (المعتصم باللہ) کے محل کے تین کمانیں۔ احاطہ سے جامع مسجد کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ اینٹ اور چونہ کی مضبوط دیواریں ہیں جن کا عرض ۲½ گز ہے۔ مینار ٹھوس اور اوپر جانے کا راستہ باہر سے بہت بلند اور نمایاں ہے۔ بیت الخلیفہ دجلہ کے کنارے تھا لیکن اب دجلہ وہاں سے بہت دور رہ گیا ہے۔ درمیانی کمان وسیع اور بلند ہے بازو کی دو کمانوں میں دو دو کمرے بنائے گئے ہیں۔ دریا کے کنارے ایک چبوترہ ہے اطراف دور دور تک گری ہوئی دیواروں کے کھنڈر ہیں مزدور ان کی اینٹیں نکال کر بیچتے ہیں جب ایک بوڑھے مزدور سے میں نے کہا اللہ رے تیری بہادری کہ بیت الخلیفہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو ہنسنے لگا۔ خلفا کے زمانے کے ایک حصہ کو کھود کر نکالا گیا ہے۔ کہیں کہیں کھدائی اب بھی جاری ہے۔

محمد سعید خادم کے یہاں ٹھہرے تھے۔ دوپہر سرداب میں گزاری اور ۴ بجے روانہ ہو کر سر مغرب بغداد کو واپس آ گئے۔

بارگاہِ ابن رسول

۲۰ ربیع اول ۱۳۵۰ھ ۳۱ اگست ۱۹۳۱ء پنجشنبہ۔ سامرہ کا راستہ خراب اور بے برگ و گیاہ ہے۔ دھوپ سخت تکلیف دہ تھی۔ بغداد کا قدیم زیر زمینی قلعہ دیکھا جو مختصر ہے۔ اطراف کی دیوار معمولی اینٹ سے تعمیر کی گئی ہے۔ دروازہ پر ایک قدیم توپ رکھی ہوئی ہے۔ قلعہ کے اندر مامون کے محل کے کچھ آثار باقی ہیں۔ قلعہ کا دروازہ مقفل ہونے کی وجہ سے اندر داخل نہ ہو سکا۔ پھر کسی وقت اس کو تفصیل سے دیکھوں گا۔

مسجد حیدر خال، مسجد سرائے، مسجد آصفیہ، مسجد عقولیہ اور مسجد احمدیہ یہاں کی بڑی مساجد ہیں۔ قبہ اور مینار کی بیرونی جانب سبز چینی سے مڑھی ہوئی ہے۔ صحن نہایت وسیع مگر مسجد کا اندرونی حصہ ہر قسم کی آرائش سے پاک ہے۔ معمولی بوریے یا شطرنجی کے جانماز کا فرش ہے۔ مسجد سرائے میں ملک فیصل نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ ایک علیحدہ دروازہ ان کے آنے اور ایک علیحدہ جگہ بالاخانے پر ان کی نشست و نماز گاہ کے طور پر مخصوص ہے۔

مسجد عقولیہ شیخ عبداللہ العقولی کی طرف منسوب ہے جو علماء کبار سے تھے مسجد کے بازو ان کا مزار ہے۔

متحف العراقی۔ عراق کا واحد عجائب خانہ ہے لیکن نہایت مختصر صرف دو کمروں میں یورپ اور امریکہ کے ڈاکوؤں کی دستبرد سے بچے کھچے ہیں آثار کا ذخیرہ ہے جس سے اشوریوں کے طرز تمدن کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ صحن میں دو تین بت بھی رکھے گئے ہیں۔ شورجا بازار کی نکڑ پر مسجد مرجانیہ کا دروازہ قابل دید ہے۔ بہترین نقاشی اور پیچ دار پتھر میں خطاطی کے اچھے نمونے کندہ ہیں۔ تنگ و تاریک غلیظ و بدبودار بازار اور

کئی گلیوں سے گزر کر تھوک فروشوں کی منڈی سے آگے "سوق الغزل" پھوس و سفال کے پست مکانوں کا ایک محلہ آتا ہے جس میں منارۃ الغزل کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے یہ ایک بہت اونچا مینار ہے جس پر اگر گرمی کی شدت نہ ہوتی تو میں ضرور چڑھتا۔ معاً خیال ہوا کہ کسی مسجد سے متعلق ہوگا۔ اتفاق سے ایک بڈھے عراقی نے اس کی تصدیق کی اور بیان کیا کہ اس کے اطراف ایک بہت وسیع مسجد تھی جس کی دیواروں کے آثار میں نے دیکھے ہیں۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ صرف غریبوں کے تنگ و تاریک مکانات ہیں اور ان کے وسط میں عظیم الشان مینار کھڑا ہے۔

عباسیوں کے نہ آثار باقی ہیں نہ قبریں سب چنگیزی فتنہ کی نذر ہوگئیں لیکن تاریخ کا طالب علم بغداد میں آکر ان کے عہد کی یاد تازہ کر سکتا ہے۔

اس کے بعد میرا باقی وقت ہوٹل میں گزرا۔ شام کو پانچ بجے صرف ایک ہینڈ بیگ میں دو کپڑوں کے جوڑے ساتھ لے کر کربلا روانہ ہوا۔ باقی سامان ہوٹل میں رکھوا دیا۔ جسر القدیم کو عبور کر کے بغداد غربی کی طرف پہنچے۔ یہاں ہر وقت کربلا جانے والی موٹریں مل جاتی ہیں فی کس (ایک روپیہ ۸ آنہ) کلدار لیا جاتا ہے اور عجیب بات ہے کہ فورسٹر کار میں پانچ آدمی بٹھائے جاتے ہیں یعنی ڈرائیور کے بازو ایک کی بجائے دو آدمی بیٹھتے ہیں۔ میں وہیں بیٹھنا چاہتا تھا اس لیے دوہرے ٹکٹ کے دام دینے پڑے۔ سامنے کی نشست پر بیٹھنے میں تکان کم لیکن گرمی زیادہ ہوتی ہے یہاں لاریاں نہیں ہوتیں۔ سب کی سب ٹورنگ کار دوڑتی ہیں۔ ہم ۵ بجے بغداد سے چلے۔

محمودیہ، اسکندریہ اور مسیب میں تھوڑی دیر سستا کر رات کو تقریباً

۸ بجے کربلا پہنچے۔ فرات کے کنارے چھوٹا سا شہر جو سیدالشہداؑ کی شہادت گاہ ہونے کی وجہ سے نجف کے بعد عراق کا محترم ترین شہر ہے۔ ہوٹل شاطئ الفرات میں سامان رکھا اور ابن رسول کی بارگاہ پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ اس کا احاطہ نہایت وسیع ہے جس میں اطراف چینی کے منقش خانقاہیں بنی ہوئی ہیں مقبرہ کی عمارت نہایت عالی شان ہے جس سے مسجد کا بھی کام لیا جاتا ہے۔ برآمدہ میں قبہ پر میناروں پر سنہری کام ہے اور اندرونی تمام حصہ کانچ کے کام کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ چاندی کی جالی (پنجرہ) میں مزار اقدس کے بازو شہزادگان علی اکبرؑ و علی اصغر کے مزار ہیں۔

اس سے ذرا ہٹ کر حضرت امام قاسم اور باقی تمام شہدا کے مزار (یا گنج شہداء) واقع ہے۔ مزار اقدس کی دوسری جانب سفید سنگ مرمر کے محراب میں ایک سیاہ پتھر جڑا ہوا ہے جس کے متعلق سیکر خادم عبدالامیر نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقام پیدائش ہے۔ اس سے متصل ایک دوسرے دالان میں حبیب ابن مظاہر کا مزار ہے اس سے تھوڑے فاصلہ پر تہہ خانہ میں اس مقام کی زیارت کرائی گئی جہاں سیدالشہداؑ گھوڑے پر سے گر کر شہید ہوئے۔ اس کو سنگ مرمر کے ایک چبوترے اور چاندی کی جالی سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ایک اور دالان حضرت سید ابراہیم ابن حضرت امام موسیٰ کاظم کا مزار ہے۔ آج جمعہ کی رات تھی اس لیے تمام رات مقبرہ کھلا رہا اور زائرین کی آہ و بکا کے نالوں سے گونجتا رہا۔ مقبرہ کا جو حصہ مزاروں سے بچا ہوا ہے اس سے مسجد کا کام لیا جاتا ہے لیکن عموماً شیعہ حضرات روضۂ اقدس کو سامنے لے کر نماز پڑھتے ہیں۔ جا بجا بجلی کے پنکھے لگے ہیں۔ یہاں کئی ہندوستانی

نظر آئے۔ سقے سبیل پلانے کو خادم جیب خالی کرنے کو اور تاجر فیروزہ اور تسبیح بیچنے کو ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ رات سونے کو مجھے بہت ہوادار کمرہ ملا تھا اور ہوا بھی خوب چل رہی تھی لیکن آج شدید نزلہ کی وجہ سے رات بھر نیند نہ آئی۔

کانچ کی جگمگاتی ہوئی خانقاہ

۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ م ۱۴ اگست ۱۹۶۳ء جمعہ۔ نماز فجر کے بعد بارگاہ سید الشہداء پر حاضری دی۔ اس سے قریب ہی حضرت عباس علمبردار کے مزار اقدس پر حاضر ہوا۔ یہ بھی شاندار روضہ ہے چینی چڑھا ہوا گنبد، سنہری مینار، سنہری برآمدہ وسیع صحن اور کانچ سے جگمگاتی ہوئی خانقاہ ہے۔ مقبرہ اس میں صرف حضرت عباس کا مزار ہے اور ایک گوشہ میں وہ جگہ محفوظ کر دی گئی ہے جہاں آپ شہید ہو کر گر پڑے تھے۔ روضہ سید الشہداء سے کچھ فاصلہ پر میں نے وہ مقام بھی دیکھا جس کو خیمہ گاہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کھجوروں کے ایک چھوٹے سے باغ میں واقع ہے۔ کربلا میں امام حسین کے زمانۂ قیام میں جس ترتیب سے خیمے نصب کیے گئے تھے اسی ترتیب سے تاریخی روایات کے مطابق خیمہ نما قبے بنا دیے گئے ہیں۔ زائرین یہاں بھی حاضر ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

روضۂ اقدس سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر حضرت حر کا مزار ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ شہید ہو کر یہیں گرے تھے۔ اینٹ کے مختصر سے احاطہ میں چھوٹا چینی سے مڑا ہوا گنبد جس کی عمارت نہایت سادہ ہے۔ مسیب کے راستہ میں روضہ مبارک سے دو تین میل کے فاصلہ پر فرزندان مسلم اور حضرت عون کے مزار بھی ہیں

لیکن گرمی اور نزلہ کی وجہ سے میں ان مقامات کی زیارت نہ کر سکا۔ آج کل انگور کا موسم ہے کثرت سے انگور ہیں۔ کربلا کے اطراف بھی یہ پیدا ہوتا ہے۔ کربلا میں خربوزہ تو ہوتا ہے لیکن بدمزہ۔ تربوز تو نہیں ہوتا۔ عراق میں بہت اچھا چاول ملتا ہے۔

دوپہر ہوٹل سرداب میں بسر کی نماز عصر روضہ اقدس میں پڑھی اور بارگاہ علمبردار پر بھی سلام عرض کیا۔ پانچ بجے روانہ ہو کر دو گھنٹے صحرائے گرم میں سے گزر کر نجف پہنچا۔ کربلا کو براہ بغداد ریل بھی جاتی ہے۔ ہندیہ پر گاڑی تبدیل کرنی پڑتی ہے۔ کربلا سے نجف کا کرایہ فی کس ایک روپیہ ہے میں نے اپنے لیے دو نشستیں محفوظ کرائیں۔ عراق کی گرمیاں پریشان کن ہیں غروب ہونے تک آفتاب کی کرنیں چبھتی رہتی ہیں اور غروب کے بعد ایک گھنٹہ تک بھی ٹھنڈی ہوائیں چلتی۔ مغرب کے قریب نجف پہنچا۔ کربلا میں سُنّی خادم سید ہاشم صاحب کا نام بھول جانے کی وجہ سے ایک اور خادم عبدالامیر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ لیکن نجف میں سُنّی خادم سید عبداللطیف صاحب کے پاس قیام کیا۔ دو سال سے ان کا خاندان یہاں مقیم ہے۔ نقیب صاحب روضہ نوش پاک نے انھیں سُنّی زائرین کی خدمت کے لیے متعین کیا ہے۔ عبداللطیف صاحب نہایت خلیق اور صاحب علم بزرگ ہیں شیر خدا کے روضہ کا سنہری گنبد صحرا میں دور سے نظر آرہا تھا۔ نجف چھوٹی سی بستی ہے جس کو فصیل سے محصور کیا گیا ہے۔ نجدی قبائل سے حفاظت کے لیے ایک ایرانی امیر نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ آبادی تقریباً (۵۰) ہزار ہے۔ نجف اور کربلا میں ایرانیوں کی کثرت ہے اور تجارت پر ان ہی کا قبضہ ہے۔ طربوش کے اطراف سبز عمامے باندھے ہوئے تمام خادم فقط خیرات پر زندگی گزارتے ہیں۔

روضہ امیر المومنین کا احاطہ وسیع ہے۔ خانقاہیں دو منزلہ اور چینیاں سے منقش ہیں۔ مقبرہ بہت بلند ہے۔ قبہ اور مینا کار کا رنگ سنہری ہے۔ اندر کی جانب آئینہ کاری کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ مقبرہ صفویوں نے تعمیر کرایا ہے لیکن ترکی سلاطین خصوصاً عبدالحمید ثانی نے اس طرف بہت توجہ کی اور وقتاً فوقتاً اس کی ترمیم پر روپیہ صرف کیا۔ کئی دروازے چاندی کے ہیں اور مزار اقدس چاندی ہی کے پنجرے میں واقع ہے۔ اس کے ایک گوشہ میں ہمیں کھڑا کر کے حضرت آدم و نوح علیہما السلام پر بھی سلام پڑھا گیا کیونکہ یہاں ان انبیاء کے مدفون ہونے کی روایت مشہور ہے۔

مقبرہ کی ایک جانب خزانہ کی کوٹھریاں ہیں جن میں وہ تمام ہدایا اور تحائف محفوظ ہیں جو وقتاً فوقتاً مختلف سلاطین و امرا نے اس دربار میں روانہ کیے۔ یہ سب کوٹھریاں مقفل ہیں اور ان کی کنجیاں حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ مقبرہ کے عقب میں اہل سنت کی ایک وسیع مسجد ہے لیکن مصلیوں کے فقدان کی وجہ بند پڑی ہے پچاس ہزار کی آبادی میں صرف پچاس سنی ہیں اور وہ بھی بے نمازی۔ احاطہ اور خانقاہ کے بعض حجروں میں ایرانی اور ہندوستانی اکابر کی مزاریں ہیں جن کی نعشیں صرف تدفین کی غرض سے یہاں روانہ کی گئی تھیں۔ ایک حجرے میں نواب رامپور کا مزار بھی دیکھا جہاں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ قبر بہت آراستہ ہے۔

روضہ کے اطراف مسقف بازاروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اگر بازار مسقف نہ ہوں تو عراق میں شاید دن کے وقت باہر نکلنا دشوار ہو جائے۔

رات کو سید عبداللطیف صاحب نے سرداب میں رکھے ہوئے تربوز جن کو

یہاں رقی بارگی کہتے ہیں نیز بار بار چاول کئی سالنوں کے ساتھ کھلائے۔ یہ تربوزہ نجف ہی کی پیداوار ہے۔ عنبر بو اور نہایت ہی خوش ذائقہ ہیں۔ صاحب موصوف دیر تک مجھے اپنی معلومات سے مجھ مستفید کرتے رہے۔

کربلا لواء ہے اور نجف اس کے تحت ہے۔ کربلا وسیع شہر ہے لیکن اس کی آبادی نجف سے کم ہے۔ نجف کوفہ کا قبرستان تھا ایک زمانہ میں بہت بڑا شہر تھا جس کے ستّر دروازے تھے۔ حضرت حسینؓ نے خوارج کے ڈر سے ستر دروازوں سے حضرت علیؓ کی میت کے ستر صندوق نکالے تاکہ صحیح مقام معین نہ ہو سکے لیکن اصل میت نجف ہی کے قبرستان میں دفن کی گئی۔

ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ ہارون رشید نجف کے میدانوں میں شکار کھیل رہا تھا اس کا ہرن مزار شیر خدا پر آ کر سو گیا اور ادھر ہارون کا گھوڑا رک گیا جب اس نے وجہ دریافت کی تو لوگوں نے ڈرتے ڈرتے کہا تمہارے ابن عم (حضرت علی) کا مزار ہے۔ جب ہارون نے وہاں کی جگہ صاف کرائی تو حضرت حسینؓ ہاتھ کی تحریر کردہ پتھر کی تختی برآمد ہوئی جس پر یہ جملہ کندہ تھا۔ ھذا قبر علی ابن ابی طالب۔

ہارون نے اس پر چھوٹا سا قبہ بنایا جس کو عضد الدولہ دیلمی نے وسعت دی۔ سلطان سلیم فاتح عراق نے اس پر مزید اضافہ کیا۔ موجودہ عمارت شاہ عباس صفوی کی تعمیر کردہ ہے جس میں ترکی سلاطین نے وقتاً فوقتاً اضافے کیے ہیں۔

بارگاہ حضرت علیؓ

۱۵ راگست ۱۹۳۱ء روز شنبہ۔ ناشتہ کے بعد بارگاہ اسد اللہ غالب

پر حاضر ہوا پھر شہر سے باہر وسیع اور دور تک پھیلے ہوئے قبرستان کے ایک قبہ میں حضرت ہود و حضرت صالح علیہما السلام کی مرقد (ایک ہی مزار ایک چھوٹے قبہ میں) پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ نجف کی گلیوں میں تھوڑی دیر گھومنے کے بعد اپنی قیام گاہ کو واپس آ کر سستایا۔ کربلا میں بھی دیکھا اور یہاں بھی روضہ میں اور قبریں سطح زمین کے برابر ہیں ان پر کتبے لگے ہیں اور لوگ ان پر سے چلتے پھرتے ہیں۔ سید عبد اللطیف صاحب شعبان زادہ نجف اشرف وکیل اہل سنت الجماعت کے دو فرزند ہیں سید محمد ولید اور عبد الرزاق یہ دونوں مسافروں کی خوب خدمت کرتے ہیں۔ پانچ بجے تک سرداب میں کھانے کے بعد نیند بھر سو گیا۔ پھر تیار ہو کر باہر نکلا (۵) روپیہ عبد اللطیف صاحب کو ان کا حق خدمت عطا کیا۔ بارگاہ شیر خدا پر سلام عرض کیا۔ کرایہ کی موٹر راست کوفہ کو جانے کے لیے حاصل کی۔ کوفہ نجف اشرف کے شمال میں ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قدیم کوفہ اجڑ چکا ہے اس کے آثار میں صرف عظیم الشان مسجد کا احاطہ میری دیکھی ہوئی مسجدوں میں سب سے زیادہ وسیع احاطہ اور سب مسجد تھی اس پر قبے بنے ہوئے تھے لیکن اب یہ ٹوٹ گئے یا توڑ دیئے گئے ہیں اور صرف چاروں طرف ۲ یا ۲½ گز چوڑی کمانوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے انھیں میں سے مغربی حصہ میں وہ محراب محفوظ ہے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حملہ کیا گیا تھا وہ حصہ بھی محفوظ ہے جہاں آپ نفل نمازیں پڑھتے تھے جنوب مشرقی کونے میں محمد المختار کا مزار ہے جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے انتقام کے لیے بنی امیہ سے لڑائیاں کیں۔ مشرقی جانب ایک دروازہ کے باہر حضرت مسلم ابن عقیل اور دوسری جانب حضرت ہانی ابن عروہ کا مزار ہے اور

دونوں مزاروں پر دو گنبد ہیں۔ حضرت مسلم کی مزار پر چاندی کا شجرہ ہے۔ صحن مسجد میں متعدد محراب جا بجا بنے ہیں اور ہر ایک محراب ایک جلیل القدر نبی سے منسوب ہے۔ مقام ابراہیم، مقام محمد، مقام عیسیٰ مقام موسیٰ وغیرہ۔ ایک کنوئیں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح کے موقعہ پر اسی سے پانی ابل رہا تھا۔ مسجد کے آگے کچھ فاصلہ پر حضرت خدیجہ بنت علی کرم اللہ وجہ کا مزار ایک چھوٹے سے قبہ میں ہے اور کوفہ اس مسجد سے دو تین فرلانگ کے فاصلہ پر دریائے فرات کے کنارے آباد ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں حضرت یونس علیہ السلام کا مزار ہے۔ پل کی جانب سے حلے کو موٹریں جاتی ہیں۔ حلہ کوفہ سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ کرایہ عموماً فی کس ایک روپیہ ہوتا ہے میں نے دو آدمی کا کرایہ ادا کر کے ڈرائیور کے بازو جگہ حاصل کی مقام جنیل میں مغرب ہوئی یہاں حضرت یہودا ابن یعقوب (ذوالکفل پیغمبر علیہ السلام) کا مزار۔ ایک مخروطی قبہ (جو زبیدہ خاتون کی مزار کے قبہ سے مشابہ ہے) نیچے ہے۔ اس کے متولی اب تک یہودی ہیں۔ ناجی اور رحمد مزہرا نامی دو مجاوروں نے میرے لیے روضہ کھولا سبز غلاف اور ایک تختی جس پر عراقی زبان میں سنہری حروف کندہ ہیں مزار پر آویزاں تھی۔ قبہ سے قریب ایک بلند منارہ ہے لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں بنا ہے بہت ممکن ہے کہ اس کے قریب کوئی مسجد واقع ہو۔ رات ہو گئی تھی۔ موٹر ڈرائیور کو عجلت تھی اس لیے مجھے تحقیق کا موقعہ نہ ملا۔ رات کو ۹ بجے کے قریب حلہ پہنچ کر ایک ہوٹل (محض بھٹیار خانہ تھا) میں ۸ آنہ فی رات کے حساب سے ایک پلنگ حاصل کیا اور سو گیا۔

۱۶ راگست ۶۳۱ء۔ صبح ۶ بجے بابل کے کھنڈر دیکھنے کے لیے روانہ ہوا۔ ابتداً

نو غار دیکھنے میں آئے۔ ان سے گزر کر ایک کنواں ملا۔ اس کے بعد وسیع محل بلند اینٹ کی دیواریں، کشادہ ہال اور کوٹھریاں دیکھیں دیواروں پر اینٹ سے ابھری ہوئی مختلف جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کچھ دور چل کر ایک ہیکل کے آثار دیکھے جس میں ایک ٹوٹا ہوا بت بنا ہوا تھا جس کا جسم شیر سے مشابہ تھا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے سر پر مجھے ہاتھی کے سر کا گمان ہو رہا تھا اور پاؤں میں ایک انسانی شکل کو دبائے کھڑا تھا۔ یہاں پختہ اینٹ سے بنی ہوئی سڑکوں کے نشان پائے پائے جاتے ہیں۔ مختلف کتبے برآمد ہوئے ہیں جن سے مختلف مقامات کے اسماء کا پتہ چلتا ہے۔ اینٹ چونے کے بجائے ڈامبر سے جوڑی گئی ہیں اب بھی کھدائی جاری ہے۔ ایک جرمن فرم نے اس کام کا ٹھیکہ لیا ہے۔ موسم گرما کی وجہ سے کام بند ہے۔ بادشاہ کے محلات، فرات کے پل اور مندروں کا سراغ مل چکا ہے سب عمارتیں پختہ اینٹوں کی ہیں، یہ مقام حلہ سے مغربی جانب تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

حلہ سے سات میل کے فاصلے پر مغربی جانب اس کے کھنڈر برآمد ہوئے ہیں جو بابل سے قبل پایہ تخت تھا اس کی دیواریں کچی اور یعنی بغیر جلی ہوئی اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہیں دو تین جگہ کھدائی ہوئی ہے جس سے مقام کی قدامت کا پتہ چلتا ہے ایک بلندی پر پختہ اینٹوں سے بنا ہوا ایک مندر برآمد ہوا ہے لیکن اس کے تہہ خانوں کو کھولنے کی ابھی کوشش نہیں کی گئی۔ حلہ کے جنوب میں چار پانچ میل کے فاصلے پر ایک اونچے ٹیلے پر ایک مینار دور سے نظر آتا ہے۔ اس کو برس نمرود کہتے ہیں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ابراہیمؑ کے خدا کو مارنے کے لیے نمرود نے یہ مینار تعمیر کرایا تھا لیکن مصری محققین کا خیال ہے کہ یہ معبود بنو کا مندر ہے۔ میں دوسری

رائے سے متفق ہوں کیوں کہ اوپر چڑھ کر دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ جو مینار دور سے نظر آتا ہے وہ حقیقت میں بلند دیوار کا منہدم شدہ ایک حصہ ہے پختہ اینٹ کی عمارت کے اطراف میں شکستہ دیوار کی اینٹوں کا ڈھیر لگا ہے۔ شمالی اور جنوبی جانب کھدائی ہوئی ہے اور کچی اور پختہ اینٹ کے کئے حجرے اور مکان برآمد ہوئے ہیں جو یقیناً اسی مندر کے ملحقات ہیں۔ جس ٹیلے پر دیوار واقع ہے وہ بھی قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی معلوم ہوتا ہے اور یقین ہے کہ اس کے نیچے بھی عمارت اور تہہ خانے ہوں گے۔

اس مینار یا دیوار کے مقابل ایک چھوٹا سا گنبد ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام (قبر یا قیام گاہ بیان کیا جاتا ہے)۔

بابل کے کھنڈروں سے متصل حضرت عمر ابن علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ایک قبہ میں ہے جو اپنے والد کے ساتھ جنگ نہروالا میں زخمی ہوئے اور یہیں رحلت فرمائی اور دفن کیے گئے۔ بصرہ جانے کا قصد تھا لیکن وہاں ہیضہ شروع ہونے کی وجہ سے حکومت کی طرف سے ممانعت ہے اس لیے ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ شام کو موٹر میں حسب عادت دوہرا کرایہ (ہے) ادا کر کے ڈرائیور کے بازو جگہ حاصل کی اور تقریباً ۸ بجے بغداد پہنچ کر کارلٹن ہوٹل میں قیام کیا۔ ۱۷ اگست ۱۹۳۱ ۱ار تیر ۲ شہریور ف ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ روز دوشنبہ حمام اور ناشتہ سے فارغ ہو کر سید محمود آفندی النقیب کے یہاں گیا۔ دیر تک حیدرآباد، بغداد اور میری ذات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ بارگاہ غوث پاک پر حاضری دی پھر ملک علی سابق شاہ حجاز و برادر ملک فیصل شاہ عراق سے ملنے کے لیے ان کی

قیامگاہ کو گیا جو دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے معلوم ہوا کہ ملک فیصل قصر میں نہیں (یہاں محاورہ میں بلاط کہتے ہیں. یعنی سنگ مرمر کا کمرہ جوان کی ملاقات گاہ ہے) بلکہ قصر الملوکی کوٹھی کے باہر کھجوروں کے باغ کے وسط میں انگریزی وضع کا ایک مختصر چھوٹا سا بنگلہ (ممکن ہے اندر دور تک اور مکانات ہوں) ایک کمرہ میں تب ٹھہرایا گیا تھوڑی دیر بعد ایک مغرور عراقی ملکوتری نے جلالت الملک کی یاد فرمائی کی اطلاع دی. ایک گول کمرے میں جو فرش سے معرا تھا جس میں صرف چند کرسیاں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں اور دو تین کمسٹ تصاویر سے آراستہ تھے. ملک علی کھڑے انتظار کر رہے تھے. اپنی عادت کے مطابق نہایت کشادہ پیشانی سے معانقہ کیا. دست بوسی کے بعد مزاج پرسی کی اور دیر تک میرے سفر ترکی و شام کے حالات اور عراق کی موجودہ سیاست کے متعلق گفتگو کرتے رہے. ان سے یہ سن کر تعجب ہوا کہ اسلامی سلطنت ترکیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والے شریف حسین کا جانشین ملک فیصل یورپ جاتے ہوئے ترکی میں محض اس لیے قیام کیا تھا کہ اطراف کے اسلامی سلطنتوں سے رشتہ اتحاد و سودت قائم کرے. انھوں نے فرمایا کہ ایران سے بھی تعلقات اچھے ہیں اور توقع ظاہر کی کہ آئندہ سال ہم عصبۃ الامم میں نشست حاصل کر لیں. تقریباً نصف گھنٹہ تک اس ملاقات کا سلسلہ جاری رہا. قہوہ سے تواضع کی گئی

بغداد کی گرمی کا یہ حال ہے کہ پانچ بجے سے قبل کسی کی ہمت نہیں پڑتی. چلچلاتی دھوپ اور لو میں محفوظ اور سرد گھروں سے باہر نکل سکے. ہم ساڑھے پانچ بجے باہر نکلے. چند موٹر ٹیکسی کمپنیوں میں جا کر طہران کا کرایہ دریافت کیا فی کس (۳) گنی انگریزی یعنے (۴۰ روپیہ ۸ آنہ کلدار) انتہائی کرایہ ہے.

یہاں بھی وہی جھگڑا ہے کہ شوفر کے بازو دو آدمی بیٹھتے ہیں. ڈیوڑھا کرایعنی (۱۳؍۴) ادا کرنے پر مجھ اکیلے کو وہاں بٹھانے پر رضامندی ظاہر کی گئی لیکن میں نے غور کیا کہ خانقین اور قصر شیریں و ہمدان کی پوری سیر اس طرح نہ ہو سکے گی اس لیے قصد کر لیا کہ اس سفر کو کئی حصوں میں تقسیم کروں.

یٰسین پاشاہ ہاشمی سے ملنے کے لیے گیا تھا مگر وہ گھر پر نہ تھے. حضرت امام غزالی ــــــ حضرت سراج الدین (استاد غوث پاک) الشیخ العجمی (حور قطب) کی مزاروں پر حاضری دی.

۱۱ر مہر ۱۳۴۰ف م ۱۸ر اگست ۳۱ء ـ بغداد

تھامس کوک سے کچھ روپیہ حاصل کیا بازار میں مختصر خریدی کے بعد یٰسین پاشاہ کے پاس گیا لیکن آج بھی ملاقات نہیں ہوی. سید محمود صاحب نقیب کے پاس گیا تھا اور دیر تک ان سے عراق کی سیاسیات پر گفتگو رہی دوپہر کا کھانا وہیں پر کھایا. حضرت غوث پاک کی بارگاہ پر حاضر ہوا وداعی سلام عرض کیا فاتحہ پڑھی خدام میں کچھ پیسے تقسیم کیے ہوٹل آیا کچھ دیر قیلولہ کیا پھر کئی خطوط لکھے مغرب کے بعد ہوٹل کا حساب چکا کر بغداد سے روانہ ہوا. ریل ۸½ بجے بغداد کے شمالی اسٹیشن (یعنی باب المعظم) سے خانقین روانہ ہوی ٹیلیفون کے ذریعہ جگہ محفوظ کرالی تھی. درجہ دوم کے ٹکٹ کے لیے (۱۳؍۴) ادا کرنے پڑے رات نہایت آرام سے گزری.

بالائے بام

۱۲ر مہر ۱۳۴۰ف م ۱۹ر اگست ۳۱ء خانقین ـــ صبح ۵½ بجے پہنچا. ایک

ہوٹل میں سامان رکھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ خانقین دراصل ایرانی حدی مقام تھا لیکن عرب عمومی کے بعد عراق کے انگریزی قبضہ نے موصل کی طرح اس کو بھی عراق سے متعلق کر دیا۔ موصل اور کرکوک کی طرح اس کے اطراف بھی مٹی کے تیل کے خزانے ہیں۔ اس وقت یہاں تین کارخانے کام کر رہے ہیں اور بغداد کے بازاروں میں یہیں کا تیل فروخت ہوتا ہے۔ ان کارخانوں کی آپس کی رقابت نے مجھ بے غرض سیاح کو جس نے محض ان کے معائنہ کے لیے خانقین میں ایک دن قیام کیا تھا ان کی دید سے محروم رہا۔ بہتیری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس لیے آج کا دن خانقین میں ضائع ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا سرحدی مقام ہے جس کے اطراف کھجور کے باغ ہیں۔ کربلا نجف اور بغداد کی طرح ایک نہر بھی قریب سے بہتی ہے۔ تمام بستی میں صرف ایک ہوٹل ہے اور موٹر سروس کمپنی بھی ایک ہے جو من مانے کرایے مقرر کر لیتی ہے اور مسافروں کو جس طرح چاہتی ہے پریشان کرتی ہے۔ اسی کمپنی سے کل کے لیے ایک ٹکٹ خریدا۔ سخت گرمی ہے جس کی وجہ سے تمام دن تڑپتے گزرا شام کو آبادی سے باہر چہل قدمی کی۔ مگر رات بالائے بام بہت اچھی گزری۔

ایرانی حد

۱۳ر مہر شنبہ ۔ روانگی از خانقین۔ قصر شیریں ۲۰ر اگست ۱۹۳۱ء۔ صبح آٹھ کر گیارہ بج گیا کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ پانچ آدمی ایک موٹر میں روانہ کیے جائینگے تین مسافر پچھلی سیٹ میں اور دو ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھیں گے۔ لیکن صبح جو آکر

دیکھا تو ایک فورسیٹر داج کے لیے مجھ سمیت سات مسافروں کو روانگی کے لیے تیار پایا
دریافت پر معلوم ہوا کہ پچھلی سیٹ پر تو تین آدمی بیٹھیں گے لیکن سیٹر کی درمیانی
گنجائش میں سامان اتار کر مسافروں کو بٹھایا جائے گا۔ بیچاری موٹر پر رحم آیا لیکن
اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ دوہرا کرایہ ادا کر کے شوفر کے بازو تنہا بیٹھ جاؤں
کرایہ خانقین سے قصر تک معمولاً ایک روپیہ ۸ آنہ یا دو روپیہ ہوتا ہے لیکن جب سے
قصر پر قرنطینہ ہو گیا ہے اور یہاں سے جانے والی موٹریں اور ڈرائیور بھی روک
لیے جاتے ہیں تو کرایہ کی شرح میں پانچ روپیہ تک اضافہ کر دیا گیا ہے میں نے
(عہ) روپیہ ادا کیے۔ خانقین پر چنگی کی پھر ایک سرحدی مقام پر حکومت عراق کی
طرف سے پاسپورٹ کی اور کچھ آگے بڑھ کر حکومت ایران کی طرف سے چنگی اور
پاسپورٹ کی تنقیح ہوئی اس کو یہاں کی اصطلاح میں (گمرک خسروی) کہتے ہیں
سامان کا تفصیلی معاینہ ہوا اور الحمد اللہ ہم کو کچھ ادا کرنے کی نوبت نہ آئی۔ لیکن
پاسپورٹ کے مسئلہ میں بڑی پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ ہم نے سہولت کے خیال سے بمبئی
ہی میں قونصل ایران سے پاسپورٹ پر ویزا حاصل کر لیا تھا اور اس کو کافی سمجھتے
تھے لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ ہر ویزا صرف تین ماہ کے لیے قابل استعمال ہوتا
ہے اگر تین ماہ کے اندر اس کو استعمال نہ کیا گیا تو وہ کالعدم قرار پاتا ہے چنانچہ
اس طرح ہمارا پاسپورٹ بھی منسوخ ہو گیا اور ہم کو تین تومان ادرچہ قرآن ادا
کر کے جدید ویزا حاصل کرنا پڑا۔ یہاں سے قصر شیریں تک چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا
سلسلہ چلا گیا ہے دس بج چکے تھے اور دھوپ میں شدت پیدا ہو گئی تھی ساری
فضا مٹی کے تیل کی بو میں بسی ہوئی تھی گیارہ بجے قصر شیریں میں داخل ہوئے جو عراق کی

سمت میں ایران کا پہلا سرحدی شہر ہے۔ صدر اپوش عراقی کم اور سیلوی ٹوپی پہننے والے ایرانیوں کی کثرت ہے۔ شہر دیکھنے کا موقع کہاں۔ بصرہ کی متاثر آب ہوا کی وجہ سے عراقی مسافروں کے لیے یہاں پانچ روز کا قیام ناگزیر قرار دیا گیا ہے۔ قرنطینہ پانچ چھ ہوادار اور کشادہ مکانوں پر مشتمل ہے جو شہر سے دور ایک ہرا اور خوش فضا میدان کے کنارے واقع ہے۔ ڈاکٹر مرتضیٰ نے جو بہت ہی خلیق آدمی ہیں ایک علیحدہ مکان میں بستر و فرش کا انتظام کر کے ٹھہرایا۔ گو ہوا چل رہی ہے لیکن گرم اور تکلیف دہ ہے۔ یہاں کی گرمی عراق کی گرمی سے زیادہ شدید معلوم ہوتی ہے۔ ۵ بجے نہر میں غسل کیا تمام دن کتب دیکھتا رہا۔ رات کو برآمدہ میں سویا۔ حبس گرمی کی شدت اور مچھروں کی فوج در فوج نے رات بھر نیند حرام کر دی ساری رات نیند نہ آئی۔

رات بھر سونے نہ دیا

۱۴ رجب ۱۳۵۰ھ م ۲۱ اگست ۱۹۳۱ء۔ قرنطنہ کی محدود اور ساکن فضا میرے لیے کوئی سامان دلچسپی نہ تھا۔ دن بھر مطالعہ کے سوا کچھ کام نہیں۔ آج برآمدہ کے ایک محفوظ حصہ میں پلنگ بچھوا کر کتاب دیکھتا رہا۔ ایرانی کھانوں کی بہت تعریف سنی تھی لیکن اب تک وہ کھانے نہیں ملے۔ ابلی ہوئی ترکاریاں بادنجان بامیا، ستا نور اور خیمہ (جو دراصل چنے کا دالچہ ہوتا ہے) یہی سب پھیکے بدمزہ سالن ہیں جن سے دوزخ شکم بھر رہا ہوں۔

گرمی نے دن کو جہنم بنا رکھا ہے اور رات کو ان گنت باریک باریک مچھروں نے چہرے اور ہاتھ پاؤں چھلنی کر دیا ہے۔ تمام رات نیند نہ آئی چاندنی

پُرلطف ہے لیکن ان کے لیے نہیں جو دن کو گرمی میں تپتے ہوں اور رات مچھروں نے نرم بستروں سے اٹھا کر ٹہلنے پر مجبور کیا ہے۔ غرض اس طرح دن گزر رہے ہیں اور بہر حال لائق تشکر ہیں۔

جدید فارسی

۱۵ر مہر سنہ ۱۹ فـ ۲۲ر اگست ۱۹۳۱ء۔ علی گڑھ و پٹنہ کی ایک شیعہ جماعت سے بغداد میں ملاقات ہوی۔ مشہد جا رہی ہے اور قرنطنہ میں ہمارے ساتھ مقید ہے ان سے معلوم ہوا کہ دن نہر کے کنارے بڑے آرام اور لطف سے گزرتا ہے آج میں نے بھی اپنا بستر نہر کے کنارے نیم کے درختوں کے سایہ میں بھیج دیا۔ فی الحقیقت بڑے لطف سے گزری۔ اگرچہ درختوں سے دھوپ چھن رہی تھی۔ لیکن نہر کی قربت بہت فرحت بخش تھی۔ پھر یہ کہ تنہائی نہ تھی۔ قرنطنہ کے تمام قیدی جمع تھے کوئی نہا رہا تھا کوئی کھیل تھا کوئی گا رہا تھا۔ غرض شام ہوتے ہوتے قیامگاہ کو واپسی ہوی۔ رات مچھروں کا مقابلہ کرتے گزار دی۔ یہاں کے ڈاکٹر مرتضیٰ خاں نہایت شریف آدمی ہیں۔ انھوں نے اخبار "ایران" کا پُرانا فائل مہیا کر دیا ہے اس کے ذریعہ جدید فارسی سے واقف ہونے کی کوشش کر رہا ہوں مسلسل بے خوابی کی وجہ سے طبیعت میں اضمحلال پیدا ہو گیا ہے۔

ایک فرانسیسی

۱۶ر مہر ۱۳۱۰ فـ ۲۳ر اگست ۱۹۳۱ء۔ آج قرنطنہ کا چوتھا دن ہے

نہر کے کنارے بڑے آرام سے دن گزارا۔ قہوہ خانہ میں ایک فرانسیسی سے ملاقات ہوئی جو فرانس میں علوم مشرقیہ کا معلم ہے۔ مصر میں زبان عربی کی تحصیل کی ہے اور اب فارسی زبان سیکھنے کے لیے ایران جا رہا ہے۔ نہایت فصیح فارسی میں گفتگو کی۔ رات مچھروں سے پھر مقابلہ رہا۔ خدا اس قرنطینہ سے بخیریت لے جائے۔

ایک ترکی لامذہب

۱۷ر چہار شنبہ م ۲۴ر اگست ۱۹۳۱ء۔ آج ہندوستان کی پٹنہ والی جماعت بھی رخصت ہو گئی لیکن یہاں کے چند ایرانی و عرب مسافروں سے ملاقات ہو گئی ہے۔ انھیں سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتا رہا۔ یہ دیکھ کر خدا کا شکر کرتا ہوں کہ وہ میری گفتگو سے متاثر ہوئے ہیں۔ ایک ترکی لامذہب دہریہ سے آج ملاقات ہوئی۔ دیر تک گفتگو رہی آخر میں نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا یہ شخص زندیق تو ہے لیکن عیار بہت ہے۔

رات ہوا صاف چل رہی تھی گزشتہ راتوں کی بہ نسبت اچھی نیند آئی لیکن معدہ بہت ستا رہا ہے۔ کھانا قطعاً ترک کر دیا ہے۔ خدا حافظ ہے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

قصر شیریں

۱۸ر پنج شنبہ م ۲۵ر اگست ۱۹۳۱ء۔ کل ہمارے پاسپورٹ کی تنقیح ہو چکی تھی۔ (۱۰) بجے صبح اجازت نامہ مل گیا۔ قرنطینہ ہی میں ایک ڈرائیور سے تصفیہ کے

تصفیہ کے مطابق جو اپنے مالک کی نئی ہمبیومیل گاڑی عراق سے ایران لے جا رہا تھا بازار کے مقررہ کرایہ پر ہم قصر شیریں میں داخل ہوئے۔ اسی کے ساتھ کسٹم اور کوتوالی کے جھگڑوں سے نجات پاتے پاتے ۱۲ بج گئے یہ سب جھگڑا موٹر سے متعلق تھا ۱۲ بجے قصر شیریں سے روانہ ہوئے۔ ڈرائیور کو قصر شیریں کے آثار کا علم نہ تھا دھوپ سخت ہو گئی تھی کسی گائیڈ کا ملنا دشوار تھا اس لیے سخت افسوس ہے کہ اس تاریخی مقام کو نہ دیکھ سکا۔ قصر شیریں چھوٹا سا شہر ہے یک منزلہ اور بعض دو منزلہ مکان سب مٹی کے جن کی باہر سے آہک پاشی بھی نہیں کی جاتی۔ چھت نہایت کچی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں بارش زیادہ نہیں ہوتی۔ قصر شیریں میں رتھ کی وضع کی بڑی بڑی گاڑیاں ہوتی ہیں جن کو چار چار گھوڑے ایک دوسرے کے بازو جوتے جاتے ہیں۔ یہاں میوے بہ افراط ہیں اور نہایت سستے ملتے ہیں۔ انگور، انجیر اور زرد آلو کی بہتات ہے۔ راستے میں ایران کے اور بھی گاؤں ملے ہر جگہ مکانوں کی یہی وضع ہے۔ قصر شیریں سے تقریباً ۳۰ میل تک سڑک چھوٹی چھوٹی خشک پہاڑیوں سے ہو کر گزرتی ہے اس سے آگے ایک بلند پہاڑ کو عبور کرنا تھا جب ہم اوپر پہنچے تو اس بلندی پر وسیع وادیاں اور کھلے میدان ملے۔ لو اور گرمی کی وہ شدت جو عراق اور قصر شیریں میں پریشان کر رہی تھی غائب ہو گئی۔ ہم نے ایک چھوٹے سے رسٹورنٹ میں جو کچھ مل گیا اس سے پیٹ بھر لیا اور آگے چلے۔

پائے تاخ کی فرہادی

(۹۵ / ۹۶ / ۹۷ / ۹۸ (۴ صفحات غائب ہیں)

تقریباً (قصرِ شیریں سے ۱۱ اسّی میل کے فاصلہ پر رضا شاہ پہلوی کے علاوہ سرحدی
کا وہ شہر ملا جو شاہ آباد کے نام سے انھوں نے بسانا شروع کیا ہے۔ ایک باغ "باغ
ملی" کے نام سے بن رہا ہے۔ سڑک کے کنارے کچھ دکانیں بھی قائم ہوگئی ہیں
مسافروں کو دم لینے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہاں ایک بدشکل لیکن نہایت شیریں
خربوزہ کا لطف اٹھایا۔ آگے چلے موٹر کا میٹر قصرِ شیریں سے (۹۲) کیلو میٹر بتا رہا تھا
کہ موٹر کا ایک ٹائر پنکچر ہوا، درست کر کے بڑھے ابھی دو کیلو میٹر نہیں گئے تھے کہ
موٹر کا پٹرول ختم ہوگیا۔ ڈرائیور پریشان پھر رہا ہے اور میں موٹر میں بیٹھے بیٹھے
روزنامچہ لکھ رہا ہوں۔ قریب کے قہوہ خانہ سے ڈرائیور نے تھوڑا سا گیاس کا
تیل حاصل کیا اسی سے گاڑی چلانے لگا، پہاڑ کے ڈھلوان نے بھی مدد کی۔ تھوڑی
دیر میں جب ایک گاؤں میں پہنچ گئے تو ڈرائیور آبادی میں جاکر پٹرول کا ایک
ڈبہ اپنے ساتھ لے آیا۔ رات ہو جانے کی وجہ سے پائے تاخ کے فرہادی آثار دیکھنے کا
موقع نہ ملا۔ رات ہی کو وہیں سے روانہ ہوگیا اور دس بجے کرمانشاہ پہنچا۔ ہوٹل
میں رات بسر کی۔

سب سے بہتر حمام خانہ

۱۹ ر مہر سنہ ۲ش م ۲۶ ر اگست ۳۱ء چہار شنبہ۔ کرمانشاہ۔

قصرِ شیریں سے کرمانشاہ تک موٹر کا کرایہ عموماً (۵) تومان مقرر ہے مگر تقریباً
(۸ روپے) کلدار ادا کیے۔ ہوٹل کا خرچ (۵) قران روزانہ (۱۰ ر) کلدار۔ صبح سویرے
بیدار ہوا۔ اصلاح سے فارغ ہوکر غسل خانہ کی راہ لی۔ بڑی تلاش کے بعد سب سے

بہتر حمام کا پتہ ملا۔ ایک چھوٹا سا حجرہ پتھر کا فرش لیکن جا بجا کچرا اور گندگی ایک چھوٹے سے حوض میں پانی بھرا ہوا جس میں نامعلوم کتنے دن سے لوگ نہا رہے تھے جس کی وجہ سے پانی بدبودار ہوگیا ہے۔ حمام خانہ میں چونکہ داخل ہو چکا تھا ناک بند کر کے اور کئی دفعہ ابکائیاں لے کر حمام ختم کیا اور واپس آکر پانچ بجے تک ہوٹل ہی میں سستایا۔

زرتشت

چہار شنبہ ۔ کرمان شاہ سے ۹ کیلو میٹر کے فاصلہ پر طاق بوستان نام کا ایک مقام ہے جہاں پہاڑ کے دامن میں آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ ایک بڑی چٹان پر زرتشت کو دکھایا گیا ہے کہ یوراسف اور کرن سپ پر اپنی تلوار کا سایہ کیے کھڑے ہیں اور یہ دونوں بادشاہ اپنے ہاتھوں میں ہار تھامے ہوئے ہیں اور ان کے قدموں کے نیچے شاہ روم پڑا ہے۔ کرن سپ کے پاؤں اس کے سر پر اور یوراسف اس کے پاؤں پر کھڑا ہے۔

اس اثر کے قریب ہی پہاڑ میں ایک طاق کبیر نہایت خوبصورتی سے بنایا گیا ہے اور اس چٹان پر شاہ پور اور بہرام کی تصویریں بنی ہیں۔ اس سے آگے ایک اور طاق پہاڑ میں کھودا گیا ہے اس کے سامنے والی دیوا کوفی خط کے ذریعہ دو حصوں میں منقسم ہوئی ہے۔ ادھر شاہ پور و شیریں کی تصویریں ہیں جن کے درمیان خسرو پرویز کھڑا ہے۔ دونوں خسرو کو ہار پہنا رہے ہیں اور نیچے رستم کو ایک گھوڑے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ ایران کو فتح کرنے کے بعد عربوں نے ان آثار کو بہت نقصان پہنچایا۔ رستم کے

گھوڑے کا پچھلا سیدھا بازو اور خود رستم کا سیدھا ہاتھ غائب ہے۔ بائیں ہاتھ میں سپر اور سر پر خود، چہرے پر جالی اور جسم میں زرہ کے نقوش اب تک نمایاں ہیں۔ شاہ پور خسرو اور شیریں کے چہرے بھی بگڑے ہوئے ہیں۔ دونوں بازوؤں کی دیواروں میں سے سیدھے بازو کی دیوار پر جمشید کو شکار کرتا دکھایا گیا ہے۔ تصویریں سب ابھری ہوئی ہیں۔ ہاتھیوں کی بھی تصویریں ہیں۔ کہیں ان پر سوار کو اس طرح بٹھایا ہے جیسے کوئی گھوڑے پر بیٹھتا ہے۔ اس سے ایرانیوں کی ہاتھی سے ناواقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

ہرن اور گھوڑوں کی جست بڑی خوبی سے نمایاں کی گئی ہے۔ بائیں جانب کی دیوار پر سوروں کے شکار اور ایک کشتی پر زرتشت کو کھڑا ہوا دکھایا گیا ہے غرض مختلف مناظر نمایاں کیے گئے ہیں۔

اس کی بائیں جانب اوپر کے حصہ میں فتح علی شاہ نے اپنی تصویر کندہ کرائی ہے جس میں ایک پتھر کی کرسی پر اس کو سرخ لباس میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے پیچھے سبز لباس میں عماد الدولہ کو اور سامنے شاہزادے محمود حسین قاچار۔ یہ تحریر ہے اور گائیڈ نے (خطاب حشمت اللہ بتایا) اور تھوڑے سے فاصلہ پر خواجہ سرا کھڑا ہے اس کی تصویر کے اطراف فارسی تحریریں کندہ ہیں جس کو تفصیل سے پڑھنے کا مجھے موقع نہیں ملا طاق کے سامنے دونوں طرف خوشنما گلدستے اور اوپر چاند اور اس کے دونوں بازوؤں پر چاند کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ طاق کے بازو دوسری چٹان پر عربی رسم الخط میں ایک کتبہ ہے جو مجھ سے نہیں پڑھا گیا۔ اس طاق کے بالکل دامن میں پہاڑ کی تہ سے ایک چشمہ نکل رہا ہے جس کا پانی صاف ہلکا میٹھا برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔ دینار کی

ہمارے پاس بڑی اہمیت تھی لیکن ایران میں ایک ہزار دینار ایک قرن کے برابر ہے یہاں انگور کی بڑی کثرت ہے۔ آج کرمان شاہ میں ہم قرن کے انگور خریدے خود کھائے اور دوسروں کو کھلانے کے بعد بھی بچ رہے۔ کرمان شاہ اور اس کے آگے سارے ایران میں برف کسی مشین سے تیار نہیں کی جاتی بلکہ موسم سرما میں پہاڑوں پر برف گرتی ہے اسی کو زیر زمین محفوظ کر لیتے ہیں اور حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں اس طرح وہ پورے موسم گرما میں کام دیتی ہے۔ یہاں کے خربوزے نہایت اچھے اور خوب میٹھے ہوتے ہیں۔ کھانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مصنوعی طور پر شیریں بنایا گیا ہے

۲ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ، ۱۷ر اگست ۱۹۶۱ء پنجشنبہ۔ آج کرمان شاہ سے ہمدان جانے کا قصد تھا۔ کل ہی ایک موٹر ڈرائیور نے صبح ۸ بجے گاڑی لانے کا وعدہ کیا تھا لیکن صبح جب ۹ بجے اس کے گیارہ بج پہنچا معلوم ہوا اس کو رکاب نہیں ہے مجبوراً ایک اور ڈرائیور کے بازو کا ٹکٹ چار طومان یعنی (صہ) روپیہ ادا کر کے میں نے نشست حاصل کی لیکن ظہر سے قبل اس کے روانہ ہونے کی توقع نہ تھی۔ اتفاق سے پہلے ڈرائیور کو رکاب مل گئے۔ اس سے بازار کی مروجہ شرح سے زائد (۱۲) طومان ادا کر کے اس شرط پر معاملہ طے کیا کہ سفر میں حتی الوسع آرام کا لحاظ رکھا جائے گا۔ تقریباً دو بجے کرمان شاہ سے روانہ ہوئے۔ ایک گھنٹہ بعد مشہور پہاڑ بے ستون پر پہنچے جہاں بیان کیا جاتا ہے کہ فرہاد نے کوہکنی کی تھی۔ لیکن یہاں بلندی پر چند تصاویر کے سوا جو فرہاد کی طرف سے منسوب ہیں اور کوئی آثار نہ ملے۔ ایک بہت ہی طویل و عریض کتبہ عربی میں ایک چٹان پر کندہ ہے جو پڑھا نہ گیا۔ یہاں بھی برف کی طرح سرد پانی کی ایک نہر دامن کوہ میں بہہ رہی تھی دیوار کی طرح سیدھے اور اونچے پہاڑ اس سے قبل دیکھنے میں نہ آئے تھے۔

۴ بجے گنگ آور نام کے ایک مقام پر پہنچے. تھوڑی دیر سستایا اور خربوزہ کھایا۔ ایران کے اس حصے میں نہروں کی بہتات ہے لیکن افسوس ہے کہ حکومت ایران نے اس سے استفادہ نہیں کیا۔ راستے میں صرف ایک جگہ موٹر پنکچر ہوئی اور تھوڑی دیر میں درست ہو گئی.

۵ بجے اسعد آباد پہنچے. یہاں قیام نہیں کیا گیا. اسعد آباد کے بعد ہی بلند پہاڑوں کا پیچ در پیچ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو تقریباً ایک گھنٹہ تک قائم رہتا ہے اور وحشتناک وادیوں اور نوک دار چوٹیوں کے مناظر پیش نظر رہتے ہیں. عین مغرب کے وقت ہمدان پہنچے بلند مقام ہونے کی وجہ سے یہاں خاصی سردی ہے. اطراف میں دور دور تک میوہ دار درختوں کے باغ پھیلے ہوئے ہیں جا بجا نہریں بہتی ہیں اور پہاڑیوں پر ہر طرف سرسبزی ہے بڑا شہر ہے. مسقف و غیر مسقف بازار ایک منزلہ و دو منزلہ عمارتیں ہر قسم کی دکانیں بڑے بڑے موٹر گیاریج اور تقریباً ہر موٹر گیاریج سے متصل ایک چھوٹا سا ہوٹل تاکہ مسافر وہاں رات بسر کر سکیں اور دن کے وقت تو دم لے سکیں. ہم نے گیاریج میں موٹر چھوڑی اور "ہوٹل اطمینان" (نام ہوٹل) میں قیام کیا. کمرہ صاف اور آراستہ تھا لیکن کھٹمل اور مچھر دونوں بلائیں موجود تھیں اس لیے مجبوراً بالا خانہ (چھت) پر زیر سماں سویا سردی خوب تھی. بدر کامل نور افشاں تھا. دو لحاف اوڑھے تب آرام کی نیند آئی. ایران میں شراب عام معلوم ہوتی ہے لوگ پیتے ہوئے شرماتے بھی نہیں ہوٹل میں علانیہ ساغر کھنک رہے ہیں.

مسلمان ڈرائیور

۲۱ر مہر ۱۳۴۰ فسم ۲۸ر اگست ۶۳۱ جمعہ۔ ہمدان۔ ناشتے کے بعد شہر کی

پاپیادہ گشت لگائی، بازار دیکھے ایرانیوں کا عام لباس کوٹ پتلون ہے اور جس طرح عراقی کوٹ پتلون پر چیدارہ (فیصل کی ایجاد کردہ کشتی نما ٹوپی) استعمال کرتے ہیں اسی طرح ایرانی پہلوی ٹوپی پہنتے ہیں۔ مدراسی برہمنوں کی مخملی مقلوب کی ٹوپی کی طرح جس کے سامنے ایک آفتابی لگی ہوتی ہے جس میں کٹھورکا موڑ ہوتا ہے۔ پہلوی ٹوپی میں بھی سلایا جاتا ہے۔ پہاڑیوں کا جو سلسلہ خانقین سے شروع ہوا تھا وہ تھوڑے تھوڑے فصل سے ہمدان تک برابر قائم ہے۔

ایران میں ریل نہیں ہے۔ موٹروں کا بھی کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ ہر شہر ۲۰، ۲۵ گیاریج ہوتے ہیں جو مسافروں کے وقت اور پیسے پر من مانے ڈاکے ڈالتے ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کی اخلاقی پستی نہایت افسوسناک ہے۔ ایک مسلمان ڈرائیور کو جب کہ قصرِ شیریں سے کرمان شاہ آتے ہوئے راستے میں اس کا پٹرول ختم ہوگیا یہ کہتے سنا کہ مسلمان کی دکان سے پٹرول خریدنے کا نتیجہ ہے اگر میں نے کسی یہودی کی دکان سے خریدا ہوتا تو (۳) ٹن پٹرول کی مقدار ہمدان تک کام دے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک نوجوان عیسائی کو دوران گفتگو میں حقارتاً یہ کہتے سن کر کہ دس سال قبل میں سگریٹ اور شراب کا عادی نہ تھا لیکن جب سے یہاں کے مسلمانوں کی سوسائٹی نصیب ہوئی ہے ان لعنتوں میں گرفتار ہوگیا ہوں شرم و حیا کے مارے میں زمین میں گڑ گیا۔

امریکہ اور انگلستان کے مشنریز مسیحیت کی اور روس کے مبلغ ایران میں بالشوزم کی تحریک کا پرچار کر رہے ہیں۔ گو حکومتِ ایران نے اندیسرا پابندیاں عائد کی ہیں مگر ان کے تبلیغی مصروفیات میں حارج نہیں ہیں۔

انگریزوں اور روسیوں کی مخالفت نے ایران کو ہر قسم کی ترقی سے محروم کر رکھا ہے خصوصاً اقتصادی حالت بہت خراب ہے۔ رضا شاہ سے ملک کا تین چوتھائی حصہ ناخوش ہے۔ موجودہ معاشرتی آزادی کو نوجوان عیاشی کی سہولت کے پیش نظر پسند کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اس حسن و قبح کا کوئی اور معیار نہیں ہے۔

ایران میں اندرونی خرابیوں کی تدریجاً اصلاح ہو رہی ہے۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ حکومت قرضدار نہیں ہے۔ وعدہ تھا کہ آج صبح آٹھ بجے طہران روانہ ہو جائیں گے لیکن ۱۰ بجے تک انتظار کے بعد اس نے سنایا کہ جمعہ کی وجہ سے مسافر دستیاب نہ ہو سکے اس لیے روانگی محال ہے۔ جبر جمیل کے ساتھ ہمدان میں دن گزارا۔

ایران اور عراق کے مغربی حصہ میں ترکی عام طور پر سمجھی اور بولی جاتی ہے فارسی کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ ایرانی (ک) کا تلفظ (ج) سے کرتے ہیں اور کلب کو چلب اور کبیر کو جبیر کہتے ہیں (ق) کا تلفظ عموماً (غ) سے کرتے ہیں اور قرآن کو غران کہتے ہیں۔ اس سے عراقی بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

آج (۵) بجے تک وقت بیکاری میں گزر گیا۔ شام کو جب ایک نوجوان مسمی داؤد نے کہا کہ ہمدان سے قریب بعض خوش منظر پہاڑوں پر آثار قدیمہ کے بہترین نمونے ہیں تو جس موٹر پر ہم آئے تھے اُسی کو آدھ گھنٹے میں واپسی کے وعدہ سے آثار دیکھنے کو چلے۔ ہوٹل کے منیجر بھی ساتھ ہو گئے لیکن نہ داؤد کو ان کا علم تھا اور نہ منیجر کو اس لیے ایک رہبر بھی ساتھ نہ لیا گیا۔ تھوڑی دیر میں عباس آباد پہنچے جو ہماری قیام گاہ سے تقریباً نصف فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے (ایک فرسخ تقریباً چار میل کے برابر

ہوتا ہے) یہاں سے موٹر چھوڑ دی اور پا پیادہ آگے بڑھ گئے۔ جب کبھی رہبر سے منزل مقصود کی نسبت دریافت کیا جاتا تو جواب میں ہمیں است (ہم آن است آن درخت کہ بینی ہمون۔ آن سنگ کہ بینی ہمون"۔ غرض سب کا جواب ملتا پہاڑیوں پر چڑھتے ناہموار وادیوں کو طے کرتے نالوں کو پھاندتے مسلسل ڈیڑھ گھنٹے کی دوڑ اور تقریباً ۳ میل کی مسافت طے کر کے ایک وادی میں پہنچے اور دیکھا کہ بلند سے پتھر پر پہلو بہ پہلو صرف دو کتبے ہیں جن کی تحریر کا رسم الخط ہیروگلانکس سے پیچ۔ اور کوئی کسی سے مشابہ نہیں ہے۔ یہ کوئی غیر مانوس غالباً قدیم ایرانی رسم الخط تھا جس کا انداز تحریر اس نمونہ ([illegible] FE) کا ہے قریب ہی ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ تھا۔ اس میں نماز مغرب سے فارغ ہو کر چائے پینے کے بعد ہم واپس ہو گئے چونکہ رات ہو چکی تھی اس لیے راستہ طے کرنا دشوار ہو گیا۔ ناہموار زمین جگہ جگہ نشیب اور چھوٹے چھوٹے پتھر جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ دو تین جگہ ٹھوکریں بھی کھائیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ چوٹ نہیں آئی۔ نصف راستہ طے کیا تھا کہ بارے شکر کہ بدر نکل آیا، دودھ سی چاندنی میں باقی راستہ بآسانی طے ہو گیا۔ موٹر والے نے وقت انتظار کے (۲) طومان زیادہ لگائے۔ چھ میل کی اس دوڑ دھوپ نے اس قدر بلکان کیا کہ تمام رات جسم دکھتا رہا۔ نیند تو آ گئی مگر اندیشہ تھا کہ حرارت ہو جائے۔

شہر نو

۲۲ر مہر ۱۳۱۰ ف م ۲۹ر اگست ۱۹۳۱ء شنبہ۔ صبح ۸ بجے ناشتہ کے بعد

سامان باندھ کر میں تیار ہو گیا ۹ ½ بجے تک ہمارے ڈرائیور نے دو مسافر فراہم کر لیے اور ہم ہمدان سے روانہ ہوئے۔ ہمدان کے بعد طہران تک نشیب ہے۔ ہمدان کی بلندیوں اور ٹھنڈی ہواؤں نے تھوڑی دور کے بعد ساتھ چھوڑ دیا۔ موٹر میدانوں سے گزر کر دیر تک پہاڑ کی گھاٹیوں میں اترتی رہی مختلف رنگ کی طبقہ دار چٹانیں نظر آئیں۔ جن میدانوں سے ہم گزرے ان کی دونوں جانب جا بجا نہریں بہتی نظر آئیں اور خربوزہ انگور اور دوسرے میوہ دار درختوں کے باغ نظر آئے۔ ربیع کی کھیتیاں کٹ چکی ہیں اور گاؤں کے باہر کسان خرمن میں جمع کر رہے ہیں۔ کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں سے گزر کر ایک نہر کے کنارے ۱۲ بجے کھانا کھایا ۳ بجے قزوین پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے جن شاہراہوں سے ہم گزرے وہ سب کشادہ صاف اور ستھری تھیں جن کی دونوں طرف ایک ہی وضع کے جدید مکان بنے ہوئے تھے۔ طہران کی جانب کا دروازۂ شہر بہت خوبصورت ہے جس پر زرد و سبز رنگ کی چینی منڈھی ہوئی ہے۔ منزل کڑی تھی کہیں قیام نہیں کیا اور برابر بڑھتے گئے۔

ہمدان سے چلتے ہوئے قزوین میں داخل و خارج ہوتے وقت اور طہران میں داخل ہوتے وقت اس طرح تقریباً ہر جگہ پاسپورٹ کی تنقیح ہوئی۔ ترکی اور ایران میں دیکھا کہ خود ایران کے لوگ بھی اگر شہر سے دوسرے شہر کو سفر کرنا چاہیں تو ان کو نظمیہ یا شرطبہ (پولیس) سے ایک جوازہ (اجازت نامہ) حاصل کرنا پڑتا ہے جس کی ہر شہر میں داخلہ کے وقت تنقیح ہوتی ہے۔ مغرب کے بعد طہران پہنچ کر دروازہ قزوین سے داخل ہوئے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے طہران میں سب سے پہلے میں

جس چیز سے واقف ہوا وہ "شہر نو" ہے جو دروازہ قزوین کے باہر آباد کیا گیا ہے. تقریباً چندی خانہ کے دو ہزار مکانات ہیں جن میں سب فاحشہ عورتیں رہتی ہیں. ایرانی ان کے ساتھ شام کے وقت بازاروں میں آزادی کے ساتھ گشت لگاتے ہیں یہ تو شہر نو کا منظر ہے. اندرونِ شہر بھی اسی طرح کے متعدد خیاباں (محلے) اس کے لیے مخصوص ہیں.

طہران بڑا اور نہایت آراستہ شہر ہے. گزشتہ (۱۰) سال میں اس میں بہت بڑا انقلاب رونما ہو گیا ہے. نئی کشادہ سڑکیں ان کے دونوں طرف ایک ہی وضع کے دو منزلہ مکان کشادہ اور خوبصورت چوراہے خصوصاً حسن آباد کا چوراہا جس کے چاروں طرف ایک ہی وضع کی خوبصورت دو منزلہ عمارتیں بنی ہیں نہایت خوش منظر ہے. خیاباں امیری، خیاباں شہر، خیاباں چراغِ برق، خیاباں لالہ زار بہت اچھے بازار ہیں میدان شہر کے دونوں طرف بلدیہ اور ڈاک خانے کی عمارتیں تیار ہوئی ہیں. ثانی الذکر عمارت کا دو تہائی حصہ زیر تعمیر ہے اسی میدانِ شہر کے مغربی جانب کوتوالی کے صدر محکمہ کی قدیم اور مشرقی جانب امپیریل بنک آف انڈیا کی جدید عمارتیں واقع ہیں. سڑکوں پر برقی روشنی کا انتظام ہے. ان میں سے اکثر شاہراہوں کی دونوں جانب نہریں بہتی ہیں پولیس کا معقول انتظام ہے. ڈکٹوریہ، جوڑی گاڑیاں اور موٹریں یہاں کی عام اور قابلِ حصول سواریاں ہیں. خیاباں لالہ زار کے گرانڈ ہوٹل میں جو ایک ایرانی کے زیر انتظام ہے. مصارف طعام کے علاوہ ایک کمرہ پندرہ قران (تقریباً ۲ روپے کلدار) فی یوم کرایہ پر حاصل کیا. دو روز کی مسلسل دوڑ دھوپ نے بہت تھکا دیا تھا. اچھی نیند آئی.

چراغ برق

۲۳ر مہر ۱۳۱۰ش م ۲۰ر اگست سنہ ۱۹۳۱ء

صبح حمام اور ناشتہ سے فارغ ہوکر مالک ہوٹل سے ملاقات کی معلوم ہوا کہ ان کے پاس سیاحوں کے لیے نہ کوئی گائیڈ بک ہے نہ کوئی گائیڈ جو رہبری کرے البتہ پتہ دیا کہ یہاں ایک گاراژ ہندی ہے جس میں ہندیوں کی سہولت کے سامان بہم پہنچائے جاتے ہیں میرے پاس حیدرآباد سے آغا محمد علی داعی اسلام کے دیے ہوئے تین خط شہزادہ افسر علی ادیب السلطنت بمبئی اور سعید نفیسی کے نام تھے۔ ان کو ٹیلیفون کے ذریعہ اطلاع دی تو معلوم ہوا کہ ادیب السلطنت تو تبریز کے والی مقرر ہوکر روانہ ہو چکے ہیں۔ شہزادہ افسر علی باہر ہیں۔ البتہ سعید نفیسی نے جواب دیا کہ وقت مقرر کرکے اطلاع دیں گے۔ گاراژ ہندی گیا جو خیابان چراغ برق میں واقع ہے معلوم ہوا صرف نام ہندی ہے گاراژ کے مالک و منتظم سب ایرانی ہیں اور وہ ہندیوں کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ ایک ایرانی مطبع کا پتہ ملا۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ مطبع سے متعلق کتاب خانہ تو ہے لیکن کوئی کتاب طہران یا ایران سے متعلق نہیں ہے۔ یہاں اتفاق سے غلام رضا نامی ایک صاحب سے ملاقات ہوئی انھوں نے ایک گائیڈ کا فی گھنٹہ ہم قران کے حساب سے انتظام کیا۔

۲ بجے رہبر آگیا اور اس کے ساتھ طہران کے جنوب میں ملک رے کے کھنڈروں میں ٹھوکریں کھائیں۔ طہران رے کے کھنڈروں میں بسایا گیا ہے۔ اس کے جنوبی حصہ میں حکومت کی جانب سے کھدائی ہو رہی ہے اور آثار برآمد ہو رہے ہیں۔ چشمۂ علی کے کنارے فتح علی شاہ کی تصویر اس کے اپنے بیٹوں دو حبشی غلاموں دو وزیروں اور ایک میر شکاری

کے ساتھ ایک بلند چٹان پر کندہ ہے۔

مسجد ماشاءاللہ چھوٹی سی مسجد ہے جس کے ایک کونے میں اینٹوں کی جوڑ پر چھوٹے چھوٹے گڑھے پیدا ہو گئے ہیں لوگ ان گڑھوں میں چھوٹے پتھر رکھتے ہیں اور مشہور ہے کہ جس نیت سے پتھر رکھا جاتا ہے اگر اس میں کامیابی ہوتی ہو تو وہ اس میں جم جاتا ہے ورنہ گر جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض لغویت اور توہم پرستی ہے۔ ایک پرفضا باغ کے وسط میں برج یزید کے نام سے ایک عظیم الشان قرقی برج ہے، جو اینٹ اور چونہ سے بنا ہے دور سے سنگ بستہ عمارت معلوم ہوتی ہے۔ وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی۔ میرے گائیڈ نے بتایا کہ بطور یادگار طغرل ثالث نے یہ برج بنایا تھا برج کا قطر تقریباً دس گز ہے۔ چھت استداد زمانہ کی نذر ہو چکی ہے۔ دیوار کا جسم اتنا دبیز ہے کہ اندر ہی اندر پوری بلندی تک زینے چلے گئے ہیں لیکن تناسب میں فرق نہیں آیا۔ نہایت مستحکم عمارت ہے۔ مشہور ہے کہ چونہ میں انڈے کی زردی ملا کر بنائی گئی ہے۔

کئی امام زادگان کے مقبرے یہاں واقع ہیں جس میں سب سے مشہور شاہ عبدالعظیم کا مقبرہ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ امام علی رضا کے نتیجے میں ناصرالدین شاہ قاچار روضہ کی طرز پر تعمیر کرایا ہے، کربلا کاظمین اور سامرہ کے روضوں کی طرز پر تعمیر کرایا ہے دہی وسیع احاطہ جو محلہ خانقاہیں، سنہری گنبد، چھت اور دیواروں کے اندرونی حصوں میں آئینہ کا کام اور مزار پر نقرئی پنجرہ ہے۔

ناصرالدین شاہ قاچار جس کو اس روضہ میں ایک شخص نے قتل کیا تھا، ایک طرف ہال میں دفن ہے۔ قبر پر اس کا ایک مرمری مجسمہ ... رکھا گیا ہے اور اسی کمرہ میں کئی

مجتہدین دفن ہیں جن کی قبروں پر ان کی تصویریں آویزاں ہیں۔ آئیل پینٹ کی ایک بڑی تصویر بھی آویزاں ہے جو حضرت محمد رسول اللہ سے منسوب ہے۔

طہران میں شاہ عبد العظیم تک موٹریں چلتی ہیں۔ ایک چھوٹی پٹری کی پرانی وضع کی ریل گاڑی بھی طہران سے یہاں تک چلتی ہے۔ گھوڑوں کی ایک ٹرام بھی ہے جو طہران کے دوسرے حصوں میں چلتی ہے لیکن موٹر یا وکٹوریہ (درشکہ) بہت اچھی سواریاں ہیں۔

ایرانی فنِ لطیف کے شاہکار

۲۴ر چہار شنبہ م ۳۱ر اگست ۳۱ء ۔ طہران۔ آٹھ بجے ہم نے اپنی گائیڈ مہدی طباطبائی کے ساتھ مسجد سپہ سالار۔ بازار بزرگ ایران اور بعض قدیم محلوں کی سیر کی۔

مسجد سپہ سالار تقریباً نصف صدی کی عظیم الشان تعمیر ہے جو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی عمارتوں کے بازو واقع ہے۔ وسیع صحن ہے جس کے وسط میں حوض اور چاروں طرف چمن بندی کی گئی ہے۔ مسجد کا خوبصورت دروازہ، بلند مینار شاندار گنبد اور سب پر ایرانی چینی مڑھی گئی ہے۔ بعض حصوں میں اسی چینی سے دیواروں پر دیدہ زیب گلکاری کی گئی ہے۔ صحن کے تین طرف برآمدے اور حجرے ہیں جن میں طلبا مقیم ہیں اور مسجد سے متصل ایک مدرسہ دینیات قائم ہے جس میں علم کلام اور دیگر عقلی علوم کی تعلیم ہوتی ہے۔ مدرسہ کے مصارف کی پابجائی کے لیے جائداد وقف ہے۔ مدرسہ اور مسجد کا کتب خانہ گو مختصر ہے مگر نوادر سے معمور ہے۔ خطاطی کے

علاوہ جلد سازی کے بہترین نمونے موجود ہیں جو ایرانی فنِ لطیف کے شاہکار تھے روضۃ الصفا اور آتشکدہ کی جلدیں محو حیرت کر دیتی ہیں۔ ایک پر گلکاری اور دوسر پر تصویر کشی کی گئی ہے۔

بازار بزرگ ایران۔ عرب کے بازاروں کی طرح مسقف اور وسیع تو ہیں لیکن استنبول کے بازار کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

اسی بازار سے متصل قدیم شاہی واقع ہے لیکن کسی قابلِ ذکر خصوصیت کی حامل نہیں ہے۔ البتہ اس کے شمالی دروازے کی کمان فن تعمیر کا اچھا نمونہ ہے۔

برطانوی قونصل خانہ کو گیا تھا جو موسم گرما کی وجہ سے شمران میں منتقل ہوا ہے مسٹر برقن نائب قونصل سے ملاقات ہوئی جو بڑے اخلاق سے پیش آئے اور افغانستان کی حسیا کے لیے انڈورسمنٹ دیا۔

افغانستان کی قونصل گیری کو بھی گیا تھا جو خیابان کسرٰی طہران میں واقع ہے شیر محمد خاں قونصل خود نہ مل سکے ان کے نائب محمد امین خاں سے ملاقات ہوئی۔ پاسپورٹ رکھ لیا اور دوسرے روز ویزا دینے کا وعدہ کیا۔ افغانستان کی حسیا سے متعلق بہت مفید مشورے دیئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہرات سے قندہار اور قندہار سے غزل و کابل اور کابل سے جلال آباد اور پشاور ہر جگہ موٹریں جاری ہو چکی ہیں۔

دوپہر ہوٹل میں بسر کی ۴ بجے اپنے رہبر کی معیت میں خیابان سپہ سالار میں ڈکتور سعید نفیسی کا پتہ چلا۔ شام کو آٹھ بجے اور آئندہ ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے نام آقا محمد علی نے ایک خط دیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک دو پرانی مسجدیں دیکھیں جو قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ باغِ ملی کی سیر کی۔ خیابان شہر میں حکومت نے ایک باغ عامہ تعمیر کیا ہے

جو مختصر اور خوشنما ہے۔ شام کے وقت یہاں کے عوام کی سامعہ نوازی کا بھی انتظام ہے۔ ایک طرف کو خیمہ میں بلیرڈ کی چند میزیں پڑی ہیں جہاں ایرانی شرط لگا کر کھیلتے ہیں کھیل کا طریقہ اس سے مختلف ہے جو عام طور پر ہندوستان میں مروج ہے۔ اسی باغ میں مختصر سا سینما تھیٹر ایک رفرشمنٹ اور رسٹوران بھی ہے۔ یہاں سے واپس ہو کر رات میں نے اپنی قیام گاہ میں بسر کی۔

اسلامی جمہوریہ کی داغ بیل

۲۵ رجب ۸۰ فصم یکم ستمبر ۱۳۱ء۔ طہران۔ صبح بازار میں گردش لگاتا رہا آلات نامی کی ایک بڑی دکان اور "یخ جال" کا معائنہ کیا۔ یخ جال اس مقام کو کہتے ہیں جہاں موسم سرما میں برف جمع کر جاتی ہے تاکہ موسم گرما میں اس سے استفادہ کیا جائے۔ پہاڑی مقامات میں سرما میں گری ہوئی برف پہاڑ ہی کے دروں میں محفوظ کر لی جاتی ہے۔ لیکن طہران کی طرح جو شہر پہاڑوں سے کچھ دور ہیں وہاں یہ طریقہ ہے کہ موسم سرما میں بڑے بڑے گڑھوں یا حوض میں پانی بھر دیا جاتا ہے جو قدرسردی کے باعث تھوڑے ہی عرصہ میں برف کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کو تہہ خانوں میں جمع کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک انبار جمع ہو جاتا ہے۔ اب جب کہ موسم گرما.... قریب الختم ہے میں نے دیکھا کہ محفوظ برف گھٹنے بھی نہیں پائی۔ اس گردش کے بعد باقی تمام دن ہوٹل میں بسر ہوا۔

رات کو ۸ بجے آغا سعید نفیسی ملاقات کو آئے تھے۔ نہایت فاضل اور روشن خیال ایرانی ہیں۔ یورپ اور تقریباً تمام بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی ہے۔ ترکی، انگریزی

فرانسیسی وغیرہ زبانوں سے واقف ہیں۔ اتحاد بین المسلمین کو عملاً مشکل خیال کرتے ہیں اگرچہ اتحاد ہند و ایران و افغانستان کے بڑے حامی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر فارسی بولنے والے ممالک کے مابین اتحاد کے موید ہیں۔ ان کا ایک سیاسی نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جنوب و مشرق اور مغرب سے نکل کر ہند کے شمال مغربی گوشے یعنے پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد میں جمع ہو جائیں اور یہاں ایک اسلامی جمہوریہ کی داغ بیل ڈالیں اور باقی ہندوستان ہندوؤں کے لیے چھوڑ دیں تو پھر ایران و افغانستان اور شمال مغربی ہند کا اتحاد ایک کامل اتحاد ہو سکتا ہے۔ سعید نفسی ایران و ہند کے اتحاد کو ضروری سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زعمائے ہند سے ایک ایران میں اور زعمائے ایران سے ایک ہند میں مستقل سکونت اختیار کرے تاکہ بوجوہ احسن دعامیۃ کے ذریعہ اس اتحاد کو قائم کیا جا سکے۔

دوسرے روز مجھے بعض مقامات کی سیر کرانے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔

ایران کی پارلیمنٹ

۲۶ رہبر سلطنہ فروم ۲۰ ستمبر ۱۳۲۰ء۔ طہران۔ صبح ۹ بجے آغا سعید نفسی آئے مجھے ان کے ساتھ مجلس شورائے ملی (پارلیمنٹ ہاؤس) دیکھنے کو گیا تھا۔ اس کے کتب خانہ اور مطبع کا معائنہ کیا۔ کتب خانہ مختصر ہے مگر جدید فارسی، انگریزی، عربی اور فرانسیسی زبان کی اچھی کتابوں پر مشتمل ہے۔ فہرست مفصل و مرتب۔ مطبع جدید آلات سے لیس ہے ڈائی بنانے، تصویر کے بلاک تیار کرنے اور طباعت کا کام بھی کرتا ہے۔ ایران میں تمام سرکاری کتابیں اور جرائد عربی خط نسخ کے ٹائپ پر چھپتے ہیں۔ نستعلیق خط کا

بہت کم رواج باقی رہ گیا ہے۔

پارلیمنٹ کی عمارت دراصل آغا مرزا احسن خاں سپہ سالار اعظم کا مکان ہے چونکہ وہ لاولد تھے اس لیے ان کے انتقال کے بعد اس مکان پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔

سلطان مظفرالدین شاہ قاچار کے زمانہ میں مجلس شورائے ملی قائم کر کے اس کے سپرد کیا تھا۔ تمام کمرے آراستہ اور عمارتیں عالیشان ہیں۔ پارلیمان کے ارکان کی تعداد گو (۱۳۰) ہے لیکن فی الحال یہ صرف (۹۷) ارکان پر مشتمل ہے ہر یکشنبہ کو اجلاس ہوتا ہے۔ اجلاس کا کمرہ وسیع اور شاندار ہے۔ توقع ہے کہ آئندہ اجلاس پر مجھے بھی شرکت اجلاس کا موقع ملے۔

اس کے بعد ہم وزارت معارف کے دفتر کو آئے لیکن اس وقت تک وزیر معارف نہیں آئے تھے اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک وسیع کمرے میں وزارت معارف کا دفتر جس عمارت میں واقع ہے وہ سلطان ناصرالدین شاہ قاچار کے بیٹے ظل السلطان کا مکان تھا جس کی چھت قابل دید تعمیری صناعی کا نمونہ ہے۔ کچھ اس طرح آئینہ بندی کی گئی ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

ترتیب ذخیرہ آثار قدیمہ کا معائنہ کیا۔ بیش بہا قالین، قدیم ایرانی کتبے شاہان صفویہ کے محلات کے بعض منقش پتھر اور دروازے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ ایران کے عجائبات کا بڑا ذخیرہ غیر مرتب حالت میں ہے۔ ایک فرانسیسی عالم آثار قدیمہ اور اس کا مدیر ترتیب کے کام میں مشغول ہے۔

۱۲ بجے سفارت خانہ افغانستان کو گیا۔ آقائے شیر محمد خاں سفیر افغانستان

سے ملاقات ہوئی. اعلیٰ حضرت نادرشاہ کے قریبی رشتہ دار ہیں. ڈیڑھ دو دن میں بہ زمانہ جلاوطنی پیدا ہوئے. امیر حبیب اللہ خاں کے زمانہ میں اور وزیر جنگ تھے. امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں صدر اعظم وزیر مختار اور کئی وزارتوں پر رہے اور امان اللہ خاں کے بہت مداح اور شکر گزار ہیں. لیکن ان کی عجلت اور غیر سیاست دانی پر اظہار افسوس کرتے ہیں. دیر تک سفر افغانستان کے متعلق مجھے مشورے دیتے رہے وہاں کی موجودہ سیاسی حالت کی نزاکت سمجھائی اور وعدہ کیا کہ جب میں اصفہان سے واپس آجاؤں تو پاسپورٹ پر ویزا جاری کردیں گے.

سہ پہر ہوٹل میں بسر کی شام کو طہران کی گلیوں کے چکر کاٹے. ایرانی عربی نغمہ کے گراموفون ریکارڈ خریدے اور رات کو ایک معمولی درجہ کی ناٹک نمائش گاہ میں غیر دلچسپ تماشہ دیکھا.

ولی جان

۲۷ رمضان المبارک ۵۰ھ ۲۴ ستمبر ۳۱ء. آج اصفہان جانے کا قصد تھا ناشتہ کے بعد سب سے پہلے نظمیہ (کوتوالی) گیا اور سفر اصفہان کے لیے جوازہ (وہ پاسپورٹ جو موجودہ ایران میں ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لیے ہر ایرانی غیر ایرانی مسافر کو کوتوال سے حاصل کرنا ضروری ہے) حاصل کیا. پھر بقدر ضرورت رقم حاصل کرنے کے لیے امپریل بنک آف پرشیا گیا. یہاں پہنچ کر ایک نہایت تکلیف دہ فکر لاحق ہوگئی. میرے پاس تھامس کوک کا جو لیٹر آف کریڈٹ (خط اعتبار) ہے

وہ پونڈ کی شکل میں تھا۔ لیکن ہر جگہ جہاں ہم نے پیش کیا یا بنکوں میں بازار کے نرخ یا ایک آدھ آنے کے فرق سے مقامی سکّہ مل گیا لیکن ایران میں مصیبت تھی کہ بازار میں پونڈ کا نرخ ساڑھے گیارہ تومان اور بنک میں ۸½ تومان ہے بنک کا نرخ چونکہ حکومت کا مقرر کردہ ہے اس لیے اسی شرح پر خریدنے کے لیے ہم مجبور ہیں۔ لیٹر آف کریڈٹ بازار میں بک نہیں سکتا کیوں کہ صرف بنک کا موسومہ ہے اس طرح ہم کو ہر پونڈ پر ۳ تومان یعنی تقریباً (۳ روپیہ ۱۲ ر) کلدار کا خسارہ ہے دوسری دقت یہ ہے کہ ایران سے سیدھے افغانستان کا قصد ہے جہاں کوئی بنک نہیں ہے اس لیے ہمیں اپنی ساری رقم فی پونڈ (۱۲ ر) کلدار کے نقصان سے حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ چونکہ اب تقریباً ایک سو پونڈ باقی ہیں تو گویا اس پر تقریباً پونے چار سو کلدار کا نقصان عائد ہوگا۔ ایک تدبیر یہ تھی کہ میں بنک سے نقدی حاصل کرنے کی بجائے ایک چک ان کی اپنی شاخ واقع لندن کے نام حاصل کریں اور اسکو بازار میں فروخت کریں لیکن حکومت نے اس کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ مینجر بنک سے دیر تک گفتگو کی اور بالآخر اس وعدہ پر کہ وہ چک ایران میں نہیں بلکہ افغانستان میں فروخت کیا جائے گا اس کو اس امر پر آمادہ کیا کہ جب میں پاسپورٹ پر افغانستان کا ویزا حاصل کرلوں تو اس کی تصدیق کے بعد مجھے چک دے دے گا۔ لیکن آج اپنی ضرورت کے پیش نظر تقریباً (عہ ر) کلدار کے نقصان سے پانچ پونڈ حاصل کیے۔

دوپہر تک کا وقت اسی دوڑ دھوپ میں گزرا کہ لیٹر آف کریڈٹ کوئی خرید لے لیکن کسی نے رضامندی ظاہر نہ کی۔ اگر ٹراولرز چک ہوتے تو آسانی سے بک جاتے (ایران کے مسافر کو ٹراولرز چک ہی رکھنے چاہئیں)

صبح ۶½ تومان فی کس کرایہ کی شرح سے ایک موٹر کا انتظام ہوگیا تھا ۴ بجے ہوٹل سے گیارہ بجے پر لاری کی راہ لی۔ صرف ایک ہینڈ بیاگ ساتھ ہے۔ باقی سامان ہوٹل میں رکھ دیا ہے۔ سید مہدی طباطبائی (میرے رہبر) کو بھی ساتھ لے لیا ہے۔ پانچ بجے طہران سے چلے۔ بعض قہوہ خانوں میں ٹھہر کر چائے پی۔ پھر بیس پچیس میل کے فاصلہ پر جواز کی تنقیح کروائی۔ مغرب کے بعد قم پہنچے لیکن قیام نہ کیا۔ آگے بڑھ گئے رات کو ایک بجے ایک چھوٹے سے مقام ولی جان پر پہنچ کر کھانا کھایا۔ یہاں قیام کا قصد تھا لیکن کوئی اچھی جگہ قیام کے لیے نہ ملی اس لیے آگے روانہ ہوئے راستہ میں ایک جگہ موٹر پنکچر ہوئی صبح صبح ایک مقام میمنہ پر چائے پی اور تھوڑی دیر کیلیے سستایا۔

اصفہان

۲۸ رہبر ن۱۳۱۰ ف م ۴ ستمبر ۱۹۳۱ء ۔ اصفہان۔ صبح ۶ بجے ہم نے میمنہ سے روانگی کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ موٹر میں سے میرا فوٹو ہینڈ کیمرہ گم ہوگیا ہے۔ الحمدللہ تھوڑی سی تلاش کے بعد مل گیا۔ رات ولی جان سے ہم نے ایک شریف مرد نائب حیدری خاں کو ساتھ بٹھا لیا تھا جن کے ساتھ ایک چھوکرا بھی تھا اسی چھوکرے نے کیمرہ چرا لیا تھا ۹ بجے اصفہان پہنچے۔ ہوٹل ایرلیکانی میں قیام کیا۔ مختصر سے ناشتہ کے بعد ۱ بجے تک سوتا رہا۔ کیونکہ کل ساری رات نیند میسر نہ آئی تھی۔ ۳ بجے اٹھ کر کھانا کھایا اور ۴ بجے اصفہان شہر دیکھنے کو روانہ ہوا۔

ایران پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد یہ سب سے قدیم دارالسلطنت ہے طہران کی بہ نسبت یہاں کی آب و ہوا سرد اور خوشگوار ہے۔ اطراف میں دور دور

تک میوہ دار باغوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ زاینده رود ایک بڑی ندی ہے جس کے کنارہ اصفہان واقع ہے۔ شہر میں سے ہو کر اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں بہتی ہیں۔ مکانات چھوٹے اور بدوضع ہیں۔ پرانے شہر کی سڑکیں تنگ بازار عموماً مسقف ہیں۔ نئی شاہراہیں مثلاً خیاباں کشتا پورہ اور آراستہ، خیاباں چار باغ بہت پر فضا مقامات ہیں۔ سلاطینِ صفویہ نے ان کی زینت میں جتنا حصہ لیا تھا سلاطینِ قاچار نے اتنا ہی ان کو تباہ و برباد کیا تاکہ ان کا نیا دار السلطنت طہران آباد ہو سکے۔ اب بھی صفویہ عظمت کے بہت سے آثار یہاں باقی ہیں۔

دوسرے اسلامی دار السلطنتوں کی طرح یہاں بھی سلاطینِ سلف نے مساجد کی تعمیر اپنے محلات سے زیادہ توجہ دی۔ اصفہان میں یوں تو پچاسوں قدیم مساجد ہیں لیکن مسجد جامع (جو سب سے زیادہ قدیم عمارت ہے) مسجد شاہی، مسجد شیخ لطف اللہ اور مدرسہ چار باغ (یہ بھی دراصل مساجد ہیں جن کے اطراف مدرسے بنے ہوئے ہیں) اپنی عظمت اپنی بزرگی اور چینی (کاشی) کے کام کی خوبصورتی و بے نظیر صنعت کے لحاظ سے قابلِ دید ہیں۔

مسجد لطف اللہ کے سوا تمام مساجد کے صحن وسیع ہیں۔ جن میں جا بجا چبوترے اور چاروں طرف عمارتیں بنی ہوئی ہیں ہر جانب وسط میں ایک بڑی کمان اور اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجروں اور خانقاہوں کا سلسلہ ہے۔ کمانوں میں مسجد کے اندر اور باہر کی دیواروں پر رنگین چینی کا وہ کام کیا گیا ہے جو ہر سیاح کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ کہیں گلکاریاں کہیں دیدہ زیب خط ہیں آیاتِ قرآنی۔ کہیں (بلکہ اکثر) خطِ کوفی میں یا علی یا محمد یا آیاتِ قرآنی منقوش

ہیں. ہر مسجد کے مکمل معائنہ کے لیے کئی روز درکار ہیں. خصوصاً مسجد شیخ لطف اللہ اگرچہ چھوٹی اور مختصر مسجد ہے لیکن اس کا قبہ، تناسب اور خوبصورتی کے اعتبار سے لاجواب اور اس کے اندر جو کاشی کا کام ہے وہ بھی بلحاظ حسن تناسب اشکال و انتخاب رنگ عدیم النظیر ہے. اندر پہنچ کر ایک سیاح گھنٹوں محو حیرت ہو جاتا ہے. مسجد شاہی و مسجد جامع بہت خراب حالت میں ہیں ان کی نگرانی و حفاظت کا انتظام نہیں ہے. مسجد جامع جا بجا سے شکست تھوڑی ہے مسجد شیخ لطف اللہ محفوظ حالت میں ہے. مسجد یا مدرسہ چار باغ کی ترمیم کا منجانب حکومت انتظام کیا گیا ہے تو کام جاری ہے.

قدیم محلات شاہی کے منجملہ جو عمارتیں باقی رہ گئی ہیں وہ چہل ستون، علی قاپو اور تالار اشرف ہیں. چہل ستون کی عمارت اچھی حالت میں ہے. شاہ عباس صفوی کے عہد کی عمارتوں کے اندرونی حصہ میں ایرانی مصوری کے بعض بہترین نمونے دیواروں پر اب تک محفوظ و باقی ہیں. خصوصاً شاہ عباس کے دربار کے مناظر اور ان میں بھی خصوصیت کے ساتھ وہ جس میں نصیر الدین شاہ ہمایوں شہنشاہ ہند امداد کے لیے آیا ہے. قابل دید ہیں. بعض اور کمروں میں ایرانی عشرت و عشق بازی کے مناظر ظاہر کیے گئے ہیں. چہل ستون کی رنگین و مذہب چھت قابل دید ہے. علی قاپو میدان شاہ میں واقع ہے. اس عمارت کی تعریف سے قبل میدان شاہ کی وضاحت ضروری ہے. میدان شاہ عربی ایرانی ممالک میں اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے کئی راستے چاروں طرف نکلتے ہیں. اصفہان کا میدان شاہ بہت بڑا اور طویل و عریض ہے. میں اس طویل سفر کے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ایرانیوں کا

یہ دعویٰ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اتنا بڑا میدان تمام دنیا میں کہیں پایا نہیں جاتا۔ اس میدان سے اطراف میں بارہ راستے نکلتے ہیں۔ اس کے چاروں طرف عمارتیں بنی ہوئی ہیں ایک طرف مسجد شاہی دوسری طرف علی قاپو تیسری طرف مسجد شیخ لطف اللہ واقع ہے۔ یہ عمارتیں گو آراستہ نہیں ہیں لیکن شاندار و پُر عظمت ہے۔ علی قاپو کے معائنہ کے بعد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین صفویہ نے اسی میدان کی سیر یا اس میں بیٹھ کر افواج کا معائنہ کرنے کے لیے بنوایا تھا۔ سامنے دو بلند منزلوں والی عمارت لیکن اندر چھوٹی چھوٹی سات منزلیں ہیں۔ سامنے والی دوسری منزل کی شکل وسیع دالان کی سی ہے۔ کئی ستونوں پر استادہ اس کی دیواروں کے نقوش جو اب مٹ چکے ہیں چھوٹی منزلوں کے کمرے بہترین چھتوں سے آراستہ خصوصاً چوتھی منزل میں محرابیں اس طرح بنائی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کسی نے کاغذ کاٹ کر بنائے ہیں۔ تالار اشرف ادارۂ معارف کے قریب واقع ہے۔ یہاں کی سب عمارتوں کے ساتھ ساتھ یہ عمارت بھی ظل السلطان فرزند ناصر الدین شاہ قاچار کے ظلم و زیادتی کی نذر ہو گئی ہے۔ دیواروں کے بہترین نقش گچ کے پلاستر میں چھپا دیئے گئے تھے جن کو حکومت اب کرید کر نمایاں کر رہی ہے لیکن سنہری چھت اب تک باقی اور اپنے بانیوں کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ قلعہ قدیم کے کھنڈر میدان شاہ کے مشرق میں واقع ہیں صرف دیواریں اور خندقیں باقی رہ گئی ہیں۔ اندرونی میدان میں کاشت ہوتی ہے دیواریں مٹی اینٹ یا گچی کی ہیں لیکن حجم اتنا بڑا کہ دیوار کی سطح پر بوقت واحد میں دو موٹریں چل سکتی ہیں۔ اب یہ بھی قریب النہدام ہیں۔

قلعہ کے کھنڈروں سے آگے شمال میں مسجد علی چھوٹی سی مسجد ہے لیکن اس کا

بلند مینار جواب تک حوادث زمانہ کا متحمل ہے اس کے بانی کی بلند ہمتی کا شاہد ہے۔

اصفہان کی تعمیر کی خوبیوں کا بیان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک "زاینده رود" کے دونوں پل "پل خواجہ" اور "سی و سہ پل" کا ذکر نہ کیا جائے۔ بنیاد پتھر کی اور باقی عمارت اینٹ اور گچ کی ہے۔ پانی کے اخراج کے خانوں کو اس طرح چبوترہ نما بنایا ہے کہ کوئی چاہے تو اس پر سیر بھی کر سکیں۔

خون کے پیاسے

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء یکشنبہ۔ میسے میں صبح ہوئی وہاں سے روانہ ہو کر تقریباً دو گھنٹہ سفر کیا تھا کہ ایک جگہ پہنچ کر موٹر رک گئی یہاں سے قریب ہی پولیس کا چھوٹا سا ناکہ اور ایک مختصر سی آبادی نظر آ رہی تھی معلوم ہوا کہ آقائے آغا رضا شیخ الاسلامی کا گاؤں ہے اور مکان یہاں سے قریب ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ مسافروں کو تھوڑی دیر کے لیے اس گاؤں میں ٹھہرا کر اپنے گھر ہو آئیں۔ آقائے شیخ الاسلامی چونکہ مالک موٹر تھے اس لیے رفقائے سفر نے رضامندی ظاہر کی تو اور دوسرے مسافر جو ساتھ تھے (معہ اپنی دو عورتوں اور ایک ملازم کے) مجبوراً مجھے ان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا لیکن بجائے اس کے کہ میں گاؤں میں قیام کرتا آقائے شیخ الاسلامی کی ایک سرسری دعوت پر ان کے ساتھ ان کے گھر چلنا منظور کر لیا۔ خال حمزہ دیہاتی مقام ہے جہاں آغا رضا شیخ الاسلامی ہم کو اپنی موٹر میں لے گئے اور دعوت کی دیہاتی مکانات کا انداز وہی ہندوستانی دیہات کا ہے۔ ان کا گاؤں سڑک سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر پہاڑ کے دامن میں ایک

نہر کے کنارے واقع تھا۔ راستہ ناہموار اور پتھریلا تھا جس کے عبور میں بڑی تکلیف ہوی ایک جگہ راستہ بھول بھی گئے۔ آقائے شیخ الاسلامی عمتازال دہ من سے تھے۔ یہاں کے باشندوں نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ یہاں ہم نے شیخ کے مکان میں قیام کیا جو ہندوستان کے دیہاتی مکانات کی وضع کا ایک وسیع بنگلہ ہے بستی کے درمیان سے ایک نہر بہتی ہے۔ یہاں کی عورتیں نیلے رنگ کے پنڈلیوں تک اونچے لہنگوں اور نیلے ہی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے کرتوں میں ملبوس ہوتی ہیں۔ سر پر ایک جوکور اوڑھنی، بال پریشان چہرے گرد آلود۔ مردوں کا لباس سیاہ یا نیلا۔ ڈھیلا ڈھالا پاجامہ سفید یا نیلا کرتا اس پر موٹے کپڑے کا روئی دار کوٹ یا چوغہ کمر بندھی ہوی، آداب پرتکلف، گفتگو مہذب لیکن صدق کی بہ نسبت کذب و افترا زیادہ۔

کھانے کا طریقہ وہی جو عرب ممالک میں مروج ہے یعنی صبح چائے اور اس کے ساتھ روٹی ابلے ہوے آمگین انڈے اور کھچڑی جیسے بنے ہوے چاول جس کو دم پخت کہتے ہیں۔ ناشتہ کے بعد شیخ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے اور دو گھنٹے کے بعد آ کر فرمایا آپ آرام فرمائیں ہم ظہر کے بعد روانہ ہوں گے۔ چارپائی پر بستر بچھا دیا گیا۔ سردی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ دوپہر کا وقت ہونے کے باوجود میں نے لحاف اوڑھ لی۔ لیکن آقائے شیخ الاسلامی کے خون کے پیاسے کھٹملوں کی فوج پورے جسم پر دھاوا بول دیا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ وقت گزاری کے لیے ایک فقہ شیعہ کی قلمی کتاب جس کا بڑا حصہ مسائل نماز اور وظائف پر مشتمل تھا جو قریب ہی رکھی ہوی تھی اٹھا کر دیکھتا رہا (۱۲) بجے دوپہر کا کھانا کھایا۔ آقائے شیخ الاسلامی نے میرے

ساتھ چلنے کا قصد ملتوی کیا اس لیے باقی رفقائے سفر کے ساتھ دو بجے گاؤں سے روانہ ہوا۔ اہلِ دیہہ مجھے اور میں ان کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ۳ بجے ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جو لبِ سڑک واقع تھا جہاں اور مسافروں کو ساتھ لے کر آگے روانہ ہوئے اور رات کو ۹ بجے قم پہنچے۔ تھکا ہوا تھا کھانا کھایا اور ایک مہمان خانہ میں سو رہا۔

خوبصورت چار مینار

۲۳ ربیع الثانی ۵۰ھ م ۷ ستمبر ۳۱ء۔ دوشنبہ۔ قم۔ طہران کے جنوب میں ۶۰ یا ۶۵ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور مقام قم واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ایران کے شہروں کی طرح مستقف و غیر مستقف بازار ہیں۔ حضرت فاطمہ بنت موسیٰ کاظم (جن کو معصومہ قم بھی کہتے ہیں) کے روضہ کی بدولت اس کو شہرت حاصل ہو گئی ہے۔ صبح حمام و ناشتہ سے فارغ ہو کر درگاہ پر حاضر ہوا۔ فتح علی شاہ کا بنا ہوا وسیع اور عریض روضہ ہے جس میں کانچ کا بہترین کام کیا گیا ہے۔ دو وسیع صحن ایک مجلس خانہ اور مدرسہ بھی ہے۔ ناصر الدین شاہ قاچار نے اپنے زمانہ میں گنبد کا سنہری رنگ کیا تھا اور شمالی جانب کے برآمدے میں بھی چھت پر زرکاری کرائی تھی مشرقی جانب کے برآمدے اور گنبد میں کانچ اور آئینہ بندی کا کام دیدہ زیب ہے۔ اس کے خوبصورت چار مینار اتنے بلند ہیں کہ دور دراز فاصلہ سے دکھائی دیتے ہیں۔ روضہ کے دروازے چاندی کے اور مزار اقدس پر چاندی ہی کا پنجرہ لگایا گیا ہے۔ شیخ عبدالکریم جن کا لقب آیۃ اللہ ہے اور جو

قم کے سب سے بڑے عالم ہیں روضہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے فقہ اور اصول فقہ کا درس دے رہے تھے۔ شیخ سے استفادہ کے لیے طلبا دور دور سے یہاں آتے ہیں۔ ایک اور جگہ مجلس برپا تھی۔ آہ و زاری کی آوازیں آرہی تھیں۔ روضہ کے دوسرے گوشہ میں بی بی کی مزار کے متصل ایک کمرہ میں شاہ عباس صفوی کا مزار ہے۔ لوہے اور لکڑی کی معمولی تعمیر ہے ایک دوسرے کمرے سلطان حسین شاہ طہماسپ کی بھی ایسی ہی قبر ہے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کی قبر میں سطح زمین کے برابر سفید سنگ مرمر علامت کے طور پر بچھا دیا گیا ہے اس کے سوا کوئی اور نمایاں علامت قبر کی نہیں ہے۔ روضہ کے صحن میں بہترین سبزی مائل مرمریں فرش ہے۔ گوہر قدم پر اور اس پر مرمریں کتبے سطح زمین کے برابر بچھے ہیں مگر زائرین ان کو بے تکلف روندتے پھرتے ہیں۔

دریافت سے معلوم ہوا کہ متولی صاحب مریض ہیں نگران کے فرزند مجلس میں تشریف رکھتے ہیں وہیں ان سے ملاقات ہوئی تو اپنی خواہش ظاہر کی کہ درگاہ شریف کا خزانہ دیکھنے کا موقع دیں لیکن انھوں نے مجھے سیاسی آدمی یا بالفاظ دیگر انگریزوں کا آدمی سمجھا اور حکومت کی جانب سے اجازت کا بہانہ بنا کر ٹال گئے۔ اسی مجلس میں ایک عالم آقا شیخ محمد باقر زندی کرمانی سے ملاقات ہوئی جو انگریزی بھی جانتے ہیں روشن خیال ہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے کھانا کھلایا دیر تک مذہبی و اسلامی مسائل پر گفتگو کی واپس آکر ہوٹل میں تھوڑی دیر ستایا اس کے بعد کوشش کی طہران کے لیے کوئی ٹورنگ کار مل جائے لیکن ناکامی ہوئی۔ مجبوراً بس کا ٹکٹ خریدا۔ اس پوری سیاحت میں یہ پہلا اور غالباً آخری

موقعہ ہو گا کہ میں نے کسی لاری یا بس میں سفر کرنے کی حماقت کی. غرض چوبیس اور مسافروں کے ساتھ شام کو قم سے روانہ ہوئے. طہران کا راستہ تقریباً (۱۰۰) میل ہے. ٹورنگ کار کے ذریعہ (۳) گھنٹے میں آرام کے ساتھ یہ مسافت طے ہو جاتی ہے لیکن اس گاؤں میں تمام رات گزر گئی اور صبح ۴ بجے یعنے پورے دس گھنٹے کے بعد طہران پہنچے. گرانڈ ہوٹل کے پہرہ دار کو جگایا اور ایک کمرہ میں جا کر سو رہا.

طہران ـــ بیکاری

۲۵ ربیع الثانی ۵۰ھ م ۹ ستمبر ۳۱ء چہارشنبہ. تمام دن بیکاری میں گزرا. کچھ دیر سوتا رہا، کھایا پیا یا بیٹھ کر کتاب دیکھا کیا. شام کو باغ ملی کی طرف گیا تھا. بلیٹ کی ایک بازی کھیلی اور جیتا. جیب میں بالکل پیسہ نہیں ہے اگر لیٹر آف کریڈٹ بھناتا ہوں تو قیمت کم وصول ہوتی ہے کل پھر کوشش کروں گا.

رات کو آٹھ بجے آقا سعید نفیسی بے بلائے آئے تھے اور کل پانچ بجے آکر طہران کے بعض مقامات کی سیر کرانے کا وعدہ کیا. رات آرام سے گزری.

سفر افغانستان

۲۶ ربیع الثانی ۵۰ھ م ۱۰ ستمبر ۳۱ء پنجشنبہ. آج لیٹر آف کریڈٹ کو نقد کرانے کی جد و جہد کی ("بنک عثمان" میں گیا لیکن وہاں بھی نہ تو چک ملا اور نہ بازار کے نرخ پر خریدنے پر رضامندی ظاہر کی گئی. بنک ملی گیا وہاں بھی اسی صورت سے دو چار ہونا پڑا. ہوٹل کے منیجر میرزا ناصر خاں صاحب کے توسط سے ایک تاجر نے

نے گیارہ تومان کی شرح سے باین شرط خریدنے پر آمادگی ظاہر کی کہ بنک آف کریڈٹ کو اس کے قرضہ میں محسوب کرے۔ لیکن چونکہ بنک کا وقت باقی نہ رہا تھا اور کل جمعہ ہے اس لیے پرسوں کا تصفیہ ہو سکے گا۔

سفارت افغانستان کے دفتر کو بھی گیا تھا۔ سفیر صاحب سے ملاقات نہ ہوئی معلوم ہوا کہ وزارت دفتر خارجہ گئے ہیں نائب اول سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے سفارتخانوں کے خلاف یہاں پاسپورٹ پر ویزا دینے کے لیے لازم ہے کہ مسافر ایک ورقۂ استقلاف کی خانہ پوری کرے اور اپنی پانچ تصویریں داخل کرے۔ تصویریں میرے یہاں تیار نہیں تھیں واپس آ کر ایک اسٹوڈیو میں تصویر کھینچوائی اور ایک گھنٹے کے اندر اس کی پانچ نقلیں حاصل کیں اور ۴ بجے سفارت خانہ کو گیا اس دفعہ سفیر صاحب محو خواب تھے۔ نائب صاحب نے ورقۂ استقلاف اور تصویریں لے لیں پاسپورٹ پر ویزا بھی لکھ دیا اور کہا کہ سفیر صاحب نے مشہد کے قونصل ہرات و قندھار کے گورنر اور وزرائے خارجہ کے نام تعارفی خطوط لکھ دینے کا بھی حکم دیا ہے۔ دوسرے روز چونکہ جمعہ تھا اس لیے پاسپورٹ اور خطوط حاصل کرنے کے لیے تیسرے روز بلایا۔ "جبرا جمیل" کہہ کر واپس آیا۔

ایران میں میرے کئی دن ضائع ہوئے۔ ایرانیوں کی بدعہدی، کاہلی اور دروغ بیانی اس کا بڑا سبب ہے۔ آقا سعید نفسی ایک بہت ہی بااخلاق اور تعلیم یافتہ ایرانی ہیں۔ کل شام کو خود ہی تشریف لائے لیکن آتے ہی اپنی ناسازی مزاج کا عذر کیا اور آرام کے لیے دو روز فرصت کی ضرورت ظاہر کی۔ ورنہ ان کو بیمار پڑ جانے کا

اندیشہ تھا میں نے خلاف اخلاق سمجھا کہ انھیں تکلیف دوں. اس وعدہ پر کہ ہفتہ کے روز ۱۲ بجے تشریف لائیں گے رخصت کیا. اندیشہ ہے کہ کل کا دن بھی بیکار جائے گا.

شام کو سینما گیا تھا اتفاق سے شیر احمد خاں صاحب سفیر افغانستان سے جو وہاں آگئے تھے ملاقات ہوئی. دیر تک ایران کی حالت افغانستان کی خانہ جنگی اور امان اللہ کے کارکنوں پر اردو زبان میں گفتگو کرتے رہے اور کہا کہ امان اللہ خاں نے افغانستان کو انگریزوں کے نرغے سے نجات دلانے اور اسی نوعیت کی بعض خدمات انجام دی ہیں کہ جس قوم نے آج ان کو جلاوطنی پر مجبور کیا ہے یقین ہے کہ وہی قوم پچاس برس کے بعد ان کا مجسمہ بنا کر پوجے گی. اسی کے ساتھ ایسی حرکات بھی ان سے سرزد ہوئی ہیں جن کا نہ معلوم وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے. چنانچہ ان کی فیشن پرستی کے باعث شراب نوشی اور عورتوں کی بے حجابی نے افغانستان میں دخل پایا. ان خرافات کی نہ صرف انھوں نے اجازت دی بلکہ جس کو زیادہ شراب خوار و آزاد پایا. انعامات کے ذریعہ ان کی ہمت بڑھائی. افغانستان میں امانی دور سے قبل حساب کتاب اور موازنہ کی ترتیب کا کوئی طریقہ رائج نہ تھا. ہر وزیر اپنے صیغہ اور اپنی ذات کے لیے جتنا چاہتا خرچ کرتا تھا. امان اللہ خاں نے اپنے عہد میں یہ طریقہ حسابات کی داغ بیل ڈالی موازنہ مرتب کرایا. اور ہر صیغہ کا خرچ معین کیا. بیجا مصارف کا انسداد کیا ان مفید کارناموں کے مقابل میں اس نے علما اور ملاؤں کی اثر و قوت کا اندازہ کیے بغیر ان کے وظائف مسدود کر دیے اور ان کو ملک میں ذلیل و خوار کر کے ایسی

سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا جو انقلاب اور اس کی جلاوطنی پر منتج ہوئی۔

ہندوستانی پروفیسر سے ملاقات

۲۷ ربیع الثانی ۵۰ھ م ۱۱ ستمبر ۳۱ء جمعہ۔ بیکاری کی حالت میں ۴ بجے تک ہوٹل ہی میں رہا۔ کوئی کام انجام نہ دے سکا۔ ۴ بجے ایک لکھنوی بزرگ آئے جو کل بھی صرف یہ سن کر آئے تھے کہ ایک ہندوستانی حتیا کے ارادہ سے آکر گرانڈ ہوٹل میں مقیم ہے۔ حیدر آباد سے ان کو پچاس ماہوار وظیفہ بھی مقرر ہے گھر کے خوشحال ہیں خیرپور رام پور سے بھی وظیفے جاری ہیں۔ مشہد میں بارگاہ امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت اختیار کر لی ہے۔ کل کی ملاقات میں ذکر کیا تھا کہ علی گڑھ کے پروفیسر محمد حبیب صاحب لکھنوی یہاں مقیم ہیں اور کسی کتاب کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ میں نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ آج مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے ان کے ساتھ چل کر دروازہ "دولت کے قریب" (پاسیون ذی پارس) نامی ایک ہوٹل میں پروفیسر صاحب سے ملاقات کی۔ دُبلے پتلے بہت ہی نحیف جوان ہیں۔ حرکات میں بڑی نزاکت ہے۔ میوہ اور چائے سے تواضع کی تقریباً تین ماہ سے یہاں قیام ہے اور "نظام دولت ایران" پر انگریزی میں کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ رات بڑی بے چینی میں بسر ہوئی۔

چنار کا درخت

۲۸ ربیع الثانی ۵۰ھ م ۱۲ ستمبر ۳۱ء شنبہ۔ ناشتہ کے بعد سفارت خانہ

افغانستان سے اپنا پاسپورٹ اور امپیریل بنک آف پرشیا سے افغانی ویزا دکھا کر چک حاصل کیا۔ میرے لیٹر آف کریڈٹ کو انھوں نے اپنے مقررہ نرخ سے خریدا۔ پھر اسی رقم کو فی پونڈ ایک قران کے ساتھ جمع کر کے بنک آف انگلینڈ کے نام چک جاری کر دیے اس کام کی تکمیل تک ایک بج گیا۔

۴ بجے آقائے سعید نفیسی آئے تھے اپنے ساتھ شمران لے گئے۔ طہران کے شمال میں تقریباً دس میل کے فاصلہ پر طہران کی سطح ارضی سے تقریباً ایک ہزار میٹر بلند شمران کے پہار واقع ہیں۔ اگرچہ سلاطین قاچار نے بھی یہاں ایک محل اور ایک باغ بنوایا ہے۔ لیکن رضا شاہ پہلوی نے اس کی طرف خاص توجہ مبذول کی اسد آباد میں ایک محل اپنے لیے تعمیر کرایا ہے۔ جہاں موسم گرما میں قیام کرتے ہیں۔ امرا اور روسا بھی اپنے مکان تعمیر کرا رہے ہیں تقریباً تمام دول کے سفرا نے اپنے لیے ایک ایک مکان یہاں بنوالیا ہے اور موسم گرما میں یہیں قیام کرتے ہیں۔ طہران سے شمران جانے کے لیے ہر وقت موٹریں مل جاتی ہیں سرکاری مقررہ کرایہ فی کس تین قران ہے کرایہ کی شرح کبھی کبھی اس سے کم بھی ہو جاتی ہے۔ شمران فی الحال کوئی دلچسپ جگہ نہیں ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ممکن ہے زیادہ آراستہ ہو جائے۔ آبادی کے وسط میں ایک امام باڑہ ہے جس کے متعلق آقا سعید نفیسی کا خیال ہے کہ طغرل بیگ سلجوقی کی قبر ہے۔ ایرانیوں کی خوش اعتقادی نے اس کو امام زادہ بنا دیا تھا۔ یہاں ایک بہت قدیم چنار کا درخت ہے جس کی ٹہنیاں تقریباً ۳ گز کے قطر میں پھیلی ہوی ہے۔

سلاطین قاچار کے محلات اگرچہ حکومت کی زیر نگرانی ہیں۔ امان اللہ خاں

جب بادشاہ کی حیثیت سے ایران آئے تھے ان کے قیام کا یہیں انتظام کیا گیا تھا۔ چنار کے بڑے بڑے درختوں سے گھرے ہوئے خوش منظر باغ اور پہاڑ کے دامن میں وادی کے سرے پر خوبصورت محل واقع ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑی دلکش جگہ ہے۔

مغرب کے بعد آقائے سعید نفیسی کے مکان پر گیا۔ ہر شب یکشنبہ کو ان کے یہاں ادبائے طہران کا اجتماع ہوتا ہے جہاں ادبی تذکرے ہوتے ہیں۔ آج بھی تین چار ادیب جمع تھے۔ گفتگو کے بعد نو بجے شب کو اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا۔

اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ یکشنبہ۔ کل چک بنک سے حاصل کیے تھے ان میں (۲۰) پونڈ کا ایک چک آج گیارہ تومان اور چار قران فی پونڈ کے حساب سے فروخت کیا لیکن اس میں بھی دھوکا کھایا کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ بازار میں پونڈ کی قیمت خرید کی شرح گیارہ تومان چھ قران تھی۔

آج دس بجے مجلس شوریٰ ملی کے دفتر گیا لیکن معلوم ہوا کہ صدر شورائے ملی اور کئی ارکان اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے ساتھ آذربائیجان کے دورے پر ہونے کی وجہ سے آج کا اجلاس ملتوی ہے۔ دفتر کے کتب خانہ میں حسب وعدہ آقائے سعید نفیسی مل گئے۔ ان کے ساتھ وزارت معارف کی راہ لی۔ وزیر معارف آج بھی دفتر میں موجود نہ تھے پھر وزارت طرق و شوارع کے دفتر پہنچے مگر یہاں بھی وزیر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی کیوں کہ وہ بہت معروف تھے وزارت خارجہ

کے دفتر میں آقائے محمد علی خاں فروغی وزیر خارجہ سے ملاقات ہوئی. تقریباً بیس سال کئی متعدد وزارتوں کے کام انجام دے چکے ہیں. رئیس الوزراء کے اور انقرہ میں سفیر مختار کے عہدوں پر فائز رہے ہیں. نہایت فہیم وسنجیدہ ایرانی ہیں آواز میں رعب داب، نہایت سلیس مگر فصیح فارسی بولتے ہیں میرے استفسار پر فرمایا کہ دول خارجہ سے ایران کے تعلقات خوشگوار ہیں. اب کوئی اجنبی سیاسی اثر ایران پر مسلط نہیں ہے. البتہ بعض بیرونی تجارتی اثرات سے ایران ہنوز آزاد نہیں ہو سکا ہے. حکومت اس بندھن سے بھی نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے جس کا اثر ملک کے اقتصادی حالات سے ظاہر ہے. اثناءِ گفتگو میں ترکوں کی شکایت کی اُن کی فطرت جفاکار ہے کسی زمانہ میں بھی ان کے تعلقات اچھے نہیں رہے اور اب بھی ترکی ایران سے صاف نہیں ہے وزیر خارجہ نے کہا کہ ایران کی فوجی قوت اطمینان بخش ہے تقریباً ۶۰ ہزار مسلح فوج اور پچاس کے قریب جنگی طیارے ہیں.

معلوم ہوا کہ وزیر صاحب ہندوستان کے لیے اجنبی نہیں ہیں. آگرہ، دہلی اور بمبئی کی سیاحت کی ہے. اس کے بعد وزارت مالیہ کے دفتر کو گئے اور وہاں ونوبیر سید آقائے سید حسین تقی زادہ سے ملاقات کی. زمانہ مشروطیت ایران کے مشہور سید اور قابل ترین وزیر ہیں. وطنی تحریکات کے سلسلہ میں تقریباً ۲۰ سال تک جلاوطن رہے اور نہایت تنگ دستی کی زندگی بسر کی تھی. واپس آکر کئی سال تک ممبر آف پارلیمنٹ (وکیل) رہے اور اب وزیر مالیہ کے عہدہ پر فائز ہیں. ان سے معلوم ہوا کہ حکومت کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ

واردات (IMPORT) و صادرات (EXPORT) کا توازن قائم کیا جائے فرمایا کہ ایران میں ثانی الذکر کے مقابلہ میں اول الذکر بہت زیادہ ہے۔ صادرات کو بڑھانے کے بجائے واردات کو گھٹانے کے لیے اس پر سخت قیود عاید کی جا رہی ہیں جس کے نتیجہ کے طور پر تجارت بری طرح متاثر ہو رہی ہے اور ملک کی عام اقتصادی حالت زبوں ہو رہی ہے۔ ایک ربع سے بھی کم اراضی زیر کاشت ہے ملک میں صنعت کا وجود عدم کے برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں کی سب سے بڑی قابلِ ذکر صنعت غالیچہ بافی ہے۔

آج نواب لکھنوی نے (پاسیون دی پیارس) میں جہاں پروفیسر حبیب مقیم ہیں ہماری دعوت کا انتظام کیا تھا۔ ہندوستانی کھانے کھلائے جو بہت ذائقہ دار تھے۔

شام تک ہوٹل ہی میں گزارا۔ ½ ۷ بجے آقائے سعید نفیسی اپنے ساتھ انجمن ادبی ایران کے ایک جلسہ میں لے گئے جو ہر شنبہ دوشنبہ کو شہزادہ افسر کے مکان پر منعقد ہوتا ہے۔ ۶۰، ۶۵ شائقین ادب کا اجتماع تھا اس انجمن کے قیام کا مقصد ادب فارسی کی ترقی و اصلاح زبان ہے۔ شہزادہ افسر جن کا نام آقائے داعی الاسلام نے مجھے ایک خط بھی دیا تھا آج کل شہر میں موجود نہیں ہیں مشہد میں مقیم ہیں لیکن جلسہ کے انتظامات نہایت اچھے تھے۔ آقا بدیع الزماں کی تحریک پر طے ہوا کہ افغانستان میں زبان فارسی کی طرف نوجوان جماعت کی توجہ اور رسالہ کابل کے اجرا پر ایک تقریظ لکھی جائے اور آئندہ سے اسی رسالہ کی قلمی معاونت کی جائے۔ آقائے سعید نفیسی نے میرا تعارف کرایا اور ہندوستان کو

زبان فارسی سے جو نسبت ہے اس کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا۔ اس اجتماع میں عموماً طرحی غزلیں یا ادبی مضامین پڑھے جاتے ہیں لیکن اس دفعہ طرح کی قید اٹھادی گئی۔ شعراء نے اپنا اپنا بہترین کلام سنایا۔ نوجوانوں کی کوشش کے باوجود فارسی شاعری اپنی قدیم حالت پر قائم ہے۔ غزل میں دینی تصوف یا تغزل کے مضامین اور قصیدہ میں تشبیب و گریز وہی قدیم صورت جاری ہے تحدد مفقود ان ہے۔ جن شعرا کو میں نے آج سنا ان کے منجملہ آقا عزت کے کلام میں تصوف کا رنگ ہے۔ آقا عزت شجرہ فارسی زبان کو عربی الفاظ سے پاک کرنے کی کوشش میں ایک حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ آقا بدیع الزماں اور آقاء طوسی مشہدی دونوں اچھے شاعر ہیں۔ طوسی کے کلام میں معنیٰ کی پختگی زیادہ ہے زبان بھی شستہ ہے۔ آقا نیرنگ نے جو مجلس شوریٰ ملی کے رکن بھی ہیں اپنے استاد ادیب مرحوم کی دو غزلیں اور وہ قصیدہ سنایا جس میں طلوع صبح کی منظر نگاری کی گئی ہے۔ معنی آفرین اور پختگی کے لحاظ سے استادانہ کلام تھا۔ نیرنگ نے اپنی بھی ایک غزل سنائی۔ اس میں شک نہیں کہ مشّاق شاعر ہیں۔

۹ بجے جلسہ برخاست ہوا۔ میں نے اراکین انجمن سے خواہش کی کہ اس اس اجتماع میں جو اچھی غزلیں پڑھی جائیں وہ ہندوستان کے مشہور مجلوں میں شائع کرنے کے لیے میرے پاس روانہ کردی جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے وعدہ کیا کہ ہندوستان اور خصوصاً حیدرآباد کے مشاہیر شعراء کا فارسی شعرا کا کلام بھی یہاں روانہ کیا کروں گا۔ اراکین انجمن نے بہری اس خواہش کو امتنان کے ساتھ قبول کیا۔ رات کو دس بجے سو رہا۔ نیند اچھی آئی۔

صورِ اسرافیل

یکم جمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۱ء۔ دوشنبہ۔ ناشتہ کے بعد ۱۰ بجے سفارت خانہ افغانستان کو گیا۔ احمد خاں صاحب نے حاکم ہرات وقندھار وزراء اور وزیر خارجہ کے نام تعارفی خطوط اور اپنی ایک تصویر بھی بطور یادگار دی۔ بازار میں کچھ خرید و فروخت کے بعد پانچ بجے تک ہوٹل میں بیکار رہا شام کو آقائے سعید نفیسی آئے ان کے ساتھ آقا و مرزا قاسم خاں وزیر پوسٹ وتیلغراف سے وزارت پوسٹ وتیلغراف کی جدید عمارت میں ملاقات کی۔ نہایت خوش اخلاق متواضع اور بامروت انسان ہیں۔ ایران کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمانہ مشروطیت کے دوران میں ایک اخبار موسومہ "صوراسرافیل" جاری کیا تھا۔ رفتہ رفتہ خود ان کا لقب "صوراسرافیل" مشہور ہوگیا۔ حتیٰ کہ یہ اپنے اصلی نام سے نہیں پکارے جاتے۔ کل مجھے اپنے یہاں شام کے کھانے پر مدعو کیا ہے۔

مغرب کے بعد باغ ملی میں کچھ وقت گزارا۔ پھر ایک ایرانی مطبخ میں پلاؤ اور کباب کھائے۔ کتاب خانہ طہران لالہ زار میں تاریخ مشیر الدولہ تلاش کرنے کی غرض سے گیا۔ کتاب خانہ کے مالک آغا پرویز جو ذی علم آدمی ہیں۔ یہاں ایک چھوٹی سی بینچ ہر وقت پڑی رہتی ہے۔ اور اسی پر ایران کے مشاہیر کا ہر وقت مجمع رہتا ہے۔ آج یہاں کئی علماء قدیم و جدید سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر آقا سیف آزاد مدیر روزنامہ "آزادی مشرق" ہیں۔ یہ روزنامہ جرمنی کے پایہ تخت برلن سے شائع ہوتا ہے۔ سیف آزاد وطنیت

اور وطن پرستی کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ اسلامی اتحاد کے نہ صرف مخالف بلکہ اپنے تجربوں کی بنا پر اس کو ایران کے لیے باعثِ نقصان سمجھتے ہیں۔ بہت پُرجوش اور بیباک آدمی ہیں۔ کہتے تھے "ایران نے وطن پرستی ہی کے جوش میں ایران روم و نیز باقی مسلمانوں کے درمیان شیعہ کی دیوار کھڑی کی تھی۔ بالفاظ دیگر شیعت کی تحریک جاری کی تھی۔ اب بھی اس مسلک کے حامی ہیں" "ہم ایرانی ہیں باقی کسی اسلامی دنیا سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے" بعد ازاں اس کی تصدیق بھی ہوئی کہ ان کے بعض جلوں سے ظاہر ہوا کہ ایرانیت اور وطنیت کے جوش میں وہ زرتشت کی بھی مدح سرائی کرتے لگے ہیں۔ ترکوں کے شاکی ہیں کہ ایران نے جنگ عمومی کے خاتمہ پر ترکوں کی مدد کی لیکن اس کے جواب میں ترکوں نے ایرانی حدود پر قبضہ کر لیا۔ غرض وطنیت کی آگ پھیلتی جاری ہے ممکن ہے خدا اس شر سے کوئی خیر پیدا کر دے۔

تختِ طاؤس

۲ رجادی الاول سنہ ۱۳۵۰ھ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ شنبہ۔ آج آقا سعید نفیسی کا حتمی وعدہ تھا کہ محلات قاجاریہ کی سیر اور تخت طاؤس کا معائنہ کرائیں گے۔ آٹھ بجے ان کے مکان کو گیا لیکن ۱۰½ بجے تک وہ صاحب نہ آئے جن کا ان کو انتظار تھا۔ بالآخر آج بھی یہ پروگرام ملتوی کر کے نفیسی صاحب کے ساتھ بازار گیا۔ دو گھنٹوں تک خوب دیکھ بھال کر کے (۱۰ معہ) تومان میں دو

چھوٹے قالین اور (۱۱) تومان میں ایک بڑا قالین خریدا اور ہندوستان روانہ کرنے کا انتظام کیا۔

آج (حللعہ) پونڈ کے دو چک (لعہ) تومان (لے) قران فی پونڈ کے حساب سے فروخت کیے۔

چھ بجے شعرائے طہران کی ایک جماعت ملاقات کے لیے آئی تھی۔ آقائے اورنگ، آقائے بدیع الزماں، آقائے شجرہ وغیرہ سے تقریباً ایک گھنٹہ تک شعر و سخن کی گفتگو رہی۔ رات کو آٹھ بجے آقائے مرزا قاسم (صور اسرافیل) وزیر پوست و تلغراف کی دعوت میں طہران کے سب سے بڑے کلب میں گیا تھا۔ آقائے دہ خدا ایران کے سب سے بڑے ادیب سے بھی ملاقات ہوئی۔ کھانے کی میز پر تاریخ و سیاست سیر و سیاحت غرض مختلف عنوانوں پر دلچسپ گفتگو رہی۔ دس بجے کلب سے ہوٹل واپس آیا اور کچھ دیر کتاب دیکھ کر سو گیا۔

ایرانی قالین

۳ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۰ھ م ۱۶ ستمبر ۳۱ء چہارشنبہ۔ ۹ بجے آقائے سعید نفسی آئے تھے ان کے ساتھ یہاں کے محکمہ کروڑ گیری (گمرک) کو گیا اور ایک بجے کل خریدے ہوئے قالینوں پر محصول کے جھگڑوں کو چکایا اور ایک فرانسیسی کمپنی کے ذریعہ تین گنی اور ۱۴ تومان کے صرفہ سے حیدرآباد روانہ کرنے کا انتظام کیا (۲۰) پونڈ کا ایک چک باقی رہ گیا تھا۔ اس کو گنیوں کے معاوضہ میں فروخت کیا۔ حکومت کی طرف سے سونے کا سکہ حدود ایران میں لانے یا باہر لے جانے کی ممانعت ہے اس لیے بازار میں

پونڈ لوٹ کی قیمت گیارہ تومان ۶ قران اور گنّی کی قیمت دس تومان ۸ قران ہے۔ اس طرح (۲۰) پونڈ کے چک پر (۲۰) گنیاں بھی ملیں اور ۱۶ تومان بھی نفع میں ملے۔

ایران پختہ رنگ کے عمدہ قالینوں پر برآمد کا کوئی محصول عائد نہیں کرتا، صرف کچے رنگ کے قالینوں پر محصول لیا جاتا ہے۔ پانچ بجے آقائے سعید نفیسی کے ساتھ آقائے بیرنگ کے یہاں (حسب محاورہ ایران) دعوت چادخوانی میں شرکت کی۔ آقائے ادیب پشاوری مرحوم کے دو قصیدے جو انھوں نے ہندوستان (اپنے وطن) کو مخاطب کر کے کہے تھے سنائے۔ میوے مٹھائی اور چائے سے تواضع کی مغرب کے بعد خیابان چراغ برق کے تقریباً تمام گاراژ میں چکر لگائی۔ صرف گاراژ اتحاد میں صرف ایک ٹورنگ کار کا پتہ لگا جو کل خراسان جانے والی ہے۔ طہران سے مشہد کا کرایہ سواری کی گاڑی میں ۱۶ سے ۲۰ تومان کے درمیان ہے مگر مجھ اس نے بہت زیادہ بتایا۔ ہوٹل واپس آکر منیجر کے ذریعہ ۲۵ تومان میں شوفر کے بازو اپنے لیے جگہ مخصوص کی۔

(ایران میں بھی شوفر کے بازو دو آدمی بیٹھنے کا طریقہ رائج ہے۔ باقی الحمدللہ)

طہران سے روانگی

۴ رجمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء۔ صبح چھ بجے سے ۹ بجے تک سارا وقت رخت سفر درست کرنے میں گزر گیا۔ حمام سے فارغ ہوکر ہوٹل کے حسابات چکائے اور دس بجے گاراژ پہنچا۔ سامان پر ۳ قران فی من محصول ادا کرنا پڑا۔ احتیاط کے باوجود سامان بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ دس بجے وقت روانگی

مقرر تھا لیکن ڈیڑھ بجے سے پہلے حرکت نہ کر سکے کچھ گاراز و شوفر کا تساہل اور کچھ اس رفیق سفر کی جانب سے تاخیر ہوئی جو اپنی بیوی بچّی اور ایک ملازم سمیت زیارت کی غرض سے مشہد جا رہے ہیں۔

راستے میں متعدد چھوٹے چھوٹے دیہات ملے جن میں رود ہندی پر جواز کی تنقیح ہوئی یہیں پٹرول بھی خریدا گیا" امیریہ" پر ہم نے شام کا کھانا کھایا۔ طہران سے ایک مرحلہ آگے آتے ہی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو سمنان تک جاری رہا (جہاں ہم رات کو گیارہ بجے پہنچے اور شب بسر کی) حدِ نظر تک غضبناک مواج سمندر کی طرح پھیلی ہوئی وادیوں میں پر جوش چھوٹی چھوٹی نہروں کے کنارے مختصر دیہات آباد ہیں جن کے اطراف غلے کے خرمن گدھے، بھیڑوں اور دنبوں کے گلے سر سبز و شاداب کھیت اس میں شک نہیں کہ نظر فریب نظارے ہیں۔ اثنائے راہ میں "گردن غرور اور گردن" نام کی دو بڑی پیچ در پیچ گھاٹیاں ملیں جن کی چڑھائی اور آثار دونوں پُرہیبت تھے" برود ہند" سے امیریہ کے درمیان اتنی شدید سردی تھی کہ میں اپنے ہیں کرتوں سے اس کو برداشت نہ کر سکا۔ سمنان کے گاراز میں ایک صاف اور بے فرش کمرہ مل گیا بستر بچھا کر دراز ہوا۔ کچھ تو مچھروں اور کچھ معدہ کی خرابی نے جو آج کی بازاری غذا کی وجہ سے پھر شروع ہو گئی ہے سونے نہ دیا۔

خراسان

۵ رجمادی الاول سنہ ۵۵ھ م ۱۰ ستمبر ۳۱ء جمعہ۔ خراسان۔ صبح ۶ بجے

سمنان کے گاراژ سے روانہ ہوئے۔ شہر سمنان کا مشرقی دروازہ بہت خوبصورت ہے جس پر کاشی سے ناصر الدین شاہ اور دوسری سلاطین کی تصویریں کندہ ہیں۔ یہ دروازہ آقائے نوشیروان مرزا کے عہد حکومت میں ۱۳۰۲ھ میں تیار ہوا ہے۔ اس کے متصل ایک قدیم مسجد بھی واقع ہے۔ چھوٹی چھوٹی گھاٹیوں اور پہاڑیوں سے ہوتے ہوئے ۱/۲ ۱۰ بجے دامغان پہنچے یہ ایک بڑا قصبہ ہے مسجد جامع اور اس کا بلند مینار اور مسجد تاریک خانہ دیکھا۔ اول الذکر تو معمولی مسجد ہے جس کے مینار بلند اور خوبصورت ہیں۔ مسجد تاریک خانہ کی وجہ تسمیہ سمجھ میں نہ آئی۔ مسجد نہایت قدیم اور اب شکستہ حالت میں ہے۔ مشرقی اور مغربی جانب کے دالان بالکل منہدم ہو گئے ہیں۔ قبلہ کی جنوبی جانب کا کچھ حصہ باقی ہے لیکن محراب و منبر سب شکستہ اور افتادہ حالت میں ہیں۔ لوگ مسجد کی بڑی اور مضبوط اینٹیں بیچ کر نقدی کر رہے ہیں۔ مغربی جانب کا بلند مینار کچھ دنوں کا مہمان معلوم ہوتا ہے۔ دامغان میں کچھ تیر اندازی ساتھی نے تیر ایک کشتی میں اور کچھ شوفر نے نسیم کے سرد جھونکوں سے مست ہو کر سونے اور ستانے میں وقت ضائع کیا۔ میری یادداشت میں درج تھا کہ دامغان سے آگے نظام کے کھنڈروں میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس موجود ہے۔ ڈرائیور کو آمادہ کر کے ان کھنڈروں کی بہت کچھ تلاش کی لیکن رہبر کی عدم موجودگی کے باعث کامیابی نہ ہوئی راستہ میں کئی دفعہ حضرت کے اسم گرامی پر فاتحہ پڑھی ۳ بجے شاہ رود پہنچے خوش فضا مقام ہے یہاں جواز کی تنقیح ہوئی شاہ رود کی ایک شاہراہ خصوصیت کے ساتھ فرحت بخش ہے۔ کشادہ سڑک کی دونوں جانب

چنار کے درختوں کی قطار اور ان کے قریب سے دونوں جانب تیز نہریں بہتی ہیں لیکن اس کے "میامے" "ملکہ" سبزہ وار تک راستہ نہایت خراب اور پتھریلا ہے۔ جب پہاڑی سلسلہ ختم ہو گیا تو موٹر میدانوں سے گزرنے لگی جس کا سلسلہ ۱۲ بجے شب تک برابر جاری رہا۔ ایک جگہ ٹھہر کر شام کا کھانا کھایا اور ۱۲ بجے سبزہ وار پہنچے یہ ایک بڑا قدیم قصبہ ہے۔ ایک گاراز میں باقی رات بسر کی۔

مشہدِ مقدس

۶ رجادی الاول ۵۰ھ م ۱۹ ر ستمبر ۳۱ ؁ء یکشنبہ۔ صبح (۵) بجے موٹر حرکت کن مسافرین بیدار شوید زود باشید" کی صدا نے ہم تھکے ماندے مسافروں کو جگایا۔ بستر لپیٹ منہ ہاتھ دھو کر چائے پی اور آگے روانہ ہو گئے۔ ۹ بجے نیشاپور پہنچے۔ نیشاپور قدیم کے متعلق سنا تھا کہ تاتاری سیلاب نے اس کو برباد کر دیا تھا لیکن بحالت موجودہ یہ اپنی قدامت کا پتہ دیتا ہے۔ شہر سے ۳ میل کے فاصلے پر امام محمد محرق کا مزار ہے اور اس کے احاطہ کے ایک حصہ میں عمر خیام کی سادہ اور گرد آلود قبر واقع ہے۔ زیارت سے فارغ ہو کر ہم دس بجے چلے اور ایک بجے مشہد مقدس میں وارد ہوئے۔ شیخ صدری ہندی کا پتہ لگا کر انہی کے یہاں اقامت اختیار کی۔ نہار کھا کر کچھ دیر سو یا پھر حمام گیا۔ واپس آکر بارگاہ امام ہشتم میں نماز مغرب بھی پڑھی اور زیارت بھی کی تھکا ہوا تھا باقی وقت اپنے کمرے میں گزار کر سو گیا۔

طلائی سکے

۱۴ جمادی الاول سنہ ۵۰ھ م ۲۷ ستمبر ۱۹۳۱ء یکشنبہ۔ مجھے معلوم تھا کہ تقریباً مشرقی حکومت اور خصوصاً ایران و افغانستان اپنے ملک سے سونا اور چاندی برآمد ہونے نہیں دیتے۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی میرے علم میں آچکا تھا کہ افغانستان میں سکہ قرطاس (نوٹ) کی قدر نہیں ہوتی اور نتیجتاً سکہ قرطاس رکھنے والے مسافر کو تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسی خیال کے مدنظر ایران کی سیاحت میں جو روپیہ بچ گیا تھا اس کے (۲۰) پونڈ (طلائی) خرید لیے اور باقی کو ہندی، انگریزی نوٹوں میں تبدیل کرالیا۔ پونڈ اگرچہ سامان میں رکھ چھوڑے تھے لیکن جب "کاریز" کے ادارہ گمرک نے ( ) ایران کا ایک سرحدی مقام ( ) گمرک۔ چنگی خانہ اپنی تنقیح کے دوران میں ان کو برآمد کرلیا۔ ایرانی قانون کی رو سے اس طرح جو سامان برآمد ہوں نہ صرف وہ ضبط کرلیا جاتا ہے بلکہ مسافر کو اس کی قیمت کے مساوی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن آقا مرزا محمد خاں ہری ناش رئیس گمرک ولدیت کاریز نہایت وسیع النظر و خوش اخلاق عہدیدار ہیں انھوں نے بہت سے ایرانیوں کی طرح اپنے ملکی قانون کو قابل اعتراض ٹھہرایا اور ایک تار مشہد کو اسی مضمون کا دیا کہ میں نے سونے کے سکے اخراجات سفر کی غرض سے رکھے ہیں میں نے گویا برآمد نہیں کیے اور مشہد کے صدر گمرک ( ) مالیتی سے ہدایت طلب کی۔ ادھر ریاست صوبہ سادہ کاغذ پر مجھ سے

ایک اقرار نامہ حاصل کر کے کہ مشہد سے حسب قانون ایران جو حکم وصول ہوگا
اس کے مطابق عمل کروں گا۔ تا تصفیہ کاریز میں روکنے کے بجائے ہرات
جانے کی اجازت دے دی اور وعدہ کیا کہ جو بھی حکم ہوگا اس سے بذریعہ
قونصل ایران متعینہ ہرات مجھے مطلع کر دیں گے میں نے بھی مشہد میں آغائے
محمد ولی خاں اسدی متولی آستانہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام و برطانوی
قونصل کو تار دے دیا کہ استرداد رقم کی کوشش کریں۔ معلوم نہیں سفر کے
شدائد نے برداشت کی قوت پیدا کر دی ہے یا خدا پر توکل کا نتیجہ ہے کہ
اس روپیہ کے جانے کا قلب پر کوئی افسوس نہیں ہوا بلکہ الجھنوں سے
چھٹکارا پا جانے کی مسرت محسوس ہوئی۔ کاریز سے دس بجے نجات ملی تھی ایک
گھنٹہ بعد ہم نے افغانی سرحد کو عبور کیا اور تقریباً ۱۲ بجے اسلام قلعہ پہنچے جو
ایرانی سرحد پر افغانستانی علاقہ ہے۔ چونکہ افغانستان کے تقریباً تمام چھوٹے
چھوٹے دیہات ایک دوسرے مکان کے مماثل ہیں اس لیے اسلام قلعہ کی
کیفیت یہاں وضاحت سے بیان کی جاتی ہے ایک چھوٹی سی مربع یا مستطیل
بلند فصیل والی گڑھی کا تصور کیجیے جس کی بیرونی دیواریں اینٹ مٹی کی بنی ہوں
دکن میں ان چھوٹے قلعوں کو کہتے ہیں جو زمیندار زمانہ قدیم میں اپنی حفاظت
یا دشمن سے مدافعت کے لیے بنا لیتے ہیں لیکن بلند اور وسیع دروازہ سے داخل
ہونے کے بعد آپ ایسی جگہ پر پہنچیں گے جیسے ہندوستان کے دیہی مکانوں میں
دونوں طرف دور تک غلام گردش یا پرے کی جگہ ہوا کرتی ہے۔ اندر وسیع صحن
اس کے چاروں طرف کمرے جو مسافر یا مقامی ضرورت مندوں کی سکونت کے

کام آتے ہیں۔ ان کمروں سے قریب اور اسی سلسلہ میں اہل قافلہ کے جانوروں کے لیے اصطبل بنایا گیا ہے۔ ایک طرف چھوٹی سی مسجد اور دوسری طرف حوض نما وسیع اور مسقف پانی کا چشمہ واقع ہے۔ یہی چو محلہ کوٹھریاں کہیں کہیں دو منزلہ بھی ہیں جن کی بالائی منزل سرکاری دفاتر کے لیے مخصوص ہے۔ غلام محبوب خاں صاحب کاکڑ جوزئی ناغڑ ایک قدیم افغانی قبیلہ کا نام ہے۔ نہایت خوش اخلاق سر رشتہ دار ہیں۔ پاسپورٹ کی تنقیح ان ہی سے متعلق تھی اس کام کو انھوں نے بہت جلد ختم کیا۔ یہاں گمرک بھی ایک شاخ ہے۔ شمس الدین نامی ایک تاجیک اور ان کے مددگار ایک سید زادے نے سرسری تنقیح کر کے صندوقوں پر مہر لگادی تاکہ راستہ میں کسی چیز کے گم ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے اور ہرات کے صدر ادارہ گمرک ہی میں کھولے جائیں لیکن فی برات یعنی تنقیح رپورٹ لکھنے میں اتنی دیر لگادی کہ پانچ بج گئے۔ الغرض یہاں سے روانگی کے لیے ایک گھنٹہ بعد دریائے ہرات کے "تری پل" کو عبور کیا مغرب ہوگئی آگے ایک بلند پہاڑی تھی۔ ہماری گاڑی عین بلندی پر پہنچی تھی کہ دوسری طرف سے تقریباً تین گز کے فاصلہ پر ایک اور لاری آتی ہوئی نظر آئی۔ دونوں جانب کے کلینروں نے اس موقع پر بڑی پھرتی اور چالاکی کا ثبوت دیا۔ جیسے شوفر نے گاڑی روکی انھوں نے نیچے جست لگا کر گاڑیوں کے پہیوں کے پیچھے پتھر رکھ دیئے تاکہ گاڑی ہٹنے نہ پائے۔ موت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ مگر خدا نے بال بال بچالیا۔ تھوڑی دور چل کر اسی قسم کا ایک اور حادثہ پیش آیا۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا موٹر میں روشنی نہ تھی۔ ڈرائیور کو چڑھائی کا اندازہ نہ تھا۔ چوٹی پر پہنچنے کے بعد انجن بیکار

ہوگیا۔ بریک بھی خراب تھے موٹر نہ رک سکی اور پیچھے اتار پر تیزی سے واپس ہونے لگی کئی مسافر کود گئے لیکن الحمدللہ کہ گاڑی ایک جانب کسی بلند حصہ پر چڑھ کر خود بخود رک گئی، اگر ایک دو فٹ اور پیچھے ہٹ کر بازو کے گڑھے میں الٹ جاتی تو کم سے کم میرا بچنا تو محال تھا۔ بہرحال خدا کے فضل نے سہارا دیا۔ آگے چلے۔ موٹر میں تو روشنی نہ تھی۔ میرے ٹارچ سے کام چل گیا اور جوں توں پہاڑی راستہ طے ہوگیا۔ اب الحمدللہ راستہ صاف اور مسطح تھا۔

اور ہم میدانوں سے گزر رہے تھے۔ یہ وہی راستہ ہے جو امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان کی سفر یورپ سے براہ ایران واپسی کے موقع پر دولت افغانستان نے تعمیر کرایا تھا۔ اب تو چاند کی روشنی کافی تھی۔ میری ٹارچ لائٹ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی پھر بھی گاڑی کی رفتار سست تھی اور اندیشہ تھا کہ پٹرول ختم نہ ہو جائے اس لیے طے پایا کہ راستہ میں کسی موزوں مقام پر شب گزار کر آگے چلیں گے پہلے ایک چھوٹے گاؤں میں داخل ہوئے لیکن وہاں کے لوگوں کو بدقیافہ دیکھ کر ہمراہیوں نے آگے چلنے کی رائے دی۔ ایک دوسرے گاؤں کے قریب ایک حوض کے کنارے (افغانستان میں اور ایران میں جہاں چشمہ پایا جاتا ہے وہاں ایک بڑا مسقف حوض تیار کر دیتے ہیں) موٹر ٹھہرا دی اور موٹر کے بازو بستر پھیلا کر سو رہے۔ میرے ساتھ جو روٹی اور بسکٹ تھے وہی بدل ماحضر کے طور پر کام آئے

افغانوں کی جہالت و وحشت کے افسانے ہندوستان میں کس نے نہیں سنے جب میں نے افغانستان کا قصد کیا تو احباب تن تنہا اس ملک کے سفر سے منع کرتے تھے اور خود میرے دماغ میں افغانستان کا یہی تصور تھا کہ وہ ایک ایسا

ملک ہے جس میں قزاق، خونی، جاہل اور لٹیرے بستے ہیں۔ افغانستان میں داخل ہونے کے بعد پہلی رات صرف چار نہتے ساتھیوں کے ساتھ ایک ایسے جنگل میں بسر کرتے ہوئے جہاں دور دور تک آدمی کا نشان نہ ہو تو اندازہ کیجیے کہ میرے قلب پر کیا گزری ہو گی۔ یہ رات آدھی رہ گئی تھی۔ ہم نے باری باری سے پہرہ دیکر گزار دی۔ الحمدللہ ان اللہ معنا کا وہ یقین جو ابتداء سے انتہا تک رفیق سفر تھا دل کی تقویت و اطمینان کے لیے کافی تھا۔ رات بخیر و عافیت گزر گئی۔ افغانستان کی قابل تعریف پر امن فضا کا یہ پہلا ثبوت تھا جو مجھے ملا۔

مدرسہ سلطان حسین کے مینار

۱۵ر جمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۱ء دوشنبہ۔ صبح چھ بجے اسباب باندھ کر کوچ کیا اور نو بجے ہرات پہنچ گئے (الحمدللہ) بڑے بڑے عمامے اور ڈھیلے ڈھالے کرتے پہنے ہوئے افغانیوں سے معمور تنگ و تاریک مسقف راستوں سے گزر کر ہماری موٹر ایک گلی کے سامنے ٹھہر گئی۔ سامان گمرک کے "ادارہ" میں چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ مدیر مشغول ہیں اور اس وقت معائنہ نہیں کر سکے۔ ناشتہ ابھی کیا نہ تھا۔ بمشکل تمام بستر، ہینڈ بیگ، اور لوٹا ساتھ لے کر ایک رہبر کے ہمراہ جو وہیں مل گئے حاجی سید کی سرائے میں پہنچا۔ ترکی یا شام و مصر کے "خان" کی طرح سرائے کا وسیع صحن، تجارتی اسباب سے پٹا پڑا تھا۔ درمیان میں حوض اور چاروں طرف کمرے جس میں مسافر اور تجار مقیم تھے۔ ہمیں ایک کوٹھری بتائی گئی جو بمشکل ڈیڑھ گز چوڑی اور ڈھائی گز لمبی ہو گی اور اس کا محل وقوع ایسا تھا کہ تقریباً

تمام دن وہ دھوپ کی زد میں تھی۔ فی الحال اسی کو غنیمت جانا اور ناشتہ سے فارغ ہوا۔ پھر کمرہ کو مقفل کر کے عبدالرحیم خاں صاحب نائب سالار (حاکم اعلیٰ یا صوبہ دار) ہرات کے یہاں گیا۔ جن کے نام سفیر افغانستان شیر احمد خاں صاحب نے طہران میں مجھے تعارفی خط دیا تھا۔ چار باغ کے دارالحکومت میں جو ایک قدیم وضع کی چوکھلا اور شاندار عمارت ہے ان سے ملاقات نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مکان پر ہیں۔ میں وہیں پہنچا۔ موٹر میں سوار ہو چکے تھے اور وہ حرکت بھی کر چکی تھی مگر مجھے دیکھ کر موٹر روک لی۔ شاید شیر احمد خاں صاحب نے ان کو علیحدہ بھی اطلاع دے دی تھی صورت دیکھتے ہی پوچھا۔ آپ کب آئے۔ ایک سپاہی کو حکم دیا کہ گاراژ (گیاریج کا بگڑا ہوا تلفظ موٹر خانہ کے لیے بولا جاتا ہے) گاراژ سید ولی شاہ میں لے جائے اور ینیجر کو تاکید کر دے کہ ایک اچھا کمرہ اور خادم وغیرہ کا انتظام کر دے۔ سید ولی شاہ کے گاراژ میں کمرہ کوئی خالی نہ تھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جماعت قندھار کی طرف گئی تو اس کا کشادہ اور وسیع مگر بے فرش کمرہ مل گیا۔ خدا کا شکر ادا کیا (۳) بجے ادارہ گمرک سے اسباب لینے کے لیے گیا۔ لیکن افسر متعلقہ کی موٹر راستہ میں ملی۔ اب دوسرے دن تک سامان کا ملنا ممکن نہ تھا۔ بے نیل مرام واپس آیا۔ باقی دن اسی گرد وغبار سے اٹے ہوئے میلے کچیلے کپڑوں میں بسر کیا۔

غلام رضا خاں نامی تاجیک، جو میری خدمت کے لیے متعین کیا گیا ہے۔ اطاعت گزار و دیانت دار شخص ہے۔

ہرات بہت قدیم شہر ہے۔ اصل شہر کے اطراف مٹی کا ایک عریض فصیل ہے جو اب جگہ جگہ منہدم ہو گئی ہے۔ وہی چھوٹے چھوٹے کچے ڈھالوں کے مکانات ۔ ۔ ۔

ہیں۔ ممالک عرب وعجم میں آہک پاشی کا طریقہ کہیں رائج نہیں ہے۔ تنگ اور مسقف بازار۔ صفائی کا انتظام برا نہیں ہے۔ وہ درشکہ (فٹن گاڑی) اکی دکی ملجاتی ہے ایران و ہندوستان میں ہر جگہ یہی دیکھا کر جب حکومت نے کسی شہر کو آراستہ کرنا چاہا تو اس کی قدیم شاہراہوں کو وسیع اور قدیم عمارتوں کو جدید وضع دیجاتی ہے۔ لیکن ہرات کی آرائش کے لیے امیر امان اللہ خاں نے ایک جدید بازار اور شہر کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ قدیم فصیل سے باہر شمالی جانب وسیع سڑکوں کے دونوں طرف بازار، موٹر گاراژ اور حمام وغیرہ کے علاوہ شہری ضروریات کے بموجب عمارتوں کا ایک وسیع سلسلہ تعمیر کرایا۔ اپنے زمانہ میں لوگ شہر کے قدیم بازاروں سے اپنی دکانیں اٹھا کر اس جدید شہر میں آباد بھی ہو گئے تھے لیکن انقلاب کے بعد پھر سب اپنی قدیم جگہ لوٹ آئے ہیں اور جدید تعمیر شدہ بازار سب خالی پڑے ہیں صرف موٹر گاراژ آباد نظر آتے ہیں۔ شہر ہرات کے اطراف دور تک آبادیوں کا ایک دوسرے سے متصل ایک طویل سلسلہ چلا گیا ہے اور ہر جگہ نہروں اور زراعت کی کثرت ہے قبرستانوں اور زیارت گاہوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ بعض ہراتیوں کا یہ مقولہ حرف بحرف صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آثار و مقابر کی زیارت کے لیے چھ ماہ کی مدت بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ ہر کھنڈر پر میدان ہر کھیت اور ہر ویرانہ میں سنگ مرمر یا دوسرے پتھروں کے لوح مزار بکھرے ہوئے پائے گئے۔ شہر کی شمالی جانب ان چھوٹے چھوٹے بعض میناروں کے علاوہ جو مساجد کے مینار معلوم ہوتے ہیں چار بہت بڑے شاندار کاشی کے مرصع کار مینار ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہیں اور دور سے سیاح کی توجہ کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ کاشی کے کام کے نقوش اور مینار وہی کم

بالکل موہوم سے باقی رہ گئے ہیں. کہیں کہیں کچھ صحیح وسالم باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں میناروں کے درمیان کوئی شاندار عمارت تھی جو منہدم ہو گئی ہے. بعد میں تحقیق ہوا کہ یہ مدرسہ سلطان حسین کے مینار ہیں. ایران میں مدارس بھی مساجد کی طرح بہت شاندار تعمیر کیے جاتے تھے. چنانچہ مدرسہ چار باغ (اصفہان) وغیرہ بطور یادگار اب بھی باقی ہے. بیدر (دکن) میں محمود گاوان کا مدرسہ بھی اسی طرز تعمیر کا ایک بگڑا ہوا نقش ہے. اب ان میناروں کے بیچ سے راستہ گزرتا ہے.

طوفانی موسم

۱۶ رجمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۲۹ ستمبر ۳۱ء. صبح ۹ بجے کمرک گیا تھوڑے انتظار کے بعد مدیر ادارہ جو ایک ضعیف العمر قدیم وضع کے بزرگ ہیں تشریف لائے. نائب سالار صاحب سے ٹیلیفون پر میرے متعلق دریافت کیا پھر فوراً میرا اسباب منگوایا اور برائے نام تنقیح کے بعد محصول عائد کیے بغیر چھوڑ دیا. کوتوالی کے دفتر میں طلبی ہوئی ایک افسر نے مقصد سفر سے متعلق معمولی سے استفسارات کیے. یہاں سے فارغ ہو کر بازار سے کچھ ضروریات کی چیزیں خریدیں اور قیام گاہ پر واپس آگیا ۴ بجے جدید عمارتوں کے معائنہ کے سلسلہ میں شہر کا وہ حمام خانہ دیکھنے کے لیے روانہ ہوا جو بہترین سمجھا جاتا ہے. دیکھنے کے بعد اس کی تصدیق ہوئی. اسی میں حمام کیا.

اگرچہ یہاں کا طوفانی موسم جس طرح دکن میں میرگ سے قبل ہوتا تھا

کی کارتی (موسم) ایں تیز و تند ہوائیں چلتی ہیں۔ اسی طرح یہاں بعض خاص ایام میں تیز ہوائیں چلتی ہیں جن سے اس قدر گرد اڑتی ہے کہ چند قدم سے زیادہ فاصلہ پر دیکھنا یا سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ موسم قریب الختم ہے۔ لیکن شام کو ہرات کی تند ہواؤں نے جن سے بازار ناقابل عبور ہو گئے تھے اور گرد و غبار سانس لینے نہیں دیتا تھا۔ قیام گاہ سے باہر نکلنے نہ دیا۔ میرے کمرے کے دروازوں کے آئینے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہوا کی تندی نے سردی بڑھا دی۔ اس لیے شب کو نیند اچھی نہیں آئی۔

آلِ تیمور کی قبریں

۱۷ رجادی الاول ۵۰ھ م ۳۰ ستمبر ۳۱ء۔ چہارشنبہ۔ افغانستان میں یہ سید ہرات قیام میں ہو قران ایرانی تقریباً ۹ آنہ کلدار برابر تھے۔ ایک روپیہ کابلی (۲) قران ایرانی کے برابر اور تقریباً اسی کے حجم وزن کے حامل ہوتا تھا۔ اس کی قیمت ابتداء میں نسبتاً کم تھی لیکن بعد میں بڑھ کر ۵ آنہ ہ پائی کلدار کے مساوی ہو گئی تھی۔ یہ سکہ نکل کا ہوتا ہے اور اس پر ایک طرف بادشاہ کا نام اور دوسری طرف افغانستان کی ایک مسجد کا نقش کندہ ہے۔

ایک ورشکہ (۴ قران (دو روپیہ کابلی — ۴ قران ایرانی تقریباً ۱۹ آنہ کلدار) فی گھنٹہ کے حساب سے حاصل کیا اور کارزرگہ شریف گیا جہاں حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کا مزار ہے اور ان تمام سلاطین آلِ تیمور کی قبریں ہیں جو ہرات پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ امیر دوست محمد خاں کا مزار بھی یہیں ہے۔

شاہ رخ فرزند تیمور کی قبر پر سنگ تراشی کے بہترین نمونے دیکھے۔ مرزا مولانا عبدالرحمٰن جامی پر حاضر ہوا۔ اسی چبوترے پر مولانا سعیدالدین کاشغری بھی دفن ہیں۔

کارنز پرگمرک خسروں نے جو بیس گنی ضبط کر لیے تھے ان کی نسبت ہرات کے قونصل خانہ میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صدر دفتر سے ہنوز کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ایرانی قونصل صاحب بہت خوش خلق ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر کل بھی کوئی اطلاع نہ آئے تو وزیر خارجہ ایران کو تار دے کر اس رقم کے استرداد کی بطور خاص منظوری حاصل کریں گے۔

شام کو چار بجے درشکہ لے کر آثار و قبور کی زیارت کے لیے نکل گیا۔ کوئی واقف کار رہبر ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی کتاب بھی یہاں نہ ملی حصول معلومات میں دشواری ہے۔ آج بھی نائب سالار صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔

رسالہ مزارات ہرات

۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء پنجشنبہ۔ ادارہ خارجہ میں آج اپنا پاسپورٹ حاصل کیا پھر پاپیادہ شاہزادہ قاسم ابن جعفر صادق علیہ السلام اور شاہزادہ عبداللہ ابن معاویہ ابن عبداللہ ابن جعفر طیار رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ان دونوں کے مزار شہر کی شمالی جانب چار میناروں سے قریب واقع ہیں باقی دن بیکاری میں گزر گیا۔ نائب سالار نے آج بھی ملاقات کا موقع نہ دیا بڑی تلاش کے بعد ایک کتاب موسومہ "رسالہ مزارات ہرات" آج ہی ہاتھ

لگی ہے جو اسی سال طبع ہوئی ہے۔ اس میں ان تمام بزرگوں کے اجمالی حالات درج ہیں جو ہرات میں مدفون ہیں۔ قندھار جانے کے لیے کوئی موٹر نہیں ملتی ممکن ہے پرسوں شنبہ تک کوئی گاڑی مل جائے۔ بیکاری میں وقت گزر رہا ہے۔ جیب بھی خالی ہوتی جا رہی ہے صرف (۵۰) روپیہ کلدار باقی رہ گئے ہیں (۲۰) گنی جو ایرانی حکومت نے ضبط کیے تھے ان کا ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔

ایک گنبد چھ مزاریں

۱۰ر جمادی الاول ۱۳۵۰ھ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۱ء۔ جمعہ۔ گازر گاہ ایک جماعت زیارت کے لیے شمبن نور جا رہی تھی میں بھی ساتھ ہو گیا۔ ہرات سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے جہاں زید بن امام زین العابدین کی اولاد متقدمین میں سے چھ بزرگ مدفون ہیں۔ ایک ہی گنبد کے نیچے چھ مزاریں ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ زیارت سے فارغ ہو کر (۱۲) بجے اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ آج ایرانی قونصل نے اطلاع دی کہ ضبط شدہ (۲۰) گنی واپس ملنے کے بجائے اسی قدر رقم ہم پر جرمانہ عائد کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قونصل صاحب نے کہلایا ہے کہ میں کل صبح ان سے ملوں تو وزیر خارجہ ایران کو تار دے کر اس کے استرداد کی منظوری حاصل کریں گے۔

شام کو عبد الرحیم خاں صاحب نائب سالار ہرات سے ملاقات کی۔ دیندار دو شیلے کوہستانی پٹھان ہیں امیر امان اللہ خاں کے اخراج میں یہ بھی شریک تھے۔

اور بچہ سقہ نے ان کو ہرات کا والی مقرر کیا تھا۔ پہلے پہل نادر خاں کو امیر تسلیم کرنے میں انھیں تامل رہا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد رضامند ہو گئے۔ اب ہرات کے حاکم اور نادر خاں کے بڑے مداح ہیں۔ فتوحات اسلام (غالباً) کا فارسی ترجمہ کروایا ہے۔ اس کا ایک نسخہ (جو آثار ہرات کی تفصیلات کے ساتھ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے) مجھے ہدیہ دیا۔

افغانی عورتیں

۲۰ رجمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۳؍ اکتوبر ۱۹۳۱ء شنبہ۔ میری خواہش پر نائب سالار صاحب نے انتظام کر دیا تھا کہ ہرات کے چیدہ چیدہ علماء مجھ سے جامع مسجد میں ملیں۔ جامع مسجد جاتے ہوئے راستہ میں بابا علی شاہ مجذوب اور بی بی ستی کی زیارت کی جو مقدین سے ہیں۔ یہ جامع مسجد سلطان غیاث الدین نے امام فخر الدین رازیؒ کے لیے بنوائی تھی۔ نہایت عالیشان وسیع و عریض مسجد ہے۔ قلعہ گلبرگہ کی مسجد کی طرح اس پر چھوٹے چھوٹے گنبد تعمیر کیے گئے ہیں۔ مولانا محمد صدیق قاضی القضاۃ ہرات کے ساتھ متعدد علماء آج مسجد جنوبی خانقاہ کی بڑی کمان میں جمع تھے۔ ان میں سے بعض جوشیلے اور اکثر سنجیدہ خوش خلق اور وسیع النظر بزرگوں سے مجھے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ صرف یہ معلوم کرنے کے لیے ان سے گفتگو کرنی چاہی تھی کہ اہم مسائل پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی ہے یا صرف جہالت سے مخالفت کرتے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے پردہ کا مسئلہ چھیڑا۔ علماء نے نہایت سنجیدگی سے گفتگو کی اور مذہبی

حیثیت سے قطع نظر اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی نقاط نظر سے بھی انھوں نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ اقتصادی حیثیت سے جب میں نے خامیاں رفع حجاب کی یہ دلیل پیش کی کہ عورت باہر آکر تجارتی اور صنعتی امور میں مردوں کا ہاتھ بٹائے تو قوم کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تو انھوں نے اس کا نہایت معقول جواب دیا کہ افغانستان میں فی الحال یہ صورت نہیں ہے۔ مردہی نصف سے زیادہ بیکار ہیں۔ کام بہت کم ہے۔ اس کے علاوہ افغانی عورتیں گھروں میں بیکار نہیں ہیں۔ ان کو گھر کے کام کاج ہی سے فرصت نہیں ملتی بشرط محال فرصت مل بھی جائے تو وہ بیکار نہیں رہتیں بلکہ اپنے گھر کے اون اور سوتی کپڑا تیار کرتی ہیں۔ چنانچہ عام طور پر افغانی گھر ہی کا تیار کیا ہوا کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ تک یہ محفل رہی۔ یہ صحبت ختم ہوئی تو میں نے ایرانی قونصل خانے کی راہ لی۔ کاریز کے ادارہ گمرک سے مجوزہ جرمانہ کی وصولی کے سلسلہ میں اگرچہ احکام وصول ہو چکے ہیں لیکن مجوزہ نوٹس تعمیل کرانے کی بجائے قونصل صاحب نے وزیر خارجہ ایران کے دفتر کو استرداد رقم کے لیے ایک پرزور مراسلہ تحریر کیا ہے جس کا جواب امید ہے کہ کابل کے پتہ پر وصول ہوگا۔

نائب سالار صاحب ہرات عدیم الفرصت عہدیدار ہیں کیونکہ یہ نائب سالاری اور نائب الحکومتی دونوں خدمات انجام دیتے ہیں۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود موٹر بھیج کر مجھے اپنے یہاں بلایا۔ کچھ دیر ان سے گفتگو کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس آیا۔

آج ہرات سے روانہ ہونے کا قصد تھا لیکن صاحب گاراژ نے وعدہ خلافی کی انشاءاللہ کل صبح یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔

بے چراغ مسجد

۲۱ر جمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۱ء یکشنبہ۔ حمام سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا اور سامان باندھ کر نیچے آیا۔ ڈرائیور نے صبح ہی سے موٹر باہر نکال لی تھی۔ سامان باندھ دیا گیا ہم ٹکٹ بھی لے لیے اور یقین ہو گیا کہ اب تھوڑی دیر میں روانہ ہوں گے۔ لمحے دقیقے اور دقیق ساعات میں تبدیل ہوتے گئے لیکن موٹر کے مالک جو غائب ہوئے تو ان کا پتہ نہ چلا معلوم ہوا کہ انھوں نے چند قالین خریدے ہیں ان کے گمرک کا تنازعہ پیدا ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے کل کی روانگی ملتوی ہوئی اور آج بھی تاخیر ہو رہی ہے۔ ہم سفر افغانوں نے بازار سر پر اٹھا لیا لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ خدا خدا کر کے چار بجے موٹر کا مالک گدھے پر قالین لادے آیا اور آتے ہی ہم پابہ رکاب مسافروں کو مژدہ سنایا کہ گو آنے میں دیر ہوئی لیکن اب ہرات سے روانگی ایک بس ایک بات نہ رہی کیونکہ کابل کی ڈاک تیار ہو رہی ہے اور مستوفی صاحب کا حکم ہے کہ ڈاک لے کر دوسرے دن روانہ ہوں۔ سرکاری حکم سن کر افغانوں کے غیض و غضب کا پارہ اتر گیا اور سب نے حکم حاکم مرگ مفاجات سمجھ کر تسلیم خم کر دیا۔ میں نے بھی اپنا بستر کھلوایا۔ مغرب کے قریب ٹہلتا ہوا شاہزادہ قاسم اور شاہ زور عبداللہ کے روضوں پر حاضری دی واپسی میں امیر امان اللہ خاں کی

تعمیر کردہ شہر جدید کی عالیشان و بے چراغ مسجد جامع میں نماز مغرب ادا کی۔ میرا کمرہ تو دوسروں کے قبضہ میں جا چکا تھا۔ دفتر ہی کے کمرے میں اپنا سفری پلنگ بچھا کر سو رہا۔

مال اور مالدار

۲۲ر جمادی الاولیٰ سنہ ۵۵ھ م ۵ر اکتوبر ۳۶ء۔ دوشنبہ۔ نماز فجر اور تلاوت قرآن سے فارغ ہوکر ایک پٹھان کے ساتھ جس کا قبیلہ ہزارہ سے تعلق تھا امام عبد اللہ اور حضرت احمد بن معلیح بن عقیل کے روضہ پر حاضر ہوا جو آبادی کی جنوب مغربی جانب شہر پناہ سے باہر ایک بلند مقام پر واقع ہے۔ اسی روضہ میں شیخ ابو النصر کا بھی مزار ہے۔ بڑی تیزی سے واپس ہوا مبادا کہ موٹر چھوٹ جائے لیکن الحمد للہ ابھی روانگی میں دیر تھی۔ ناشتہ کر کے روزنامچہ لکھا۔ دس بجے مستوفی صاحب (ضلع کا اعلیٰ عہدہ دار مال) نے کابل کی ڈاک دی۔ ایک گھنٹہ مالک موٹر نے مالک گاراژ نے اپنا حساب طے کیا۔ گیارہ بجے روانگی عمل میں آئی۔ (والحمد للہ) ہرات سے فراہ تک کے لیے ہم کو (۵) تومان ایرانی کرایہ ادا کرنا پڑا۔ (جیسا کہ ایران کے سفرنامہ میں ذکر آیا ہے کہ ایک تومان ایرانی تقریباً ایک روپیہ ۴ آنہ کلدار کے برابر ہے اور ہر تومان کے دس قران ہوتے ہیں۔ کابلی روپیہ دو قران ایرانی کے مساوی ہے یعنی ایرانی شرح کے لحاظ سے ایک روپیہ کابلی (۴) آنہ کلدار کے مساوی ہونا چاہیے۔ لیکن افغانستان میں کلدار کا نرخ بہت گر گیا ہے اور ایک روپیہ کلدار یعنی (۴) روپیہ کابلی کے بجائے اب ایک روپیہ

کابلی مساوی ہے۔ ہم کو ایران میں اس کے برعکس یہ معلوم ہوا تھا کہ افغانستان میں سکہ گراں قیمت ہے اس لیے جو کچھ تومان بچ رہے تھے ہم نے ان کی گنیاں اور روپے خرید لیے تھے۔ گنی کا ریز گمرک نے ضبط کر لیے اور روپیہ میں تقریباً فی صدی (۳۰) کا خسارہ برداشت کرنا پڑا۔ اور اب فراہ کا کرایہ (۵) تومان یعنی (۶) چھ روپے کلدار کی بجائے (۵ روپے ۴ آنے) ادا کیا گیا۔

الکُ موٹر نے گاڑی کی طاقت سے زیادہ سامان اور مسافر لاد لیے تھے ہرات سے ایک منزل تو راستہ ہموار تھا۔ ایران میں فرسخ کا حساب تھا جو تقریباً (۴ میل) کے مساوی ہوتا ہے۔ افغانستان میں مسافت کی پیمائش کے لیے دو تین طرح کے پیمانے رائج ہیں۔ اگر آپ پوچھیں کہ فلاں مقام کتنی دور ہے تو "رباط" یا "کروہ" کی اصطلاحوں میں جواب ادا کیا جاتا ہے۔ رباط قدیم کاروان سرائے ہیں جو راستے میں جا بجا بنے ہوئے ہیں۔ ایک رباط سے دوسرے رباط کا فاصلہ (۶ سے ۸ کروہ) کے درمیان ہوتا ہے اور ہر کروہ تقریباً نیم فرسخ سے زائد ہوتا ہے (یہاں منزل سے میری مراد رباط ہے) اس کے بعد پہاڑیاں شروع ہوتی ہیں اور سبزہ زار تک ان کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

راستہ میں شکار اکثر جگہ نظر آیا خصوصاً تیتر اور ہرن بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جا بجا خانہ بدوش افغانی قبائل کی کالی چادریں نظر آئیں۔ عرب کے بدوی قبائل کی طرح کالی کمبلوں اور چادروں کو لکڑیوں پر تان کر ان سے خیمہ کا کام لیا جاتا ہے اور ان ہی خیموں میں زندگی بسر کی جاتی ہے (اونٹ، بھیڑیں، دُنبے اور گائیوں کے گلے ہوتے ہیں جن کو مقامی اصطلاح میں "مال" کہا جاتا ہے

اوران کے مالک کو "مالدار" کہتے ہیں۔ یہ قبائل گرمیاں تو پہاڑوں پر اور موسم سرما میدانوں گزارتے ہیں۔

رات کو ۹ بجے ہم سبزہ دار پہنچے اور آبادی سے باہر ایک درگاہ شکستہ مسجد کے صحن میں حوض کے کنارے بستر پھیلا دیے۔ ظہر کو بھی بسکٹ کھائے تھے اب بھی ان سے کام چلایا وہی کھائے ساتھیوں نے چائے سے تواضع کی۔ ان راستوں میں کہیں قہوہ خانہ یا کوئی ایسی دکان نہیں ہے جہاں ما یحتاج میسر آسکے۔ رات کو سردی ایسی شدید تھی کہ میرا کمبل اس کی مدافعت نہ کرسکا۔ الحمدللہ رات جوں توں گزری گئی۔ فراہ مبارک صرف ایک منزل رہ گیا ہے۔

۲۳ رجمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۶ را کتوبر ۱۹۳۱ء۔ شنبہ۔ سردی سے کپکپا تا بستر سے اٹھا وضو کرنے کی ہمت نہ تھی۔ تیمم کر کے نماز پڑھی دیگر رفقائے سفر نے بھی ساتھ دیا۔ فارغ ہوکر سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ سبزہ وار کے دارالحکومت سے پیام آیا کہ مستوفی صاحب (صوبہ یا ریاست کا اعلیٰ عہدہ دار مال) نے ہرات سے ٹیلیفونی حکم بھیجا ہے کہ بعض ضروری خطوط حاکم سبزہ وار کے ذریعہ جو ہرات گئے ہوئے تھے اور اب واپس آرہے ہیں) روانہ کیے جارہے ہیں جب تک وہ نہ پہنچ جائیں موٹر حرکت نہ کرے۔ یہ وہی مستوفی صاحب ہیں جنھوں نے ہرات میں ہمیں ایک روز کے لیے معطل کررکھا تھا۔ مسافروں کی زبان پر بددعا جاری ہوگئی لیکن کوئی چارہ کار نہ تھا۔ دھوپ میں تاپتے ہوئے سارا دن گزار دیا۔ مامور صاحب (تحصیلدار) نے ہماری دعوت کی اور دوپہر کا کھانا بھی کھلایا۔ افغانی کھانے عربی اور ایرانی کھانوں سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ پلاؤ بعینہ ہمارے یہاں کے

ٹھانی پلاؤ کی طرح ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں گھی کا عنصر نسبتاً زیادہ ہوتا ہے موٹی موٹی روٹیاں شوربے یا دوپیازہ کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ زماں خاں صاحب شام تک نہ آئے۔ شام کے کھانے پر ہم ان ہی کے ہاں مدعو تھے۔ ان کے مکان ہی کے پست کمرے میں بیٹھے سبزہ دار مشیر کے کچھار سے مشابہ تھا ہم ان کا انتظار کرتے رہے۔ خدا خدا کرکے رات کے (۹) بجے وہ آگئے۔ محمد زماں خاں صاحب نہایت وجیہ اور خوش گفتار جوان ہیں سب نے مل کر کھانا کھایا۔ دیر تک سفر سے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مستوفی صاحب کے محض ایک خانگی اور معمولی خط کے لیے بیس بائیس مسافروں کی منزل کھوٹی کی گئی۔ رات ہم نے حاکم صاحب ہی کے مکان پر گزاری۔ حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ کے زائرین ہونے کی وجہ سے افغانستان کے عوام اور سریع الاعتقاد دیہاتی ہمارے گرویدہ ہیں۔ ہر جگہ دعائے خیر کے التماس کے بعد دست بوسی ہو رہی ہے۔ مریضوں پر ہم سے دعا پڑھوائی جا رہی ہے۔ گو میں اپنی حقیقت سے واقف ہوں لیکن سورہ فاتحہ مریضوں پر اس لیے دم کر دیتا ہوں کہ خوش اعتقاد میزبان مایوس نہ ہو جائیں۔

گیہوں کا گچھا

۲۴ جمادی الاول ۵۰ھ، ۱۳ اکتوبر ۳۱ء۔ چہارشنبہ۔ ۴½ بجے صبح بیدار ہوا حاکم صاحب سبزہ دار کے مکان سے موٹر اسٹانڈ تک آیا اور نماز پڑھی ابھی آسمان پر تارے جھلملا رہے تھے کہ ہماری موٹر نے حرکت کی۔ امید تھی کہ (۱۲) بجے سے قبل فراہ پہنچ جائیں گے تین رباط طے ہونے کے بعد دشت فراہ شروع ہو گیا۔ فراہ برات

اور سبزہ زار کے برخلاف بہت گرم ہے۔ دس بجے ہی سے بادِ سموم کے جھونکے چلنے لگے۔ گیارہ بجے میں اس وقت جب کہ فراہ صرف آٹھ دس میل رہ گیا تھا۔ موٹر کا بریک اس مضبوطی کے ساتھ پہیے سے منفصل ہو گیا کہ اب گاڑی آگے نہ چل سکتی تھی ڈرائیور کچھ ناواقف سا تھا گیارہ بجے سے تین بجے تک دھوپ میں بیٹھے رہے۔ تین بجے موٹر درست ہوئی تو آگے چلے تو عین فراہ کے سامنے جب کہ پرانے قلعہ کی ٹوٹی ہوئی فصیل نظر آ رہی تھی۔ دریائے فراہ کی ریگ میں موٹر رک گئی تقریباً ایک گھنٹہ سامان خالی کرنے، موٹر ڈھکیلنے اور دوبارہ بھرنے میں صرف ہوا۔ بارے شکر کہ تقریباً پانچ بجے ہم فراہ پہنچ گئے۔ موٹر سے اتر کر سیدھے نائب سالار محمد انور خاں صاحب نورزائی کے یہاں گیا۔ انھوں نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ایک ستھرا اور پاک کمرہ اور ایک ہوشیار خادم میرے لیے متعین کیا گیا رات کو کھانا ان ہی کے ساتھ کھایا۔ عبداللہ خاں صاحب وردک جو لالا کرنیل کے نام سے مشہور اور فراہ کے فرقہ مشر ہیں۔ تین سو سپاہیوں کی ایک کنڈک یعنی پلٹن ہوتی ہے اور تین کنڈکوں کا ایک غنڈ اور تین غنڈ کا ایک فرقہ ہوتا ہے۔ اسی فرقہ کے افسر کو فرقہ مشر کہتے ہیں اس کا درجہ نائب سالار سے کم ہوتا ہے) اسی قبیلہ نے بچہ سقہ کی بیعت نہ کی تھی اور یہ خود ان میں سے ہیں جنھوں نے اس کا خوب مقابلہ کیا تھا۔ نہایت دیندار خوش اخلاق اور ذی علم آدمی ہیں حج کی سعادت سے بھی مشرف ہیں اور ممالک اسلامیہ کی سیاحت بھی کی ہے۔ آج مجھ سے دیر تک تاریخ افغانستان پر گفتگو کرتے رہے۔ احمد شاہ ابدالی (درانی سدوزئی) نادر کے ملازمین میں سدوزئی قبائل کے منجملہ ایک قبیلہ کا نام ہے جس سے خود میرا تعلق

ہے۔ اس وقت افغانستان ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ احمد شاہ کو ایک فقیر نے احمد شاہ سدوزئی اور اعلیٰ حضرت نادر شاہ کی ننھیال بھی سدوزئی ہے، مرا بادشاہت کی بشارت دی تھی اور گیہوں کا گچھا اس کی پگڑی میں طرہ کی طرح لگا دیا جو اب تک بھی افغانستان کے سکوں اور سرکاری کاغذات پر خصوصی علامت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ احمد شاہ نے افغانستان کو ایرانیوں کے تسلّط سے آزاد کرایا تھا۔ تیمور شاہ کے عہد تک اُسی کے خاندان میں حکومت رہی۔ تیمور شاہ کی عیاشی کے باعث سربرآوردہ شخصیتیں دوسرے بادشاہ کو منتخب کرنے پر مجبور ہوئے اور قرعہ فال پابندہ خاں الملقب سرفراز خاں کے نام پڑا جس کا تعلق محمد زئی قبیلہ سے تھا۔ اب تک حکومت اسی کے خاندان میں چلی آتی ہے۔ امیر دوست محمد خاں و امیر شیر علی خاں و امیر عبدالرحمٰن خاں اس خاندان کے مشاہیر سے ہیں۔

امان اللہ خاں امیر دوست محمد خاں کی اولاد میں آخری بادشاہ تھے۔ نادر شاہ دوست محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں ولد پابندہ خاں کی اولاد سے ہیں۔

سدوزئی، فوفل زئی اور فوفل زئی درانی کی ایک شاخ ہے۔ یہ اسی گفتگو کا خلاصہ ہے جو عبداللہ خاں صاحب لالہ کرنل کے ساتھ ہوئی۔ کمرہ گو پاک صاف اور نہایت اچھا تھا لیکن مچھروں کی کثرت اور گرمی کی شدت کے باعث رات آسودگی سے نہ سو سکا۔ فراہ میں خاص گرمی ہے صرف صبح کے وقت کچھ ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی ہیں۔

مہدی موعود علیہ السلام

۲۵ رجمادی الاول سنہ ۱۳۵۰ھ م ۸ر اکتوبر ۱۹۳۱ء پنجشنبہ۔ صبح سویرے ضروریات

سے فارغ ہو کر چائے پی اور نائب سالار صاحب سے ملا. ان کی سواری کا خاص گھوڑا میرے لیے اور ایک لدو گھوڑا سامان کے لیے ایک خادم خدمت کے لیے اور مسلح سوار حفاظت کے لیے تیار تھے. اس خدم وحشم کے ساتھ ہم تقریباً دس بجے حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود تابع تام محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے. فراہ کی قدیم بستی اجڑ چکی ہے. قلعہ کی شکستہ فصیل کے اندر کھنڈروں اور مسمار شدہ مکانوں کے سوا اب کچھ باقی نہیں ہے. نئی آبادی اس قلعہ کے جنوب میں واقع ہے جو حکومت اعلیٰ کا صدر مقام بھی ہے اس آبادی سے تقریباً (۴ میل) کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں مہدی موعود علیہ السلام کا مزار اقدس واقع ہے. مزار کے اطراف چالیس پچاس گھروں کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہے جو "مزار شریف" کے نام سے مشہور ہے، اور حضرت "میر سید محمد آقا" کے نام سے معروف ہیں. مزار اقدس پر اسمٰعیل صفوی کا بنایا ہوا گنبد موجود ہے جو جگہ جگہ سے شکستہ ہے اس کے عقب میں قدیم سرو کا درخت ہے. گنبد شریف کے دروازے کے باہر دونوں طرف کمان کے سایہ میں دو قبریں ہیں. گنبد کے اطراف بہت سی کشادہ اور وسیع زمین واقع ہے جو حضرت کے روضہ کے لیے وقف ہے. جنوب مغربی گوشہ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کا بنایا ہوا مسقف حوض اور اس سے متصل حاجی محمد علی خاں صاحب دیگر زائرین حیدرآباد کا بنایا ہوا چھوٹا سا کمرہ واقع ہے. اس حجرہ میں خادم سوار ٹھہر گئے اور حوض کے متصل مسقف چبوترہ پر میں نے ٹھکانا جمایا. "نوبہار" کے ملا فقیر محمد صاحب تاجیک کو بھی جو عالم ہیں اور ہندوستان میں رہ چکے، نائب سالار صاحب نے میرے ساتھ کر دیا. ہمارے آنے کی اطلاع پا کر گاؤں کے لوگ جوق در جوق

آنے لگے ہر شخص گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتا اور فرش زمین پر بیٹھ جاتا۔ مزار شریف کے ملا محمد عیسیٰ خاں اسحق زئی اور ملا محمد کریم تاجیک بھی ملنے آئے۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام انھوں نے ہی کیا تھا۔ ۱۲ بجے دستر خوان بچھا کر اس پر موٹی موٹی چار پانچ روٹیاں لاکر رکھ دی گئیں۔ دو بڑے بڑے مٹی کے پیالوں میں شوربا اور بڑے پیالے میں چپاتخو لائی گئی۔ بمشکل قیولہ کا وقت ملا۔ اس کے بعد ملا فقیر محمد اور ملا عیسیٰ خاں سے میں نے اپنے عقائد کا اظہار کیا۔ جب ظہر کا وقت آیا تو ان سبھوں نے میری اقتدا کی۔ ملا فقیر محمد (ملائے نوبہار و قاضی مرافعہ شہر فراہ) نے رات میرے ہی پاس گزاری۔

شام کو نائب سالار صاحب کے خادم سلطان محمد نے جو میرے ساتھ تھے مرغ کا شوربہ تیار کیا تھا اسی سے روٹی کھائی۔ مرغ کو برائے نام نمک ڈال کر ابال لیتے ہیں اور اسی پانی میں روٹی بھگو کر گوشت کے ساتھ کھاتے ہیں۔ جو ملا اس کو شکر کر کے کھایا۔

حضرت کے روضہ کے عقب میں جو سرو ہے اس کی یہ خصوصیت سننے میں آئی کہ گنبد کی جانب والا حصہ پورا سبز و شاداب اور دوسری طرف کا حصہ اوپر سے نیچے تک بالکل خشک ہے۔ جماعت مہدویہ کی قدیم ترین کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

حوض کی قربت کی وجہ سے یہاں بھی مچھر زیادہ ہیں رات کو دیر تک نیند نہ آئی۔

:.

دہقانی افغانوں کی صحبت

۱۶ رجادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۹ر اکتوبر ۱۹۳۱ء ـ جمعہ ـ نماز فجر اور چائے سے میں ابھی فارغ ہوا ہی تھا کہ "مزار شریف" کے نورزائی (فراہ کے اکثر پٹھان نورزائی ہیں یہ قبیلہ بھی درانی تسلسل کی ایک شاخ ہے) پٹھان جو اکثر کاشتکار اور بہت غریب و مفلس ہیں جمع ہونے لگے۔ سلام اور مصافحہ کے بعد دیر تک ان کا سر ہلا ہلا کر "جوڑ ہستی" "خوش ہستی" "ماندہ نہ باشی" "تیار ہستی" کے الفاظ کے ساتھ مزاج پرسی کرنا کبھی فراموش نہ کیا جائے گا۔ بعض مختلف کر کے "جوڑی خوشحالی" کہہ دیتے ہیں۔ میں بھی ان سے سیکھا ہوا (جواب "سلامت باشی" الحمدللہ) "باعزت باشی" "باایمان باشی" اپنی زبان سے ادا کر دیتا ہوں۔

عبدالحکیم خاں نورزائی نے کشمکش کا ایک بڑا طباق لا کر پیش کیا اور معذرت کی کہ امساک باراں کی وجہ سے انگور ختم ہو گئے ورنہ تازہ انگور پیش کیے جاتے بیچارے گو غریب ہیں لیکن کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا معیوب سمجھتے ہیں۔ مہمان کی بقدر ہمت تواضع کرتے ہیں۔ تمام دن روضۂ اقدس پر جبیں سائی و نماز و تلاوت قرآن اور دہقانی افغانوں کی صحبت میں گزر گیا رات کو ملا فقیر محمد نوبہاری نہ آئے لیکن محمد عیسیٰ خاں اسحاق زئی نے رفاقت کے طور پر میری ہی قیام گاہ میں آرام کیا۔

رات کو سلطان محمد نے پھر مرغ کا ابلا ہوا شوربہ تیار کیا اسی سے روٹی زہر مار کی۔

وداعی حاضری

۲۷ رجادی الاول ۵۰ھ م ۱۰ اکتوبر ۳۱ء دوشنبہ۔ نماز فجر کے بعد روضہ مبارک پر وداعی حاضری دی پھر چائے پی کر گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ دونوں سوار ساتھ تھے اور سلطان محمد سامان کے یابو کے ساتھ آرہا تھا۔ "رچ" (ایک قصبہ ہے جو روضہ اقدس سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب واقع ہے) میں نے شیخ ابونصر فراہی کی زیارت کی۔ یہاں کے باشندوں کا بیان ہے کہ شیخ صاحب کا زمانہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے قبل کا ہے لیکن میں نے اس کی تحقیق نہیں کی۔

یہاں سے پھر ہم شہر فراہ کو واپس ہوئے۔ نائب سالار محمد انور خاں صاحب نورزائی سے جو نہایت خوش خلق مہمان نواز حاکم ہیں معلوم ہوا کہ ان کے ہاں آئے ہوئے ٹیلیفونی پیام کے بموجب اس وقت دو موٹریں سبزہ وار میں ہیں شام تک یہاں پہنچ جائیں گے اس لیے کل شام تک یہاں سے میری روانگی کا امکان پیدا ہوگیا۔ نائب سالار صاحب نے میری خواہش کے بغیر دو تعارفی خط ایک حاکم گرشک اور دوسرا محمد گل خاں وزیر داخلہ قندھار کے نام دیے۔ اپنی ایک تصویر بھی عنایت فرمائی۔ باقی وقت اپنے کمرہ میں بسر کیا۔ رات کو انھیں کے ساتھ کھانا کھایا۔

مقدمات کی سماعت

۲۸ رجادی الاول ۵۰ھ م ۱۱ اکتوبر ۳۱ء یکشنبہ۔ آج کرنل عبداللہ خاں صاحب وردگ (لالہ کرنیل) سے بہت دیر تک مسئلہ مہدویت پر گفتگو ہوتی رہی

ہمارے زائرین کے دوسرے قافلے کے ہاں حاضر ہونے کے بعد یعنی گزشتہ یا پیوستہ سال محمد انور خان نائب سالار کی معلومات کے لیے ایالت فراہ کے ملا محمد یعقوب نورزئی نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا ذکر بھی کیا ہے۔ حضرت کے تذکرے کا ماخذ "خزینۃ الاصفیا" کے نام کی ایک کتاب ہے خلاصہ اس کی تحریر کا یہ ہے کہ حضرت کے والد کا اسم گرامی یوسف تھا آپ کی وفات سنہ [illegible] میں ہوئی آپ نے حالت سکر یا جذب میں دعوئے مہدویت کیا آپ ایک مغلوب الحال بزرگ تھے اور بعد ازاں جب اپنی حالت سے بیدار ہو تو رجوع کیا اور اپنے والد کا نام عبداللہ قرار دیا۔ ہمارے زائرین کے تقسیم کردہ رسالے کا حوالہ دیتے ہوئے ملا صاحب لکھتے ہیں کہ سلطان حسین نے ملا محمد گل کو آپ سے مباحثہ کرنے کے لیے روانہ کیا حالانکہ سلطان حسین کے زمانے میں عبدالرحمن جامی جیسے علماء موجود تھے اور محمد گل کا نام اس کے زمانے کے مشاہیر میں نہیں آتا۔ آخر میں لکھا ہے کہ خلفائے عن المؤمنین خیرا ہم سید صاحب کو ایک بزرگ اور مہدی بمعنی ہدایت یافتہ مانتے ہیں۔ دعوئے مہدویت حالت جذب میں کیا تھا جس سے بعد ازاں توبہ کر لی (میں نے اس کتاب کا خلاصہ اپنی یادداشت کے لیے تحریر کر لیا ہے) بحث کے دوران میں میں نے عبداللہ خان صاحب کو سمجھایا کہ مابہ النزاع ہے مورخین کی صف میں صاحب خزینۃ الاصفیا کو کوئی قابل اعتبار مقام حاصل نہیں ہے اس لیے حضرت کے سنہ وفات و اسم پدر کے متعلق دیگر مخالف و موافق مورخین کے مقابلے میں ان کے بیان سے زیادہ دقیق نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ بحث کو ختم کرنے کے لیے میں نے ان کی توجہ مبذول کرائی کہ ملا صاحب کی یہ

حیثیت اگر تسلیم کر لی جائے تو پھر بحث پیدا ہو جائے گی کہ دعوے مہدویت حالت بیداری میں دعوی کرنے کا ثبوت فراہم ہو تو احادیث کے ساتھ دعوے کی مطابقت پر بحث ہوگی غرض میں نے توضیح کی کہ اس طرح یہ بحث اتنی طویل ہو جائے گی کہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کسی کے پاس بھی وقت نہیں ہے. اس کے علاوہ میں نے ان سے کہا کہ اس بحث کیلئے میں افغانستان کو کوئی موزوں مقام تصور نہیں کرتا کیونکہ اس نوعیت کی گفتگو شروع ہو تو یہاں فساد کا اندیشہ ہے اور عقیدہ مہدویت کی تبلیغ پر اس کا بھی خوف ہے کہ زیارت کا موقع باقی نہ رہے.

میرے مخاطب نے میری گفتگو سے اتفاق کیا اور الحمدللہ بحث ختم ہوگئی. جاہل افغانی جو دست بوسی سے اظہار عقیدت کرتے ہیں یا بعض ملا جو خاموشی سے ہماری باتوں کو سن لیتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں اگر کسی وقت کوئی ملا اختلاف عقیدہ کا اعلان کر دے تو یہی معتقد روا جاں خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں روضہ کی تعمیر وغیرہ کا جو کام بھی ہو تو وہ عام اسلامی نقطہ نظر سے ہونا چاہیے

(۲) روز سے مجھے نائب سالار صاحب کے دربار میں شرکت کا موقع مل رہا ہے میرے کمرے کی دوسری جانب جو طویل برآمدہ ہے ایک شطرنجی صبح سات بجے بچھا دی گئی. صدر میں دہلیز کے قریب دو دیے کی چھوٹی میز رکھ دی گئی جس پر خاکی کپڑا ڈال دیا گیا اسی میز پر ایک گلاس لا کر رکھا گیا جس میں دو بلاک برڈ فونٹن تھے کے اطراف چند لکڑی اور لوہے کی ہلکی کرسیاں رکھ دی گئیں (۹) بجے نائب سالار صاحب ایک روز فوجی اور دوسرے روز سیول لباس میں برآمد ہوئے. یہاں کے اعلیٰ عہدیداروں کی ٹوپیاں ہمارے حیدرآبادی دستار کی طرح آگے سے

بلند اور پیچھے سے دبی ہوی ہوتی ہیں لیکن ان کے سامنے آفتابی لگی ہوتی ہے
یہ لفظ میں نے اس حصّہ کے لیے استعمال کیا ہے جو سن ہیاٹ ایوننگ کیاپ یا
ایرانی پہلوی ٹوپی کے آگے آنکھوں کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کے لیے لگا ہوتا
ہے (نائب سالار صاحب کے بیٹھتے ہی فوجی عہدہ داروں اور سپاہیوں نے
ان کے سامنے حلقہ بنالیا (فوج کے اعلیٰ عہدہ دار) مثلاً غنڈمشر، مدیر کوتوالی
قاضی صاحب، مرافعہ وغیرہ برآمدہ میں میز کے اطراف کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں
شہر کے شرفا اور بڑے زمیندار شطرنجی پر بیٹھ جاتے ہیں. مقدمات کی سماعت کے
بعد نائب سالار صاحب بعض صورتوں میں زبانی اور بعض میں تحریری حکم صادر
فرماتے جاتے ہیں. مثلاً ایک قیدی لایا گیا جس پر "قاطع الطریق اور دزد" ہونے
کا الزام تھا. گواہ پیش ہوے اور قاضی صاحب باآواز بلند حاضرین سے
اس کے متعلق استفسار کرتے ہیں اگر انھوں نے تصدیق کی تو شہادت کافی سمجھی
جاتی ہے اور ملزم بندی خانہ (قید خانہ) بھیج دیا جاتا ہے اور قاضی صاحب فیصلہ کرنے
کے لیے مثل اپنے پاس رکھ لیتے ہیں

(۴) بجے ہماری موٹر تیار ہو گئی نائب سالار صاحب کے متعلقین اپنے
قومی مکان "سیاہ دستہ" کو جا رہے ہیں ان کی لاری بھی ہمارے ساتھ ہے.

دو تین گھنٹے تک ہم پیچ در پیچ وادیوں سے گزرتے رہے پھر میدان
میں آئے رات کے (۱۲) بجے "خاش رود" (ایک ندی کا نام) کے قریب رباط
"دلارام" میں ہماری موٹر رکی اس اجڑے ہوے رباط کے ایک گوشے میں
بستر پھیلا کر ہم سب دراز ہو گئے.

ایک لاکھ آدمیوں کا قتل

۲۹ رجادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء ۔ دوشنبہ ۔صبح (۶) بجے "فاش رود" پر منہ ہاتھ دھو کر پھر ہم سفر کے لیے تیار ہو گئے سفر کی روا روی میں میرا حمائل شریف رباط ہی میں چھوٹ گیا۔ ہماری موٹر کشادہ اور وسیع میدانوں میں سے گزر رہی ہے کہیں مویشیوں کے گلے اور خانہ بدوش افغانوں کی قیام گاہیں مل جاتی ہیں ۔ دو تین میل کے فاصلہ پر ایک آدھ نہر دکھائی دیتی ہے یا پھر چھ آٹھ میل کے فاصلہ پر شکستہ رباط اور اس کے قریب مسقف حوض مل جاتا ہے۔ میدانوں میں ہرن اور تیتر بکثرت ہیں ۔ راستہ نہایت پرامن ہے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں بیان کیا جاتا ہے کہ امان اللہ خاں کے عہد میں بھی ایسا امن نصیب نہ تھا ۔

(۱۲) بجے ہم گرشک پہنچے ایک چھوٹا سا تعلقہ ہے یہاں کی اصطلاح میں اس کو حکومت درجہ دوں کہتے ہیں اس تعلقہ کے حاکم محمد خاں کے پاس میں نے نائب سالار صاحب کا تعارفی خط روانہ کیا ۔ انھوں نے مجھے فوراً بلایا ۔ دیر تک باتیں کیں لیکن دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ کھلایا آدمی صاف گو ہیں بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ ان میں امان اللہ خاں سے اختلاف نہ تھا لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کے زمانے میں رشوت کا بازار بہت گرم تھا ۔ بڑا عہدیدار چھوٹے عہدیدار سے اور چھوٹا رعایا سے بے دھڑک رشوت لیتا تھا ۔ لیکن اب چھوٹے بڑے عہدیدار سب دیانت دار ہیں اور ملک و ملت کے بہی خواہ ہیں ۔ کہتے ہیں کہ ملک میں امن و امان کا یہ حال ہے کہ افغانستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نادر شاہ تجربہ کار سپہ سالار و جہاں دیدہ مدبر ہیں گو انھوں نے ملک میں بڑی بڑی اصلاحاتیں کیں لیکن قیام امن کا جہاں تک تعلق ہے قوم کی خستگی بھی اس کے قیام میں ممد و معاون تھی کیوں کہ گزشتہ انقلاب میں تقریباً ایک لاکھ آدمی کے قتل و خون کے بعد اب افغان خود امن و راحت کے متلاشی تھے۔ گرشک سرسبز اور اچھا مقام ہے اس کے قریب سے دریائے ہلمن بہتا ہے جو افغانستان کے بڑے دریاؤں میں سے ہے۔ یہاں سید محمد تاجدار اور بابا شیخ داؤد کے مزار ہیں۔ مختصر آبادی ہے۔ قلعہ بوسیدہ اور بیکار ہے۔ اس کے باہر حکومت ...

.... کا مکان ایک وسیع باغ میں واقع ہے کھانا کھا کر (۲) بجے ہم سوار ہو گئے لیکن دریائے ہلمن کو عبور کرنے میں دو گھنٹے صرف ہوئے کشتی بوسیدہ تھی جس کو ملاح بہت احتیاط کے ساتھ کشاں کشاں لے جا رہے تھے پہلے اس میں گوسفندوں کو پار لگایا گیا اس کے بعد ہماری باری آئی

"سامرہ" کے قریب "دجلہ" اور "کرکوک" کے راستہ میں "مدرب الکبیرہ" میں بہت اچھی کشتیاں ہیں موٹر جلد پار ہوتی ہے۔ غرض (۴) بجے ہم نے ہلمن عبور کیا۔ (۵) بجے نہر سراج (۷) بجے حوض سیاہ اور رات کو (۸) بجے ارغنداو پہنچے۔ یہ تمام راستہ میدانی ہے لیکن ہرات سے ارغنداو تک راستہ نہایت ناہموار ہے صرف زمین کو صاف کر دیا گیا ہے۔ جا بجا نشیب و فراز ہیں جس پر گزرتے ہوئے موٹر کی سواری بھی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ جہاں سے نہریں گزرتی ہیں ان پر لکڑیاں جما کر صرف مٹی ڈال کر برائے نام پل بنا دیے گئے ہیں اور یہ پل اتنے کمزور ہیں کہ جب ان پر سے لاریاں گزرتی ہیں تو اکثر دفعہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ راستے میں نہر و پل

کے پانی کے سوا کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ ارغنداو بہت سر سبز مقام معلوم ہوتا ہے رات کا وقت تھا لیکن دونوں طرف کھیتیاں اور باغ محسوس ہو رہے تھے ہوا میں ایک خاص قسم کی خنکی اور فرحت تھی رات کو (۹) بجے قندھار پہنچے۔ ارغنداو سے قندھار تک کا راستہ پختہ ہے۔

شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے اس لیے مجبوراً مرزا ہاشم کے گاراژ کی ایک تنگ و تاریک غلیظ و کثیف کوٹھری میں شب بسر کرنی پڑی۔

حیدرآبادی رومال

۳۰ رجمادی الاول ۱۳۵۰ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء شنبہ۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر کوٹھری کو قفل لگایا اور محمد گل خاں وزیر داخلہ کی تلاش میں شہر پہنچا معلوم ہوا وزیر صاحب "قلات" گئے ہوئے ہیں مدیر صاحب خارجہ کے دفتر کو گیا وہ بھی دفتر نہ آئے تھے لیکن ان کے سرکاری کاتب سے ملاقات ہوئی اس نے فوراً "برج" کے بازو "دولت سرائے" نامی ایک کشادہ اور ہوادار عمارت میں جو غالباً آجکل مہمان خانہ سرکاری کے لیے مختص ہے ایک پاکیزہ کمرہ کا انتظام کر دیا۔ قونصل خانہ برطانیہ گیا جو معلوم ہوا کہ یہاں کے قونصل خاں بہادر محمد صدیق حسن خاں صاحب انبالوی جو میر نیرنگ صاحب کے بھائی ہیں کوئٹہ گئے ہوئے ہیں قونصل خانہ کے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی جو بہت اخلاق سے پیش آئے۔

قندھار پہنچتے پہنچتے میرے پاس صرف (۲۰) بیس پچیس روپے کلدار باقی تھے میرا قصد تھا کہ قونصل صاحب سے کچھ روپے قرض حاصل کروں لیکن ان سے ملاقات

نہیں ہوی آئندہ خدا مالک ہے۔ تار کے ذریعہ گھر کو اطلاع دی کہ سفیر برطانیہ متعینہ کابل کے پتے پر روپیہ تار ہی کے ذریعہ روانہ کیا جائے شام کو تانگے پر شہر قندھار کی گشت لگائی۔

قندھار ہندوستان کے اکثر شہروں کے لیے چھوٹا شہر ہے لیکن افغانستان کے بڑے شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ شہر کے اطراف بلند فصیل ہے جو جابجا شکستہ ہوگئی تھی لیکن امیر حبیب اللہ خاں کے زمانہ میں اس کو از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ بچہ سقہ کے دور انقلاب میں اس کو کچھ نقصان پہنچا تھا لیکن فوراً اس کی ترمیم کردی گئی۔ شہر کے چھ دروازے ہیں۔ دروازہ توپ خانہ، دروازہ ہرات دروازہ شکارپور، دروازہ کابل، دروازہ عیدگاہ، دروازہ بردرانی اور چار بڑے بازار ہیں جن کو وسط شہر میں ایک مسقف چوراہے پر ملادیا گیا ہے ہندوستان کی قربت نے قندھار کو اپنی حیثیت کے لحاظ سے اچھی تجارت گاہ بنادیا ہے۔ سب سے بڑی تجارت میوہ کی ہے یہاں میوہ کی بڑی کثرت ہے تربوز و خربوزے تقریباً سال کے بارھوں مہینے ملتے ہیں انگور بھی افراط سے ہوتا ہے آج کل انار کی اتنی کثرت ہے کہ بازاروں میں اس کے ڈھیر لگے ہوے ہیں۔ سرخ بڑا انار اور ناسپاتی رنگ کا بڑا بڑا دانہ لیکن کسی قدر ترش بیان کیا جاتا ہے کہ میزان کا مہینہ گزرنے کے بعد بھی انار شیریں ہوجاتا ہے سیب بھی، زردآلو وغیرہ کی بھی کثرت ہے۔ دروازہ شکارپور سے ہر روز انار، انگور، کشمش اور منقہ اور بادام کی بھری ہوی موٹریں چمن کو (جو ہندوستان کا سرحدی مقام ہے) جاتی ہیں۔ قندھار سے بازاروں میں ضروریات کی ہر چیز مل جاتی ہے۔ ہندو یہاں

بہت ہیں اگرچہ ان کا لباس شلوار کرتا اور کوٹ ہے لیکن اپنی سُرخ و زرد دمعو تیوں اور پیشانی پر قشقہ کے نشان سے پہچانے جاتے ہیں یہاں کے بازاروں میں حیدرآبادی ساخت کے رومال بھی نظر آئے۔ شہر کے شمالی حصے میں میدان شاہ کے متصل ایک اور اندورنی فصیل سے گھرے ہوئے حکومتی مکانات ہیں۔ میدان شاہ کے کنارے ایک نصف دائرہ کی شکل کی ایک بلند اور شاندار عمارت برج کہلاتی ہے جو غالباً افواج اور فوجی مظاہروں کے مشاہدہ کی غرض سے تعمیر کی گئی ہے اس کے عقب میں مدیر خارجہ کا دفتر اور ان سے متصل کوتوالی، جرگ پوسٹ، ٹیلی گراف کے دفاتر ہیں۔ دروازہ ارک سے داخل ہو کر کچھ آگے بڑھیں تو وزیر صاحب کا سلاح خانہ اور اس کے عقب میں برطانوی قونصل کی قیامگاہ اسی سے متصل محکمہ برقی کے لیے عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ اس محکمہ کا ہنوز قیام عمل میں نہیں آیا۔ سلاح خانہ کی جانب ارک سے باہر جامع مسجد واقع ہے اسی جامع مسجد کے ایک حصہ میں مشہور مغربی خرقۂ مبارک محفوظ ہے۔ ایک وسیع کمرہ صدر میں ایک حصہ امیر نور اللہ خاں کی بنائی ہوئی چاندی کی جالی و دروازہ سے محفوظ اور اسی میں قیمتی مشجر، کمخواب کے غلافوں میں مستور خرقہ مبارک کا صندوق رکھا ہوا ہے۔ چاندی کے شمع دان اور قیمتی چیزیں جو سلاطین نے پیش کی ہیں جا بجا سلیقہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ ہفتہ میں صرف ایک دفعہ نماز جمعہ کے بعد یہ کمرہ کھولا جاتا ہے اور لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر چاندی کی جالی سے باہر ہی روحِ مقدس رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اگر شہر یا ملک میں وبا پھیلے یا کوئی بہت بڑی آفت آئے تو یہ خرقۂ مبارک، کو یہاں سے نکال کر شہر کے باہر عید گاہ کے قریب

لے جاتے ہیں اور وہاں اس کے واسطہ سے دعا مانگی جاتی ہے۔ جب گزشتہ انقلاب میں امان اللہ خاں فرار ہو کر کابل سے قندھار آئے اور انھوں نے دوبارہ اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تو یہ خرقہ شریف نکالا گیا تھا ملا عبدالحمید صاحب یعقوب زئی جو خرقہ شریف کے متولی اور مسجد جامع کے خطیب ہیں ان سے دیر تک خرقۂ مبارک کے متعلق گفتگو ہوئی۔ خرقۂ مبارک پشمینہ کا بنا ہوا ہے۔ روایت ہے کہ اس کو اہل بیت اکرام نے رسالتمآب کے لیے تیار کیا تھا آپ اس کو اسی وقت زیب تن فرمایا کرتے جب ارشاد قریش یا وفود قبائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ پھر یہ خرقۂ مبارک حضرت عمر و حضرت وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیا کہ اویس قرنی کو پہنچایا جائے حضرت اویس کے خاندان میں کئی سو سال تک یہ خرقہ رہا پھر سلاطین آل عثمان کے پاس آیا ان سے تیمور لنگ نے حاصل کیا اور بخارا میں رکھا احمد شاہ درانی نے جب بخارا و ترکستان فتح کیا تو خرقہ مبارک وہاں سے لاکر اپنے دارالسلطنت قندھار کی جامع مسجد میں رکھا۔ امیر حبیب اللہ خاں جب شہر قندھار کی جدید تعمیر کی اور برج سلاح خانہ فصیل چار رار بنایا تو خرقۂ مبارک کی عمارت میں بھی توسیع کی گئی اور اس کا صحن کشادہ کیا گیا۔ یہاں فقیر اللہ صاحب شکارپوری نے اس خرقہ مبارک کی تاریخ مرتب کی جس میں مستند حوالوں سے اپنے بیانوں کو ثابت کیا۔ ساڑھے تیرا سو سال گزرنے کے باوجود یہ پشمینی خرقۂ ثابت و سالم ہے اور کہیں کیڑے نے نہیں چھوا ہے۔

جامع مسجد کے عقب میں احمد شاہ درانی کا ہشت پہلو گنبد ہے جو قندھار کی سب سے نمایاں عمارت ہے اب اس کی حالت شکستہ ہو گئی ہے حکومت

نے تعمیر کا کام شروع کیا ہے۔ شہر قندھار کا بیرونی حصہ نہایت سرسبز اور قابل تفریح مقام ہے۔

پہاڑ کے دامن میں

یکم جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء چہار شنبہ۔ گھر کو خط لکھا ناظم صاحب نظم جمعیت اور معتمد صاحب مال سرکاری عالی کے نام توسیع رخصت کے لیے دو خطوط روانہ کیے دفتر ادارت خارجہ میں مدیر صاحب خارجہ سے ملاقات کی بازار گیا انگریزی چند روپیوں کو جو باقی رہ گئے تھے اور ضامنوں کی رقم جو کل اٹھائیس روپے رہ گئی تھی افغانی سکہ میں تبدیل کرایا۔

بڑی تلاش کے بعد ایک موٹر لاری کابل کے لیے مل گئی۔ کرایہ (۳۵) روپیہ کابلی تقریباً (۲۸ عہ) کلدار تھا لیکن میرے ساتھ سامان پانچ من سے زیادہ (یہ من کابلی ہے جو تقریباً تین سیر حیدرآبادی کے برابر ہوتا ہے) ہونے کی وجہ سے دس روپے کابلی زائد ادا کرنا پڑا۔ گاڑی بہت خراب ہے اندر تو حسب عادت مسافروں نے سامان بھرا اس پر نشست بنائی لیکن ڈرائیور کے بازو جہاں میں بیٹھا ہوں گدی نہیں ہے۔ تختہ پر ایک میلی کچیلی توشک پڑی تھی اس پر اپنا حیدرآبادی رومال پھیلا کر بیٹھ رہا۔ تھوڑی ہی دور جانے پائے تھے کہ گاڑی میں پٹرول رکنے لگا۔ مغیر کے قریب ایک جگہ پنکچر بھی ہوگیا ان سب مصیبتوں سے کسی نہ کسی طرح نجات مل گئی تھی رات کو دس بجے جنگل اور پہاڑ کے دامن میں گاڑی کے سب الکٹرک بلب جل جانے کے باعث روشنی گل ہوگئی۔ اب تو آگے بڑھنا محال تھا۔ سرد ہوا کے

جھونکے چل رہے تھے۔ ہم سفر فوجی سپاہیوں نے جنگل کی واحد پیداوار چھوٹے چھوٹے کانٹے دار پودے جو گملہ ستوں کی طرح جنگل میں پھیلے ہوئے تھے توڑ توڑ کر آگ روشن کی۔ ایک سندھی ہندو نے جس کا وطن کابل ہے تھوڑی سی روٹی کھلائی موٹر کے بازو سفری پلنگ بچھا کر سو رہا۔ بلانکٹ اور گلبرگہ کی موٹی شطرنجی ملا کر اوڑھنے کے باوجود سردی کی شدت کی وجہ سے سارا بدن ٹھٹھر گیا تھا چونکہ اس کے سوا اوڑھنے کے لیے لحاف وغیرہ کچھ نہ تھی اس لیے اسی حالت میں صبح کر دی۔ میرے سب افغانی ساتھی اس سردی کے عادی تھے۔

آگ کے شعلے

۲ر جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۳۱ء پنجشنبہ۔ صبح آگ جلائی اور طلوع آفتاب تک اس سے گرمی حاصل کرتے رہے (۷) بجے موٹر نے حرکت کی ہوا کے سرد ترین جھونکوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم (۹) بجے قلات (بہ محاورہ قندھاریاں کلات) میں داخل ہوئے۔

ایک بلند پشتہ پر چھوٹا سا قلعہ اس کے دامن میں جدید آبادی گاراژ قہوہ خانہ وغیرہ واقع ہیں۔ وزیر داخلہ قندھار مولوی محمد گل خاں صاحب کو یہاں بھی دریافت کیا معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر قبل قریب کے کسی مقام پر دورہ گئے ہیں ایک چھوٹے سے قہوہ خانہ میں روٹی اور آلو بخارے کے سالن سے پیٹ کی دوزخ بھری چائے پی اور دس بجے آگے روانہ ہوئے۔ ہر پانچ سات میل کے فاصلہ پر ہماری موٹر آدھ پون گھنٹہ کے لیے رک جاتی تھی۔ پٹرول کی روانی میں رکاوٹ میں فائر کے ساتھ

پچھلے بائیں پہیے کا پنکچر سب سے بڑی خرابیاں تھیں ایک دفعہ تو مس فائر کے ساتھ ہی مشین سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ کاربوائٹر کے پٹرول نے آگ قبول کرلی تھی فوراً مسافر موٹر سے کود کر الگ ہو گئے۔ ڈرائیور نے بڑی ہوشیاری کی کہ پٹرول بند کر دیا اور مشین میں مٹی پھینکی جانے لگی لیکن آگ اُس وقت تک نہ بجھی جب تک کاربوائٹر کا پٹرول ختم نہ ہوگیا۔ مجھے اس آگ کو دیکھ کر یقین ہوگیا تھا کہ موٹر معہ سامان جل کر بھسم ہو جائے گی لیکن خدا نے بڑا فضل کیا۔ ایک اور جگہ بریک جام ہوگیا اور اس کی درستی میں ایک گھنٹہ صرف ہوا، اندازہ تھا کہ آج ہی شام غزنی پہنچ جائیں گے لیکن مشکلات کے باعث مغرب کے قریب صرف "مقر" پہنچ سکے جو حکومت درجہ دوم کا صدر مقام ہے۔ قندھار سے کابل کی جانب کا راستہ ہرات کے راستے کی بہ نسبت بہت اچھا ہے سڑک پختہ ہے لیکن کہیں کہیں مرمت طلب ہے۔ پل تقریباً تمام شکستہ ہیں جو انقلاب کے زمانہ میں حریف کا راستہ مسدود کرنے کی غرض سے ہر دو جانب توڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے بعض پلوں کو از سر نو تعمیر ہوئی ہے اور بعض اسی حالت میں ہیں جن کے بازو سے راستہ بنالیا گیا ہے۔ اس سڑک پر سے گزرتے ہوئے کہیں کہیں موٹر گاڑیوں کے وہ ڈھیر بھی دیکھے جنھیں بچہ سقہ کے کارندوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔ راستہ نہایت پُرامن ہے جابجا نہریں ہیں لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ مقر میں امان اللہ خاں نے ایک چھوٹا سا سہ منزلہ مکان ہوٹل کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ اور اس میں تمام ضروریات کی چیزیں مہیا کی تھیں۔ انقلاب کے دوران میں سارا سامان لٹ گیا اب صرف وہ عمارت باقی رہ گئی ہے۔ موجودہ حکومت کی طرف سے مختصر سا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ خارجی مسافر

اب بھی جب آتے ہیں تو اسی میں قیام کرتے ہیں چنانچہ ہم نے بھی اسی کے ایک صاف اور پاکیزہ کمرہ میں جگہ حاصل کرلی. موٹر میں روشنی نہ ہونیکی وجہ رات کی رات ہمیں بسر کرلی. ہوٹل کے ملازم عبدالعزیز نے روٹی اور نیم برشت انڈے لادیئے بسیر ہو کر کھایا.

جشنِ نجاتِ وطن

۳ رجمادی الثانی ۱۳۵۰ھ م ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء. جمعہ. میرے اصرار کے باوجود آٹھ بجے سے پہلے موٹر روانہ نہ ہوسکی جس وقت اس پر سامان باندھا جارہا تھا میں ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا تقریباً دو میل چلا تھا کہ موٹر نے مجھے آلیا. اگرچہ ہوا نہایت سرد تھی لیکن دھوپ بہت ہی پرلطف تھی. موٹر راستہ میں بہت کم خراب ہوئی آج موٹر کی رفتار اطمینان بخش رہی تقریباً (۱۲) بجے غزنی پہنچے. غزنی کے قریب موٹر ڈرائیور نے جو امان اللہ خاں کے ساتھ شریک جنگ تھا مجھے وہ سب مقامات دکھائے جہاں امان اللہ خاں کی فوجوں نے بچہ سقہ کی فوجوں سے مقابلہ کیا تھا. چھوٹے چھوٹے قلعوں کی دیواروں اور برجوں پر اب تک گولیوں اور گولوں کے نشان باقی ہیں امان اللہ خاں سے ساتھیوں کا آخری مقابلہ اسی مقام پر ہوا اور یہیں سے فرار ہوکر امان اللہ خاں نے یورپ کی راہ لی تھی. غزنین کا قلعہ افغانستان کے دوسرے قلعوں کی بہ نسبت زیادہ مستحکم و شاندار ہے جو سطح زمین سے خاصی بلندی پر واقع ہے فصیل مضبوط اور اس کے نیچے گہری خندق اور وسط میں ایک بلند ٹیلے یا پہاڑی پر بالاحصار بنا ہوا ہے. شہر بھی افغانستان کے دوسرے شہروں کی نسبت بڑا ہے

اصلی آبادی اور بازار فصیل کے اندر ہیں. دروازہ شیرگل اور دروازہ کابل کے باہر جدید آبادی اور گاراز ہیں. موٹر گاڑیوں کی آمد و رفت نے شہر کی رونق اور چہل پہل میں اضافہ کر دیا ہے. اندرون فصیل کی آبادی بہت قدیم ہے. تنگ و تاریک گلی کوچے، چھوٹی چھوٹی دکانیں پست مکانات یہاں کی خصوصیات ہیں. یہاں بھی ہنود کثیر تعداد میں پائے گئے.

غزنی میں کئی روز ٹھہرنے کا میں نے قصد کیا تھا. لیکن دو وجوہ سے اس میں تبدیلی واقع ہوئی. ایک تو موکز جیب بالکل خالی ہو چکی تھی صرف (۱۵ عشہ ۲۵) روپیہ کابل یعنی (۱ مے) روپیہ کلدار باقی رہ گئے. مجھے چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے کابل پہنچ کر اگر روپیہ گھر سے آگیا ہو تو حاصل کر لوں ورنہ سفیر برطانیہ متعینہ کابل سے کچھ قرض لوں. دوسری وجہ میری عجلت کی یہ تھی کہ آج سے کابل میں جشن نجات وطن (یعنی باغیوں و سقاویوں کی سرکوبی و نادر شاہ کی فتح و تخت نشینی کی سالگرہ کا جشن) کا آغاز ہونے والا تھا. ظہر کے بعد صرف پانچ چھ گھنٹے غزنی کی سیر کے لیے نکالے. اتنا سا وقت کافی بھی تھا اور ناکافی بھی. شہر اور اس کے اطراف و جوانب کی سیر کے لیے ایک گھنٹہ کی گشت کافی تھی کیونکہ سارے شہر کی وسعت حیدرآباد کے ایک محلہ سے کچھ زیادہ نہیں ہے. البتہ غزنی میں اولیاء اللہ کے مزارات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا پتہ لگانے اور زیارت کرنے کے لیے ایک ہفتہ بلکہ ایک ماہ بھی ناکافی ہے غزنی میں کوئی سواری نہیں ملتی. بعد از تلاش بسیار صرف ایک تانگہ کا پتہ چلا مگر خوبی قسمت سے وہ بھی شکستہ بلکہ از کار رفتہ تھا. آخر پیدل ہی گشت شروع کر دی آغا شیر محمد خاں سفیر افغانستان متعینہ طہران کے تعارفی خطوط دکھا کر یہاں کے

حاکم اعلیٰ سے استمداد کر سکتا تھا لیکن آزادی کے ساتھ پیدل گشت ہی کو میں نے ترجیح دی۔ سلطان محمود غزنوی کے مزار پر حاضری کو دل بہت چاہتا تھا لیکن وہ شہر سے تقریباً ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اتنی طویل مسافت کو پیدل طے کرنے ہمت نہ ہوی۔ بہلول دانا کی قبر شہر کے مشرق میں ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے حکیم سنائی کا مزار شہر کے شمالی مغربی گوشہ میں اور اس سے آگے شمس العارفین عبدالواحد کا مزار ہے جسے عوام غلطی سے شمس تبریز کا مزار سمجھتے ہیں ان تین مزاروں کی زیارت ہی میں شام ہوگئی اور تقریباً چھ میل کی گشت ہوی اس سے زیادہ کی ہمت نہ ہو سکی۔

حاکم شہر سے کوئی مدد حاصل نہ کی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ ایک پرانی سرائے کے تنگ و تاریک، کثیف و بدبودار کمرہ میں رات گزار دی۔ سردی کی شدت کا یہ عالم ہے کہ حیدرآباد میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ افغانستان میں یہ موسم زمستان نہیں بلکہ تیرماہ یا پائیز ہے لیکن سردی کی شدت کی وجہ سے صبح کے وقت چھوٹے نالوں کا پانی یخ بن جاتا ہے

وادیوں کے سبز کھیت

۹ر جمادی الثانی ۵۰ھ م، ار اکتوبر ۳۱ء۔ شنبہ۔ صبح نو بجے سے پہلے ہم غزنی سے روانہ ہو سکے۔ وجوہ مختلف اور ناقابل بیان ہیں بہرحال کسی طرح روانگی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ ابھی پہلی رباط پر بھی نہ پہنچے تھے کہ موٹر کی ٹانکی میں سوراخ ہونے سے سارا تیل بہہ گیا۔ اب موٹر درست کی جانے لگی توقع نہ تھی کہ دو تین گھنٹے سے پہلے یہ کام

ختم ہوگا اور ہم آج کابل... پہنچ سکیں گے لیکن ایسے میں ایک اور موٹر پیچھے سے آئی اس میں مجھے تھوڑی سی جگہ مل گئی۔ سامان تو پہلی موٹر ہی پر چھوڑا اور خود ایک ہینڈ بیگ کے ساتھ دوسری موٹر میں سوار ہوکر کابل روانہ ہوا۔ گاڑی بہت اچھی اور مضبوط تھی۔ شوفر کے بازو غزنی کے کوئی سر کاتب صاحب، ان کے برابر ان ہی کے ایک اور ساتھی بیٹھے ہوئے تھے اس لیے ہم کو گاڑی کے اندر بہت تنگ جگہ ملی۔

غزنی تو ہر طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا اور خود ایک چھوٹی پہاڑی پر آباد ہے۔ یہاں سے کابل تک پہاڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا گیا ہے۔ گاڑی پیچ در پیچ راستوں سے ہوکر گزرتی ہے۔ خشک پہاڑوں کے دامن وادیوں کے سرسبز کھیت اور بستیاں جگہ جگہ بہتی ہوئی نہریں قابل دید مناظر پیش کرتی ہیں غزنی کا کم و بیش سارا علاقہ نہایت شاداب ہے۔ یہاں کی آبادی کا کثیر حصہ وردک قبیلہ کے افراد پر مشتمل ہے جو باختلاف رائے درانی قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ راستہ میں شیخ آباد، درانی اور رچوکی ارغنڈا بڑے اسٹیشن ہیں۔ شیخ آباد سے آگے جانے کے بعد ایک ٹوٹے ہوئے پل کی کھائی میں گری ہوئی موٹر کو دیکھ کر دیر تک قلب نے عبرت حاصل کی۔ غزنی پہنچنے کے بعد موٹر کو جب چند رفقائے سفر نے ایک رات کے لیے معطل کرنا چاہا تو میں نے اسی موٹر سے کابل جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن نہ معلوم کیوں خود بخود میں نے ارادہ فسخ کر دیا۔ راستہ میں اس موٹر کی یہ حالت دیکھی تو بات سمجھ میں آئی کہ قید حیات کی کچھ اور عمر باقی ہے۔

موٹر سامان سے لدی ہوئی تھی اور صرف چار مسافر اس میں بیٹھے ہوئے

تھے. شکستہ پل کے قریب جب گاڑی پہنچی تو وہاں چونکہ خطرہ کی کوئی علامت نہ تھی شوفر کو پل کے باوجود بد راستہ دکھائی نہ دیا اور سیدھے موت کے منہ میں چلا گیا. تین مسافروں کا تو اسی وقت خاتمہ ہو گیا اور ایک زخمی ہوا۔ ۱۲ بجے جب کہ کابل کے لیے صرف ایک میل کی مسافت باقی رہ گئی تھی کہ پٹرول ختم ہو جانے کی وجہ سے ہماری گاڑی رک گئی۔ ڈرائیور پٹرول کے لیے شہر کی طرف روانہ ہوا، اور ہم نے ایک راہ چلتے "تانگے میں (جس کو یہاں گاڑی یا ان کے صحیح تلفظ میں گاڈی کہتے ہیں) اپنے ہینڈ بیگ کے ساتھ تانگہ راں ہوشیار آدمی تھا پہچان گیا کہ میں اجنبی مسافر ہوں میری ہدایت کہ شہر کے کسی بڑے ہوٹل میں چلے اس نے مجھے کابل ہوٹل" میں پہنچایا۔ امیر امان اللہ خاں نے بیرونی معزز مسافروں کے لیے یہ ہوٹل خاص طور پر قائم کرایا تھا. یہاں کا سب سے بڑا لیکن عام حیثیت سے متوسط درجہ کا ہوٹل ہے. (کرایہ روزانہ (۱۸) روپیہ افغانی یعنی (۶؍) روپیہ کلدار معہ طعام)۔

ہینڈ بیگ کمرہ میں رکھ کر وضو کیا. عصر کی نماز پڑھی اور چائے پی کر ہوٹل کے نوجوان خانساماں کے ساتھ جشن نجات وطن کی سیر کو گیا. افسوس ہے کہ دیر میں پہنچنے کی وجہ سے جشن کی رسم افتتاح مصنوعی جنگ وغیرہ جیسی اہم تقریبوں میں شرکت نہ کر سکا. جو آج دوپہر تک اختتام کو پہنچیں جشن کی باقیات میں سے اب صرف روشنی اور کانکنول کی آرائش ہے.

دو گھنٹہ گشت کے بعد ہوٹل واپس آیا تو معلوم ہوا کہ آقائے فیض محمد خاں وزیر خارجہ افغانستان جن کی خدمت میں میں نے آقائے شیر احمد خاں صاحب

سفیر افغانستان متعینہ طہران کا تعارفی خط روانہ کیا تھا ملاقات کو تشریف لائے ہیں حکومت کی جانب سے انھوں نے میرا خیر مقدم کیا۔ یہ نہایت خوش خلق اور بامروت محمد زئی قبیلہ کے افغان ہیں۔ سفر کی تکلیف کا حال سن کر بہت متاسف ہوئے رخصت ہوتے ہوئے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ کل سے میری سیر و تفریح کا پورا بندوبست کردیں گے۔ ان کے ساتھ یہاں کے ماہوار ادبی رسالہ "کابل" کے ایڈیٹر بھی تھے جو میری حیثیت اور میرے خیالات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔

رات کو ہوٹل میں افغانی کھانا کھایا۔ سردی یہاں بھی بہت ہے۔ میرا بایاں بازو بہت متاثر معلوم ہوتا ہے۔ بائیں ہاتھ کا پنجہ سن ہوگیا ہے۔ جیب خالی ہے اور گرم کپڑا ساتھ نہیں۔ خدا خیر کرے۔

وزیر دربار نادر شاہ

۵ رجادی الثانی ۵۰ھ م ۱۸ اکتوبر ۳۱ء۔ یکشنبہ۔ آج صبح سویرے ہوٹل کے خانساماں سے معلوم ہوا کہ رات دس بجے معین صاحب وزیر دربار کو اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے میرے پاس روانہ فرمایا تھا لیکن مجھے سوتا پاکر وہ واپس ہوگئے اور اب ارک (قیصر شاہی) سے میرے لیے ناشتہ آیا ہے جس میں ایک بہت بڑا کیک اور کئی قسم کی مٹھائیاں تھیں (۹) بجے پھر سردار محمد حیدر خاں صاحب معین وزیر دربار تشریف لائے۔ یہ سردار عبدالقدوس خاں صاحب مرحوم سابق صدر اعظم افغانستان کے فرزند نہایت شریف جوان ہیں اعلیٰ حضرت کی طرف سے مزاج پرسی کی اور کہا کہ انھیں بطور خاص روانہ فرمایا گیا ہے کہ

ہوٹل کے انتظامات تشفی بخش نہیں ہیں میں وزیر صاحب دربار کے مکان میں قیام کروں۔

دس بجے میں پاپیادہ ٹہلتا ہوا گاراثر شاہ محمد تک گیا اور کل کی سامان والی موٹر کی تلاش کر کے اپنا سامان ہوٹل میں لے آیا۔ (۱۲) بجے سردار فیض محمد خاں صاحب وزیر خارجہ تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے میرے لیے خاصہ بھی قیصر شاہی سے روانہ فرمایا ہے۔ وزیر صاحب کو ساتھ لے کر میں نے مزید افغانی پلاؤ سالن اور کباب کھائے۔ پلاؤ کی یہاں بہت قسمیں ہیں۔ اس خاصے میں دو طرح کا پلاؤ تھا۔ اس کے بعد میوے کے قاب آئے جن کو دیکھتے ہی جی بھر گیا۔ سیب بھی اعلیٰ قسم کے انگور غرض ہر چیز اعلیٰ درجہ کی جن میں سے میں نے ہر ایک کا صرف مزہ چکھا۔

ایک بجے پھر سردار محمد حیدر خاں معین وزیر دربار آئے اور اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت نے میرے لیے ایک سیون سیٹر سڈان ہیوگ گاڑی مقرر فرمائی ہے جو ہر وقت میری سواری میں رہے گی۔ پھر اسی گاڑی میں وہ مجھے سردار احمد شاہ خاں صاحب وزیر دربار کے یہاں لے گئے۔ سردار صاحب اعلیٰ حضرت کے حقیقی چچازاد بھائی اور موجودہ ملکہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ ولی عہد سلطنت ان کے بھانجے نہایت وجیہہ اور بلند و بالا جوان ہیں۔ اردو سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میرے لیے چھوٹا مگر نہایت خوبصورت اور جملہ لوازمات سے آراستہ بنگلہ مخصوص کیا گیا ہے۔ ملاقات کے بعد وزیر صاحب دربار مجھے اپنے ساتھ جشن میں لے گئے جہاں پروگرام کے مطابق آج فوجی سپاہی کرتبوں کا مظاہرہ کرنے والے تھے

ایک شامیانے میں اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی اپنے تمام وزراء و سفراء دول خارجہ کے ساتھ رونق افروز تھے۔ کل میں نے ان کو موٹر میں دیکھا تھا اور آج مجھے ان کے ساتھ ملاقات و گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں مجھ پر یہ اثر ہوا کہ غازی اپنے وطن کے مخلص، خادم، پکے مسلمان، نہایت خوش خلق، متواضع اور حلیم و بردبار بادشاہ ہیں۔ مجھے دیکھ کر استادہ ہو گئے۔ خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور دست بوسی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ افغانی قاعدہ کے مطابق دیر تک خیریت پوچھتے رہے پھر اپنے دونوں بھائی سردار محمد ہاشم خاں صاحب صدر اعظم اور سردار شاہ محمود خاں صاحب وزیر خارجہ اور سپہ سالار سے ملایا۔ دونوں نے مصافحہ کیا اور بڑے اخلاص سے گفتگو کی۔ آقائے عبد احد خاں صاحب رئیس مجلس شوریٰ ملی اور آقائے مرزا محمد خاں صاحب وزیر تجارت و حرفت سے بھی ملاقات ہوئی۔ فوجی قوت بڑھانے کی جانب سب سے زیادہ متوجہ ہیں چنانچہ آج افغانستان کی حربی طاقت اس سے کہیں زیادہ ہے جو امیر حبیب اللہ خاں کے زمانہ میں تھی۔ مجھے افسوس ہے اور میرے ہر ملاقاتی نے اظہار افسوس کیا کہ میں کل کی مصنوعی جنگ کا مظاہرہ دیکھ نہ سکا۔ آج فوجی سپاہیوں نے جمناسٹک کے بہت اچھے کرتب دکھائے۔ دوران مظاہرہ میں جب رسہ کشی شروع ہوئی اعلیٰ حضرت نے مجھ سے استفسار فرمایا کہ کونسی جماعت جیتے گی۔ میں نے جانب راست کی پارٹی کی نسبت اپنا خیال ظاہر کیا۔ اپنے تمام مصاحبین سے استفسار کے بعد فرمایا "نواب صاحب بجانب راست نیست" میں نے کہا "راستی موجب رضائے خداست" فرمانے لگے "کیا کھیل کود میں بھی" میں نے کہا "ہاں ہر چھوٹے بڑے کام میں"

لیکن سوءِ اتفاق سے بائیں طرف کی جماعت جیت گئی۔ اعلیٰ حضرت نے میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ میں نے کہا "اعلیٰ حضرت یہ خلاف توقع نہیں ہے کیونکہ آج کل دنیا ہر معاملہ میں راستی کی مخالف سمت میں حرکت کر رہی ہے۔" حاضرین اور اعلیٰ حضرت میرا جواب سن کر بہت محظوظ ہوئے۔

میری فارسی افغانستان کے لیے وجہ حیرت بنی ہوئی ہے۔ وہ کسی قدر غیر فصیح فارسی بولتے ہیں۔ مجھے ایران میں قیام کی وجہ سے فارسی بول چال میں ذرا سی مشق ہو گئی ہے۔ ہر شخص میری فارسی گفتگو کو استحسان اور حیرت سے سنتا ہے۔

یہاں میری تواضع قدیم کی دو وجوہ ہیں جن کا آج اعلیٰ حضرت نے بھی اظہار فرمایا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ سلطنت اسلامیہ حیدر آباد کا میں پہلا شخص ہوں جس نے دار سلطنت افغانستان تک آنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ میں خود بھی نسلاً افغان ہوں۔

نمائشی جمناسٹک کرتب ختم ہونے کے بعد میں نے اپنی موٹر میں جشن گاہ کا ایک چکر لگایا۔ یہ پشاور کے راستے میں شہر کے کنارہ پر ایک وسیع میدان ہے جس کو "چمن حضوری" کہتے ہیں یہیں روشنی کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا ہے۔ بجلی کے رنگ برنگے قمقمے کل رات کو بہت لطف دے رہے تھے۔ ہر قسم کی دکانیں یہاں قائم کی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ رونق قہوہ خانوں پر ہے جہاں ایک قوال بیٹھا ہندوستانی، افغانی یا ایرانی میں نغمہ سرائی کر رہا ہے۔ ہندوستانی مٹھائی اور پارچہ کی دکانیں بھی ہیں۔ میدان کے دوسرے جانب ایک چھوٹی سی جھیل ہے جس کو مقامی اصطلاح میں "کول" کہتے ہیں کشتیوں کے ذریعہ لوگ اس کی سیر و تفریح سے

لطف اندوز ہوتے ہیں۔ چونکہ افغانستان میں کوئی مستقل سینما نہیں ہے اس لیے اس تقریب کے ضمن میں بطور خاص ایک سینما گھر بھی قائم کیا گیا ہے چند مسمیرسٹ اور شعبدہ باز بھی طلب کیے گئے ہیں۔ منڈپ جا بجا قائم ہیں۔

یہاں سے ہم بازار کابل کے وسط سے ہوتے ہوئے "دارالامان" کی فرحت بخش اور پرفضا اور وسیع سڑک پر نکل آئے دونوں طرف چنار کے مسلسل اور متناسب درختوں کا سلسلہ تقریباً چھ میل تک چلا گیا ہے۔ دارالامان وہ نامکمل و نامعلوم قصر شاہی ہے مغربی طرز تعمیر پر کابل سے تقریباً (۸) میل جانب مغرب۔ امان اللہ خاں نے بڑے اہتمام سے تعمیر کیا تھا نہایت ہی شاندار سہ منزلہ وسیع عمارت ہے لیکن ابھی اس کی تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی کہ قسمت نے امان اللہ خاں کو جلاوطن کر دیا ان کے حکم سے امراء سلطنت نے بھی دارالامان کی طرف "جار دیے" ہیں جو ایک زراعتی رقبہ تھا چھوٹے چھوٹے خوشنما بنگلے تعمیر کرنے شروع کیے تھے یہ سب مکمل اور نامکمل بنگلے بھی خالی پڑے ہیں۔ خود اعلیٰ حضرت نادر شاہ و ولی خاں کا بھی ایک بنگلہ یہاں موجود ہے۔ اب حکومت نے ان عمارتوں کی تکمیل کی طرف توجہ کی ہے کار تعمیر نہایت سست رفتاری کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اس کے اطراف خوشنما خوش منظر باغوں کا وسیع سلسلہ چلا گیا ہے جو کابل کی بہترین سیر گاہ ہے۔ اس پُرشوکت عمارت کی مغربی جانب تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک اور مگر مختصر مگر شاندار عمارت ہے جو "تپہ امانی" کہلاتی ہے۔ "تپہ" افغانستان میں مٹی کے بلند ٹیلے کو کہتے ہیں۔ امان اللہ خاں چاہتے تھے کہ "دارالامان" دوامیر رسمی کے لیے مخصوص ہو اور ان کی اپنی قیامگاہ تپہ امانی میں رہے۔ یہ عمارت بھی گو نامکمل

ہے۔ مگر اس میں تھوڑا ہی کام تکمیل طلب باقی رہ گیا ہے۔ یہاں سے اطراف کے مناظر کا مشاہدہ نہایت دلفریب ہوتا ہے۔

ان دو شاہی قصور کے معائنہ کے بعد میں اپنی قیام گاہ (یعنی وزیر صاحب دربار کے مکان) کو واپس آیا۔ رات کھانے کی میز پر انقلاب افغانستان سے متعلق نہایت تفصیلی اور پر لطف گفتگو رہی۔

سفیر ایران

۶ ر جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ م ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء۔ دوشنبہ۔ نماز فجر کے بعد اپنی خواب گاہ میں بیٹھا آٹھ بجے تک روزنامچہ لکھا اور پھر افغانستان کے بعض سفر نامے جو وزیر صاحب کے کتب خانہ میں مل گئے دیکھتا رہا (۹) بجے ناشتہ کر کے سفارت خانہ برطانیہ کی راہ لی۔ سفیر صاحب تو ہندوستان تشریف لے گئے تھے اس لیے نائب سفیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ میرے نام نہ تو کوئی خط ہی وصول ہوا ہے اور نہ منی آرڈر آیا ہے۔ نائب سفیر نے فوراً مجھے ایک سو کلدار کا چک دیا کہ بازار میں فروخت کر کے روپیہ وصول کر سکوں مگر مجھے خیال آیا کہ میرے یہاں بھی امپیریل بنک کی چک بک تھی جسے فروخت کر سکتا ہوں اس لیے چک قبول نہ کیا۔

سفارت خانہ برطانیہ باغ بالا کے دامن میں نہایت شاندار عمارت ہے سفیدی کرائی ہوئی کابل کے مٹی سے لپے ہوئے مکانوں میں اس کو امتیاز حاصل ہے۔ یہاں سے باغ بالا دیکھنے کے لیے روانہ ہوا۔ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم نے

کابل کی شمالی جانب ایک بلند اور مسطح ٹیلے پر خوشنما کوٹھی اور باغ بنوایا تھا
ان کا زیادہ وقت اسی میں صرف ہوتا تھا۔ ان کے بعد دوسرے سلاطین نے
اس کی طرف توجہ نہ کی۔ جب بچہ سقہ نے شمال کی جانب سے کابل پر حملہ کیا تو یہ
کوٹھی اس کی قیامگاہ بنی لیکن بعد کو حملوں میں اس کو نقصان پہنچا، بعض منہدم
ہو گئے اب اس میں صرف چند سپاہیوں کا پہرہ قائم ہے۔ سفارت خانہ ایران
گیا، اور ایک آراستہ مکان کے آراستہ کمرہ میں مرزا نصر اللہ خاں خلف تبریٰ عقلاء الملک
سفیر کبیر ایران سے ملاقات کی جو نہایت خوش خلق وسیع النظر فاضل و سنجیدہ آدمی
ہیں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ میری ضبط شدہ رقم سے متعلق دار السلطنت سے
کوئی ہدایت وصول نہیں ہوئی ہے۔ دیر تک ایران اور عالم اسلامی کے حالات
پر ان سے گفتگو ہوتی رہی۔

یہاں سے سردار فیض محمد خاں صاحب وزیر خارجہ کے مکان کو گیا
تین پشت اوپر جا کر ان کا سلسلہ اعلیٰ حضرت سے ملتا ہے۔ محمد ذکریا خاں کی اولاد
میں یہ خود اور محمد یحییٰ خاں کی اولاد میں اعلیٰ حضرت ہیں۔ سردار صاحب کے والد
سے بھی ملاقات ہوئی جو دہلی اور شملہ میں افغانستان کے سفیر رہ چکے ہیں۔

اپنی قیام گاہ میں واپس آکر وزیر صاحب کے ساتھ چاشت کھایا گراموفون
کے ریکارڈ سنے۔ نماز ظہر پڑھ کر جشن گاہ گیا جہاں پہلوانوں کی کشتی دیکھی۔ پھر
آقائے علی محمد خاں وزیر معارف نے انقلاب کے کچھ حالات اور اعلیٰ حضرت کی
پرخلوص خدمات کا ذکر کرتے ہوئے قوم میں اتحاد و اتفاق کی تلقین کی۔ یہ فصیح و
بلیغ تقریر تھی۔ جشن نجات وطن کے نظام نامہ کا حسن خاتمہ تھی پھر سردار محمد ہاشم

خاں صاحب صدر اعظم اور سردار محمد شاہ محمود خاں صاحب وزیر حربیہ اور سردار محمد ظاہر خاں صاحب ولی عہد سلطنت مجھے اپنے ساتھ اپنے خیمے میں لے گئے جو چمن حضوری کے ایک جانب چھوٹے سے چمن کے کنارے نصب کیا گیا تھا۔ یہاں ایک قوال بیٹھا نغمہ سرائی کر رہا تھا۔ خیمے سے کچھ فاصلہ پر عسکری و غیر عسکری افغانوں کی ایک جماعت جھیل کی دوسری جانب بنائے ہوئے ہدف پر نشانہ اندازی کی مشق کر رہی تھی۔ اسی خیمہ میں سردار عبد الاحد خاں رئیس مجلس شوریٰ سردار مرزا محمد خاں صاحب وزیر تجارت و حرفت و سردار فیض محمد خاں صاحب وزیر خارجہ اور سردار علی محمد خاں صاحب وزیر معارف بھی موجود تھے۔ چای نوشی اور گپ زدن افغانستان میں حرف زدن یعنی "گفتگو کرنا" کا مرادف ہے۔ گپ بازی ہوتی رہی۔ مغرب کے بعد محفل برخاست ہوئی۔

اپنی قیام گاہ پر واپس آیا تو برہان الدین خاں کشککی نمائندہ اخبار "اصلاح" (جو افغانستان کا نیم سرکاری اخبار ہے) ملاقات کے لیے موجود تھے۔ دیر تک حیدرآباد کے حالات اور حیدرآباد و افغانستان کے مابین غیر رسمی ارتباط کے امکانات پر گفتگو ہوتی رہی۔

آقائے احمد شاہ خاں وزیر دربار کو چمن بندی اور جانور سدھانے کا بہت شوق ہے۔ اپنے بنگلہ کے روبرو خوشنما چمن میں مور کلنگ کبوتر اور بہت سے خوبصورت پرند پال رکھے ہیں۔

افغانستان کے کھانے میں نے ہندوستانی مذاق کے مطابق پائے۔ افغانیوں کا دستر خوان بہت پر تکلف ہوتا ہے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میز پر دو تین قسم کے

پلاؤ، تین چار سالن کباب، دو طرح کی روٹی دو تین میٹھے، چٹنیاں اور کئی قسم کا میوہ موجود نہ رہا ہو۔ میرے لیے خاص طور پر مرچ والے سالن تیار ہوا کرتے تھے۔ کھانا ہاتھ ہی سے ملا کر کھایا جاتا ہے۔ میٹھا کھاتے وقت پہلے گیلے اور کترے کپڑے سے جو تہہ کیا ہوا ایک تشتری میں ہر شخص کے سامنے رکھا ہوتا ہے ہاتھ صاف کر لیا جاتا ہے۔ مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا۔

میں نے غلطی کی کہ نائب سفیر برطانیہ کا دیا ہوا چک قبول نہ کیا کیونکہ قیام گاہ پر آ کر جب میں نے اپنی چک بک دیکھی تو وہ حالی سکہ کی تھی۔ یہاں کے بازار میں حالی سکہ سے کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ وزیر صاحب کی امداد سے آئندہ تین روز کے لیے پروگرام مرتب کر لیا ہے انشاءاللہ کل سے اس پر عمل کروں گا۔

اعلیٰ حضرت نادر شاہ

۷ رجمادی الثانی ۵۰ھ م ۲۰ اکتوبر ۳۱ء۔ سہ شنبہ۔ ناشتہ کے بعد کارخانہ گوگرد سازی (دیا سلائی کے کارخانہ) کا معائنہ کیا۔ دارالامان سے متصل یہ کارخانہ امان اللہ خاں کے زمانہ سے قائم ہے جو ملک کے لیے کبریت فراہم کرتا ہے اگرچہ وزارت دربار سے معائنہ کی قبل از قبل اطلاع کر دی گئی تھی اور ہندوستانی انجینئر وغیرہ حاضر تھے لیکن مشین معطل تھے۔ آلہ برقی آکیمرند (ڈائینامو) جشن کے سلسلہ میں چمن حضوری میں منتقل کیا گیا تھا۔ انجینئر نے ہر مشن کو ہاتھ سے چلا کر دکھایا۔ امید ہے کہ مستقبل قریب میں یہ کارخانہ ملک کو

دیا سلائی کی خارجی درآمد سے مستغنی کرے گا۔

افغانستان کے آثار قدیمہ کا "مستحف" یا میوزیم اس کے قریب ادھر دارالامان کے زیر سایہ واقع ہے۔ امان اللہ خان کے زمانہ میں قائم ہوا تھا۔ بہت سی چیزیں انقلاب کی نذر ہو گئیں تاہم بعض اچھی چیزیں اب بھی باقی ہیں۔ تبرکات کے طاق میں حضرت عثمان کے لکھے ہوئے قرآن مجید کا عکس بڑی مقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں حضرت امام حسن کے لکھے ہوئے قرآن کے بعض اجزاء اور ایک قرآن کے چند صفحات جو ہرن کی جھلی پر مطلا حروف میں لکھے ہیں قابل دید ہیں اس قدر باریک ہے کہ باریک سے باریک کاغذ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کتاب خانہ میں خطاطی کے بعض اچھے نمونے اور خمسۂ خسرو نظامی دیوان بیدل و جامی بوستان سعدی تاریخ طبری اور مثنوی کے بعض قدیم اور اچھے نسخے دیکھنے میں آئے۔ ان تمام معروضات کو جو امیر حبیب اللہ خاں مرحوم اپنی صدارت عظمیٰ کے زمانہ میں اپنے والد امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کی خدمت میں مختلف مسائل انتظامی و سیاسی سے متعلق اپنے قلم سے لکھتے رہے ہیں اور جن پر امیر عبدالرحمٰن خاں نے سرخی سے شرح کی ہے ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ ایک تاریخی اور دلچسپ چیز ہے۔ دنیا کا ایک جغرافیائی کرہ گلوب جس پر سرخ سبز اور سیاہ نقاط کے ذریعہ امان اللہ خاں نے اپنی سیاحت یورپ کے خط کو نمایاں کر کے اپنی دستخط کی ہے محفوظ ہے۔ وہ البم بھی موجود ہیں جو ترکی و ایران کے بلدیوں نے تحفتاً شاہ امان اللہ خاں کو نذر دیئے تھے ایک کمرہ میں قدیم ہندی چینی اور ایرانی مصوری کے بعض اچھے نمونے ہیں ایک اور

کمرہ میں افغانستان کی مختلف قوموں کی معاشرت کو تصویروں کی صورت میں ظاہر کیا ہے چونکہ گیارہ بجے اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے مجھے باریابی کے لیے وقت دیا تھا اس لیے میوزیم کے معائنہ کو ادھورا چھوڑ کر اپنی قیام گاہ کو واپس ہوا وزیر صاحب دربار جو میرے منتظر تھے اپنے ساتھ قصر دلکشا کو لے گئے۔ ارک میں میں امیر حبیب اللہ خاں کی بنائی ہوئی عالی شان کوٹھی ہے۔ دروازہ پر معین وزیر دربار نے استقبال کیا۔ اور ایک آراستہ کمرہ میں مجھے پہنچایا جہاں اعلیٰ حضرت چہل قدمی فرما رہے تھے۔ سلام اور دست بوسی کے بعد افغانستان کے اس نجات دہندہ نے مجھے ایک قریب کی کرسی پر جگہ دی۔ اپنے دل پذیر انداز میں پست آواز نیچی اور متواضع نگاہوں کے ساتھ مزاج پرسی فرمائی۔ ان کے بلند اخلاق متین و سنجیدہ گفتگو اور ملّی نقطہ نظر سے مفید خیالات نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ فرمانے لگے:

"اس زمانہ میں جب کہ امریکہ محض صحرائے بے عمران اور یورپ بربریت و وحشت کا مرقع تھا۔ افغانستان اپنے اعلیٰ تمدن کی وجہ سے شہرت کا حامل رہا۔ لیکن اس وقت تمدنی نقطہ نظر سے اس کی حیثیت نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کی حالت سے سیاح خوش نہیں ہوں گے۔ ایک افغان کی حیثیت سے اپنے وطن کو اس حالت میں دیکھ کر آپ رنجیدہ و متاثر ہوں گے۔ خصوصاً اس انقلاب عالم سوز کے بعد جس سے ملک کو حال ہی میں دوچار ہونا پڑا اس کے سفر سے کوئی سیاح کیوں کر محظوظ ہو سکتا ہے مگر مجھے خدا سے توقع ہے کہ افغانستان مستقبل قریب میں اصلاح پذیر ہو سکے گا۔ مجھے آپ سے مل کر کئی وجوہ سے مسرت ہوئی ایک تو آپ افغانی ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی یہاں سے روانگی کے صدیوں بعد آپ نے سیاحت وطن کا

ارادہ کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کشور ہند کی سب سے بڑی سلطنت کے ممتاز فرد ہیں جس کی فلاح وبہبود کے لیے ہم اپنے ملک کی صلاح وفلاح کی طرح متمنی ہیں۔
امیر نے مسرت کی تیسری وجہ بیان فرماتے ہوئے ازراہ عنایت ان کے اپنے الفاظ میں میری قابلیت و دینداری پر اظہار خیال فرمایا۔ یہ ان کے کریمانہ اخلاق کا ثبوت تھا ورنہ من آنم کہ من دانم۔ پھر میری ایک مختصر سی گفتگو کے جواب میں جو میں نے افغانستان کے نجات اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں ان کی خدمات اور ملک کے موجودہ امن وامان کا ذکر کیا تو فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سب کچھ کیا۔ حالانکہ غور کرتا ہوں تو خدا کے فضل کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ آپ آپ خیال کریں کہ ایک مرد تنہا و بیمار غریب الدیار جس کے جیب و دامن زر و مال سے خالی۔ بالکل تنہا انقلاب روز افزوں سیلاب میں آگے بڑھتا ہے اور فتح وکامرانی اس کے قدم چومتی ہے، انسان کے بس کی بات ہے؟ رہا امن وامان کے قیام کا مسئلہ سو یہ بھی خدا کا فضل ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ حکومت قوی اور چہ جائیکہ آج جب کہ ہر جنگجو افغان تیغ و تفنگ سے مسلح ہے اور انقلاب نے سب کے ہاتھوں میں ہتیار دے دیے ہیں ملک میں ایک بھی واردات قتل کی کوئی اطلاع نہیں آتی جو بچہ سقہ نے رعایا میں تقسیم کیے تھے یا حکومت کے میگزین سے انھوں نے انقلاب میں حاصل کیے تھے واپس کر دیں تو اہل ملک نے خاموشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔
اس گفتگو کے بعد جب میں نے رخصت چاہی تو مجھے روک کر حیدرآباد سے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں۔ اثناء گفتگو میں بعض ایسے خیالات کا اظہار فرمایا جن سے ان کی اسلامی ہمدردی و اخوت کا اظہار ہوتا تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر دوپہر کھانے کے بعد میں نے افغانستان کے گرمائی (تابستانی) پایۂ تخت پغمان کی سیر کی۔ یہ کابل سے تقریباً (۱۸) میل کے فاصلے ایک بلند و مرتفع مقام ہے جو بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا اور پُرشور چشموں و نہروں سے سیراب ہوتا ہے۔ دو طرفہ نیچے چنار ادھر چنا اور سبزہ چنار کی قطاروں سے گھری ہوئی سڑک قصرِ شاہی تک جاتی ہے یہاں کا بلند مقام "آلو بالو" (ایک قسم کا میوہ) توت، شفتالو، انار، بادام و زرد آلو اور انگور کے درختوں سے گھرا ہوا ہے اور بصارت نواز منظر پیش کرتا ہے۔ ہماری موٹر "طاق ظفر" کی عمارت سے ہو کر گزری جو شہدائے راہِ حریت و استقلال کی یادگار میں امان اللہ خاں نے بنوائی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف باغوں اور ثمرہ دار درختوں سے گھرے ہوئے امراء و وزراء دولت کے بنگلے وزارت خانے اور ایک خوبصورت ہوٹل (ہوٹل بہار بہت ہی دل فریب مناظر ہیں۔ شاید وزارتِ دربار نے قبل از قبل اطلاع کر دی تھی کہ قصر نہ صرف ہمارے لیے کھول دیا گیا تھا بلکہ داروغہ نے چائے کا بھی انتظام کیا تھا قصر کے تمام حصے آراستہ اور باغ سرسبز و فرحت بخش تھے۔ قصر کے عقب میں بلند پہاڑ گہری وادیاں پُرشور چشمے عجیب و غریب طبعی مناظر پیش کرتے ہیں۔ ایک پہاڑی چشمے کے ذریعہ پغمان کے لیے برقی روشنی حاصل کی گئی ہے۔ یہاں کی سب سے دلچسپ چیز "باغ عمومی" ہے۔ ایک مختصر قہوہ خانہ اور بیانڈ اسٹانڈ کے اطراف اونچی نیچی مسطح پہاڑیوں یا صحیح الفاظ میں ٹیلوں پر دور تک خوش منظر چمنوں کا سلسلہ چلا گیا ہے جس میں پہاڑی نہروں سے ابلتے ہوئے فوارے قابل دید مناظر ہیں۔ اس باغ کی ایک جانب امان اللہ خاں نے مغربی طرز کا ایک تھیٹر تعمیر کیا تھا جو کبھی آراستہ تھا اور اس

میں فلمی مظاہرے ہوا کرتے تھے یا پھر جرگوں اور مجالس قومی منعقد کرنے کے کام آتا تھا۔ مگر اب فرش و کرسیاں غائب ہیں۔ گرد و غبار کے سوا اب اس میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ یہاں کی چھوٹی مگر خوبصورت مسجد بھی قابل دید ہے۔ جرمنی طرز تعمیر ہے اور کوئی علامت اس میں مسجد کی موجود نہیں۔ مینار اذان پشت پر محراب کے محاذی تعمیر کیا گیا ہے۔ مسجد فرش سے آراستہ تھی۔ ان سے قریب ہی امان اللہ خاں نے اپنی پیدائش کی یادگار بنائی ہے۔ کیونکہ پغمان ہی ان کا مولد ہے آزادی کے لیے جو پغمانی شہید ہوئے تھے ان کی یادگار میں "طاق ظفر" کے سامنے ایک اور عمارت بنوائی گئی ہے۔ یہاں سے تقریباً ۴ بجے واپس ہو کر میں سفیر برطانیہ کے یہاں گیا۔ میرے ہاں کا حالی چک چونکہ بازار میں نہ چل سکتا تھا۔ اس لیے ان سے پانچ سو روپے کا چک حاصل کیا۔ اس ضروری کام سے فارغ ہو کر گل باغ کو روانہ ہوا جو کابل سے تقریباً (۱۲ یا ۱۴) میل کے فاصلے پر "دار الامان" سے اس طرف جنوب مغرب میں واقع ہے اور دریائے کابل کے دونوں طرف پھیلا ہوا ہے۔ شاید کسی زمانے میں آراستہ ہوگا لیکن اب اس کی حالت بہت بگڑ گئی ہے۔ وزیر صاحب دربار کی توجہ سے تعمیر اور آراستگی کا کام پھر شروع ہوا ہے دریائے کابل پر ایک پل اور اس کے کنارے ایک چوبی چوکھنڈی بنائی جا رہی ہے گل باغ کی سیر کے بعد ہم چہل ستون کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ عمارت دار الامان کی مشرقی جانب ایک پہاڑ سے متصل نہایت ہی بلند مقام پر واقع۔ عمارت امیر حبیب اللہ خاں کے عہد کی مختصر مگر نہایت خوبصورت ہے۔ اطراف میں وسیع باغ خوش منظر کیفیت چنار کے درختوں کی قطاریں سرسبز پہاڑ اور وادیاں نہایت ہی

دل فریب مناظر ہیں۔ نماز عصر و مغرب اسی مقام پر ادا کی۔ میری لطف اندوزی اور دل بستگی کا یہ عالم تھا کہ یہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ یہ چاردیہ کا علاقہ ہے۔ چاردیہ کا سارا حصہ اسی طرح سرسبز و شاداب ہے چہل ستون کے عقب میں بلند چوٹی پر ایک سفید مینار بنا ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ امیر حبیب اللہ خاں ایک روز اسی چوٹی پر چڑھ گئے اور اس پر پہنچنے کی یادگار میں یہ مینار تعمیر کرایا تھا۔

آج کی طویل سیر کے باعث میں تھک گیا تھا کہ گھر آکر کتاب دیکھتا رہا اتنے میں وزیر صاحب تشریف لائے۔ کھانے پر کسی وجہ سے میرا ساتھ نہ دے سکے لیکن کھانوں اور سالنوں کی خوبو معلوم کرنے کے لیے ہر چیز چکھی۔

لب دریا

آج کابل کی شمالی سمت کی سیر قرار پائی تھی ناشتہ کے بعد ہماری موٹر تیار ہوئی۔ امین اللہ خاں کے علاوہ (جو وزارت خارجہ کے سر کاتب اور رہبری و معیت کے لیے وزیر صاحب اور حکومت کی جانب سے متعین ہیں) احمد شاہ خاں خادم (جو امیر حبیب اللہ خاں کا خدمت گزار رہ چکا ہے اور نہایت تربیت یافتہ خادم ہے) اور ایک مسلح سپاہی بھی ساتھ ہے۔ وزیر صاحب نے مختصر سا توشہ بھی ساتھ کر دیا ہے۔

سمت شمالی کابل سے شروع ہو کر ترکستان پر ختم ہوتا ہے اور یہ تمام حصہ افغانستان کے دوسرے حصص کی بہ نسبت شاداب و سرسبز خوش فضا و خوش منظر

اور زیادہ آباد ہے اسی حصہ کو کوہستان بھی کہتے ہیں اور کوہ دامن بھی۔ پہاڑوں کا غیر مختتم اور مسلسل زنجیرہ میلوں تک چلا گیا ہے۔ پانی کی افراط ہے۔ آج کی تقریباً ڈیڑھ سو میل کی مسافت میں ہی محسوس ہوا کہ ہم باغوں کے درمیان سے گزر رہے ہیں۔ پہاڑوں کی بعض چوٹیاں اب بھی برف پوش ہیں۔

کوتل کی گھاٹی سے گزر کر ہم قلعہ مراد بیگ سے ہوتے ہوئے سرائے خوجہ پہنچے پھر افغانستان کا تاریخی مقام کلاکان یعنی وہ موضع ملا جو بچہ سقہ کا مولود و مسکن ہے۔ اس کے مختصر سے مکان پر ایک نظر ڈالی جس راستے سے ہم گزر رہے ہیں اسی راستے سے اس نے کابل پر حملہ کیا تھا ہم فراط باغ ہو کر جارہ بہار پہنچے جو سمت شمالی کی حکومت کلاکان کا صدر مقام ہے۔ یہاں قیام کیے بغیر ہم آگے بڑھ گئے اور گل بہار نامی موضع میں پہنچے جو اس علاقے میں فی الحقیقت اسم با مسمّٰی دریائے پنج شیر و، دریائے غوربند کا اسی جگہ سنگم ہے اور یہی وہ دریا ہے جو جلال آباد اور پشاور سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ میں جا ملتا ہے۔ ان دریاؤں کے دونوں طرف پہاڑوں اور درختوں کے ایسے دلکش مناظر دیکھے جن کے سحر آفریں اثر کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ دریائے پنج شیر کے کنارہ سردار عبدالرحیم خاں صاحب نائب الحکومت غن اور مرزا عبدالطیف خاں صاحب قد فن کا پڑاؤ تھا جو حال ہی میں خدمتوں پر مقرر ہوئے ہیں اور جائزہ حاصل کرنے کے لیے سواروں کی ایک خاصی جمعیت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ گل بہار سے آگے چونکہ موٹر گزرنے کا راستہ نہیں ہے اس لیے گھوڑوں پر سفر کر رہے ہیں۔ عبدالرحیم خاں صاحب نائب الحکومت ملا حاجی عبدالرزاق خاں صاحب مرحوم مشہور عالم

افغانستان کے فرزند ہیں۔ غضرائی قبیلہ کے ذی علم فاضل اور صاحب الرائے مدبر ہیں۔ ان سے دوران گفتگو میں تحقیق ہوا کہ ہمارے جو پٹھان "غرٹے مرئی" کہلاتے ہیں وہ حقیقت میں غضرائی ہیں۔ اصرار کے ساتھ مجھے اپنے ڈیرا دیں لے گئے اور لب دریا کرسیوں پر بٹھا کر چائے پلائی۔

کابل سے گل بہار کا فاصلہ تقریباً (۵۰) میل ہے یہاں سے چل کر ہم "جبل السراج" پہنچے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے یہاں مختصر سا قلعہ اور ایک مکان سراج الامعار کے نام سے تعمیر کرایا تھا۔ مگر انقلاب کے زمانہ میں اس کو بہت نقصان پہنچا۔ جدید دروازے پر گولیوں کے نشان اب تک باقی ہیں قلعہ سے متصل ایک نہر کو پہاڑ کی بلندی سے گرا کر برقی قوت حاصل کی گئی ہے۔ کابل میں اسی برتابی قوت سے کام لیا گیا ہے۔ اسی کارخانہ کا قیام امیر حبیب اللہ خاں کی کوشش کا نتیجہ ہے جس کو امان اللہ خاں نے ترقی دی۔ ہوتا یہ ہے کہ کمانی کو گھمانے سے پانی بڑی قوت کے ساتھ مشین میں داخل ہو کر اس کو متحرک کر دیتا ہے۔ افغانستان کی سرزمین متعدد ایسی نہروں سے معمور ہے جن سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں اور کتنا کام ان سے لیا جا سکتا ہے لیکن ان کا پانی ضائع ہو رہا ہے۔

اسی پہاڑ سے دریائے سالنگ نکل کر سراج الامعار کے بازو بازو بہتا ہے اب ہم ایک دوسرے راستہ سے اور "تنہرہ" ہو کر پھر "چارہ کار" پہنچے۔ ہمارے کھانے کا انتظام حسب الحکم وزیر صاحب یہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے یہاں تھوڑی دیر کا قیام ناگزیر تھا۔ سردار عبداللطیف خاں صاحب فرقہ مشر زقہ کہ شاہی و وکیل حکومت سمت شمال نے بڑی فراخ حوصلگی سے دعوت کی۔

(۴) بجے یہاں سے روانہ ہوکر اس سمت کے سب سے زیادہ خوش منظر و قابلِ دید مقام استالف پر پہنچے۔ یہ قصبہ ایک پہاڑ کے نشیب میں واقع ہے اور مکانات بھی ایک دوسرے سے نیچے بنے ہوئے ہیں۔ اطراف میں بلند پہاڑیاں سرسبز وادیاں اور پرشور نہریں ہیں۔ امیر حبیب اللہ خاں نے تفریح کی غرض سے ایک بلند مقام پر مسطح چبوترا تعمیر کرایا تھا جس کو تخت کہتے ہیں۔ اسکا گردو نواح ایسا خوش منظر ہے کہ الفاظ اس کی تصویر نہیں کھینچ سکتے۔ نماز عصر پڑھ کر یہاں سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں نماز مغرب ادا کی۔ (۷) بجے قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ رات کو دیر تک وزیر صاحب کے ریڈیو پر یورپ، تاشقند، ماسکو اور بمبئی کے گانے سنے۔

بابر کا مقبرہ

۹ رجمادی الثانی ۵۰ھ م ۲۲ر اکتوبر ۳۱ء پنجشنبہ۔ (۹) بجے تک روزنامچہ لکھتا رہا پھر ناشتہ کرکے وزارت معارف کی راہ لی۔ یہاں آقائے ولی محمد خاں صاحب وزیر معارف سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات معائنہ مدارس کے سلسلہ میں تھی۔ وزیر صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ معائنہ مدارس سے قبل ان سے مل لوں۔ وزیر صاحب نے دیر تک ان مظالم کا ذکر کیا جو انقلاب کے دوران میں صیغہ معارف پر ڈھائے گئے۔ معلوم ہوا کہ سائنس کے آلات کی شکست و ریخت کی گئی حتیٰ کہ ایک نلکی بھی ثابت نہ بچی۔ کتب خانہ ملی اور کتب خانہ عمومی کی تمام کتابیں تلف کردی گئیں۔ چنانچہ انقلاب کے بعد جب وزیر صاحب پہلی دفعہ کتب خانہ ملی میں داخل ہوئے تو چند منتشر اوراق کے سوا انھیں کچھ نہ ملا۔ اور اتفاق سے پہلا ورق جو انھوں نے اٹھایا وہ ...

قرآن مجید کا ایک صفحہ تھا۔ وزارت معارف میں تو صرف ایک کرسی ثابت اور نیم شکستہ کرسیاں اور ایک میز باقی رہ گئی تھی۔ اسی سامان سے انھوں نے کام کی ابتداء کی۔ امان اللہ خاں نے تعلیم سے بہت دلچسپی لی تھی اور مدارس کو اچھی حالت میں رکھا تھا لیکن ان کا سب اسباب و فرنیچر مسقویوں کے عہد میں تلف کر دیا گیا تھا۔ کتاب خانہ مدرسہ حبیبیہ کی صرف چند انگریزی جلدیں وزارت خارجہ میں اس خیال سے منتقل کی گئیں کہ ممکن ہے ان کا سیاسیات سے کوئی تعلق ہو امان اللہ خاں نے (۷) سالہ عمر کے بچے کے لیے تعلیم جبری کر دی تھی لیکن ذی استعداد اساتذہ کا ملک میں کال تھا اور باہر سے قابل لوگوں کو چونکہ خزانہ میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود طلب کیا گیا تھا اس لیے فائدے کے بجائے نقصان پہنچا اب کابل میں اعلیٰ تعلیم کی تین درسگاہیں ہیں ایک "مکتبہ امانیہ" جس میں ذریعہ تعلیم فرانسیسی زبان ہے۔ دوسرا "مدرسہ امانی" اس میں المانی زبان میں تعلیم ہوتی ہے اور تیسرا "مدرسہ حبیبیہ" ہے جس میں بزبان انگریزی تعلیم دی جاتی ہے۔ حکومت فرانس اور بلجیم سے مکتبہ امانیہ کے اور المانیہ اور سوئیزرلینڈ کی حکومتوں سے مدرسہ امانی کے فارغ التحصیل طلبا کو اپنے کالجوں میں قبول کرنے سے متعلق حکومت نے معاہدات کیے ہیں اس گفتگو کے بعد وزیر صاحب نے ایک صاحب کو میرے ساتھ کیا اور ہم نے مکتبہ امانیہ کا معائنہ کیا جو وزارت معارف کے روبرو ہی واقع ہے اور ایک فرانسیسی مدیر (صدر مدرس) کی زیر نگرانی ہے۔ تاریخ اسلام اور دینیات کے سوا باقی تمام فنون فرانسیسی زبان میں سکھائے جاتے ہیں۔ بچوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو، اور ان کے لیے گلابی رنگ کا یونیفارم بھی مخصوص ہے

جس سے مکتبہ اماینہ کا طالب علم پہچانا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت ورزش جسمانی کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہیں۔ اس لیے مدرسہ جمناسٹک اور اسپورٹ کا اچھا انتظام ہے۔

چونکہ آج پنجشنبہ تھا اور مدارس (۱۲) بجے بند ہو جاتے ہیں اور مکتبہ امانی ہی میں کافی دیر ہو گئی تھی اس لیے دوسرے مدارس کا معائنہ آئندہ کے لیے ملتوی کیا گیا۔ (۲) بجے مکتبہ حربیہ کا معائنہ کیا جو وزارت حربیہ کے زیر نگرانی ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے قائم کیا تھا۔ اس کو امان اللہ خاں نے بہت ترقی دی تھی لیکن انقلاب نے اس کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ اب ہر چیز نئے سرے سے تیار ہو رہی ہے۔ کابل کے شمال مغربی گوشے میں اس مکتبہ کی نیلی رنگ کی عمارت ممتاز ہے اس وقت تقریباً (۸۰) طلبا ہیں جو دوسرے مدارس کی جماعت سوم و چہارم سے منتخب کر کے لیے جاتے ہیں۔ اس مکتب کے اہم مضامین میں ادب فارسی کے علاوہ ریاضی، بارود سازی، توپ چی، نقشہ نگاری، سواری اسپ اور طریقہ تربیت فوج وغیرہ شامل ہیں۔ غیر زبانوں میں ترکی، فرانسیسی اور انگریزی سکھائی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کے معائنہ کے بعد دارالامان گیا اور اس کے باغ ولا تقریباً آدھ گھنٹہ جبل قدنی کی بجز ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے مقبرہ پر گیا اور فاتحہ پڑھی۔ قبر ایک پہاڑ کی بلندی پر سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ اس پر جہانگیر کا نصب کردہ لوح مزار ہے قبر پر امیر حبیب اللہ خاں کی بنائی ہوئی ایک چوڑی سی جو کھنڈی ہے۔ مقبرہ کے قریب عہد شاہجہاں کے کسی والی یا سپہ سالار کی ان کے حکم سے تعمیر کردہ چھوٹی سی سنگ مرمر کی مسجد ہے۔ اس سے آگے نشیب میں

امیر عبدالرحمٰن خاں کا بنایا ہوا ایک بنگلہ اور قصر جس میں وہ کبھی کبھی رہا کرتے تھے مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آگرہ اور دہلی کی عظیم الشان عمارتوں کے بانی سلاطین مغلیہ نے اپنے نامور داد کی قبر کو کس کسمپرسی کی حالت میں رکھا ہے۔ اس کے بعد کابل کے بازاروں کی ایک گشت لگائی اور شور بازار کو جو بڑے بازار کا ایک آخری حصہ ہے اس لیے خصوصیت سے دیکھا کہ وہاں کے ملا صاحب کی کارستانیاں اس انقلاب میں بہت مشہور رہیں۔

شام کو وزیر صاحب نے دو ہندوستانیوں سے ملایا۔ ایک ڈاکٹر عبدالرحمٰن جو مزار شریف میں مقیم ہیں اور دوسرے آقائے عبدالحلیم تاجر جن کے والد نے انقلاب میں نادر خاں کی بہت امداد کی تھی۔ ان سے انقلاب کے اسباب و نتائج سے متعلق بعض مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

آج ایک نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ کابل میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ ہے کہ رات کو دس بجے کے بعد کوئی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کو "نام شب" یعنی پولیس کا اس روز کے لیے مقرر کردہ خفیہ لفظ معلوم نہ ہو۔ جن لوگوں کو رات دیر ہونے کا اندیشہ ہے ان کو چاہیے کہ اپنے قریب کے پولیس آفیسر سے نام شب معلوم کرلیں۔ آج کا نام شب "شمشیر" تھا۔

صحابائے رسولؐ

۱۰ ارجمادی الثانی ۱۳۵۰ھ م ۲۳ راکتوبر ۳۱ء۔ جمعہ۔ ناشتہ کے وقت احمد شاہ خاں خادم نے دکھایا کہ رات کسی برتن میں تھوڑا پانی جو باقی رہ گیا تھا

وہ برف بن گیا ہے. صرف اس سردی نے مجبور کر دیا ہے کہ کابل سے جلد چلا جاؤں
سفارت خانہ برطانیہ کو گیا تھا. نائب سفیر صاحب نے جو چیک دیا تھا وہ بھی بازار
میں نہ بک سکا. میں نے گھر سے بذریعہ ٹیلیگرافک منی آرڈر جو رقم طلب کی تھی وہ
تار کے ذریعہ پشاور پہنچی اور وہاں سے امپیریل بنک نے ایک ڈرافٹ بنا کر روانہ
کیا جو کل کسی ڈاک سے آیا ہے. اس پر دستخط کر کے بھیجنے کے بعد رقم روانہ کی جائیگی
اس کارروائی میں کم از کم آٹھ دس روز صرف ہوں گے. لیکن آج سر رچرڈ میکانکی
وزیر مختار برطانیہ نے اپنے یہاں سے (۵۰۰) روپے نقد قرض دیا. میں یہ رقم
پشاور پہنچ کر امپیریل بنک کے ان کے کھاتے میں جمع کر دوں گا. اب جب کہ رقم حاصل
ہو گئی میں نے قصد کر لیا ہے کہ پرسوں یکشنبہ کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں.

دوپہر کے کھانے کے بعد کابل کے اطراف ایک گشت موٹر میں لگائی.
باغ عمومی دیکھا جو لب دریا واقع ہے، کوئی دلچسپ مقام نہیں ہے اس کے ایک
کنارے پر سدوزئی خاندان کے بادشاہ تیمور شاہ کی قبر اور اس پر ایک عالی شان
گنبد بنا ہوا ہے جو بظاہر نامکمل معلوم ہوتا ہے. وزارت معارف کے صحن میں امیر
عبدالرحمٰن خاں کا سرخ اینٹوں سے بنا ہوا مقبرہ کابل کی نمایاں عمارتوں میں سے ہے
یوں تو بزرگان دین کی یہاں بہت سی قبریں ہیں لیکن شہر کے جنوبی حصہ میں توپوں
سے مسمار شدہ بالا حصار کی پشت پر حضرت جابر انصاری و تیم انصاری کے مزار
ہیں جن کے متعلق روایت ہے کہ یہ صحابائے رسول تھے قرن اول میں کابل کو
فتح کیا اور افغانستان میں اسلام کی تبلیغ کی.

۴ بجے عبدالحکیم خاں کے ساتھ ترکی سفیر کبیر یوسف حکمت سے ملنے گیا.

• بہت وسیع النظر اور خوش اخلاق آدمی ہیں۔ ہندوستان کا سفر کیا ہے۔ حیدرآباد بھی گئے تھے۔ سیاحت سے متعلق مختلف امور پر گفتگو رہی۔ آج ان کے یہاں برج کی پارٹی تھی۔ روس اور ایران کے سفیر کبیر اور اٹلی، جرمنی، فرانس و برطانیہ کے وزرائے مختار سب جمع ہوئے سب سے تعارف ہوا اور (۷) بجے تک پرلطف صحبت رہی رات کو وزیر صاحب نے اپنے ذاتی مشین پر سینما کا انتظام کیا تھا۔ آج وہ شکار پر گئے تھے۔ ان چھتیس لطوں کے منجملہ جو شکار ہوئیں پندرہ کا تحفہ ہمارے لیے آیا تھا آج مجھے خفیف سی حرارت معلوم ہوتی ہے۔

بم سازی

۱۱ رجادی الثانی ۱۳۵۰ھ م ۲۴ راکتوبر ۱۹۳۱ء یکشنبہ۔ کل سفارت ترکیہ میں مکتب امانی کے جرمن مدیر سے وعدہ کیا تھا کہ آج ان کے مدرسہ کا معائنہ کروں گا ۹ بجے جا کر معائنہ کیا۔ اس مکتب کی حالت کئی حیثیتوں سے مکتبۂ امانیہ سے اچھی ہے مدیر فارسی داں نہایت سنجیدہ اور فن تعلیم سے واقف جرمن ہے جو جانتا ہے کہ بچوں اور مدرسین کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہیئے۔ خصوصاً درجہ اول (صغیر) کی تعلیم میں بہت اہتمام ہے اس لیے طلباء جبراً نہیں بلکہ شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس مدرسہ کی فنی زبان المانی ہے۔

اس کے بعد مشین خانہ گیا۔ یہ گویا کابل کا دار الضرب ہے اور سب سے قدیم کارخانہ ہے جو امیر عبدالرحمٰن مرحوم نے قائم کیا تھا۔ سکے ڈھالنے کے علاوہ اس کا سب سے بڑا مقصد ہتیار سازی تھا۔ چنانچہ اس کارخانے بہت اچھی اور

کارآمد بندوقیں اور توپیں ڈھلتی ہیں۔ تفنگ سازی کا کام فی الحال بند ہے کیونکہ حکومت نے بیرونی بندوقوں کو خانہ ساز بندوقوں سے سستا اور اچھا پایا۔ سب سے زیادہ توجہ آج کل کارتوس کی طرف رہے، نہ صرف بھرے جاتے ہیں بلکہ ڈھالے جاتے ہیں۔ بم سازی کا بھی ایک شعبہ قائم ہے جس میں عمدہ قسم کے دستی اور ہوائی جہاز کے بم تیار کیے جاتے ہیں مشین گنیں اور ان کے کارتوس بھی بنتے ہیں

آج مشین خانہ کے معائنہ کے دوران میں مجھے جاڑا محسوس ہوا فوراً قیام گاہ واپس آیا لیکن لیٹنے کی بجائے بیٹھا اور ٹہلتا رہا کہ جی بہل جائے۔ آج یہاں بہت سرد ہوائیں چل رہی ہیں جن کو یہاں کی اصطلاح میں شمالی کہتے ہیں اور جو خود کابلیوں کے لیے بھی سرد اور مضر ہے۔ آج مصروفیت بھی زیادہ رہی رات ۱۲ بجے سویا۔ رات بھر خفیف سی حرارت رہی۔

گیارہ بجے یوسف حکمت سفیر ترکی ملاقات کے لیے آئے تھے تقریباً تین گھنٹے بیٹھے رہے اور کھانا بھی میرے ساتھ کھایا۔ گفتگو کا موضوع ترکوں کی موجودہ دینی حالت تھا۔ جوابات عموماً الزامی تھے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کی بجائے ہندوستانیوں مصریوں اور عربوں کو جنھوں نے ترکوں کے مقابلہ میں انگریزوں کی ترکوں سے بغاوت کی بھی کافر ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اپنے اسلام کا اقرار تھا لیکن اس اعتقاد کا اظہار کہ دین کا تعلق صرف قلب و روح سے ہے۔ عمل و معاشرت کو دنیا کی رفتار کے مطابق رہنا چاہیے۔

(۴) بجے اخبار اصلاح کے متین و سنجیدہ مدیر محمد امین خاں فوگھانی اور ۵ بجے اخبار انیس کے اپ ٹو ڈیٹ اور فیشن ایبل مدیر سرور جویا صاحب ملاقات کے

آئے۔ آج وزیر صاحب دربار نے میرے لیے ایک دعوت ترتیب دی تھی جس میں محمد ہاشم خاں صاحب صدرِ اعظم، شاہ محمود خاں صاحب وزیر حربیہ، فیض محمد خاں صاحب وزیر خارجہ۔ عبدالاحد خاں صاحب رئیس مجلس شوریٰ ملی۔ مرزا محمد خاں صاحب وزیر تجارت، علی محمد خاں صاحب وزیر معارف، محمد ایوب خاں صاحب وزیر مالیہ، علی شاہ خاں صاحب معین حربیہ (وزیر دربار کے بھتیجے) محمد نعیم خاں (برادرزادہ اعلیٰحضرت۔ فرزند محمد عزیز خاں سفیر ماسکو) سردار میر احمد خاں صاحب (کوئٹہ کے ایک رئیس اعلیٰحضرت کے عزیز) وغیرہ شریک دعوت تھے۔ خلیفہ قاسم جو قوالی نغمہ سرائی کر رہا تھا۔ ہندی لے میں فارسی شعر گاتا ہے۔ لیکن انداز افغانی ہے۔ دسترخوان انواع واقسام کے پلاؤوں سے معمور تھا۔ افغانستان میں پلاؤ کی بہت قسمیں ہیں۔ بولمہ پلاؤ، یخنی پلاؤ، سبزی پلاؤ، قبرغم پلاؤ، قورمہ پلاؤ، پولہ، قابلی پلاؤ زرشک پلاؤ، نارنج پلاؤ، آراستہ پلاؤ (یہ دو میٹھے ہوتے ہیں لیکن گوشت ڈالا جاتا ہے) شلغم بٹہ وغیرہ وغیرہ سالنوں اور کباب اور میوے کی بھی افراط تھی پرلطف صحبت رہی۔

(۱۲) بجے سب محبت وخلوص سے معانقہ کرکے رخصت ہوئے اور میں سوگیا۔ رات حرارت رہی۔

۱۲ر جمادی الثانی سنہ ۵۰ھ م ۲۵ر اکتوبر ۳۱ء۔ یکشنبہ۔ ابھی کچھ حرارت باقی ہے (۹) بجے وزیر صاحب دربار رخصتی ملاقات کے لیے آئے تھے اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت کی تصویر بھی لیتے آئے جو اعلیٰ حضرت نے اپنی قلمی دستخط سے مزین فرماکر میرے لیے روانہ فرمائی تھی۔

دورانِ سفر

(محترم مولانا سید یوسف صاحب تصور حضرت قائدِ ملتؒ کے قریبی رفقاء میں سے ایک ہیں "بلادِ اسلامیہ کے دورانِ سفر" یہ خطوط نواب صاحب نے مولانا تصور کو لکھے تھے جو ایک پمفلٹ کی صورت میں ۱۳۵۰ف میں شائع ہوئے۔ میں نے قائدِ ملت کے یہ خطوط مولانا تصور سے حاصل کیے اور شائع شدہ خطوط میں جو چیزیں چھوٹ گئی تھیں انھیں بھی شامل کر کے شائع کر رہا ہوں۔ اور ساتھ ہی ایک خط جو ۲۳ رجون ۱۹۳۱ء کا لکھا ہوا ہے اور جو اس پمفلٹ میں شائع نہ ہو سکا تھا وہ بھی شریک کتاب کیا جا رہا ہے۔ یہ خطوط خود اپنی جگہ ایک مختصر اور معلوماتی سفر نامے کی حیثیت کے حامل ہیں۔ مرتب)

بیت المقدس

۱۰ رجون ۱۹۳۱ء۔ پنجشنبہ

اسلام علیکم و رحمۃ اللہ

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ بواسیر نہیں ستا رہی ہے لیکن داد ابھی پریشان کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خون کچھ خراب ہو گیا ہے۔ بغل میں ایک دو چھوٹی پھنسیاں بھی ہو گئی ہیں۔ میرا پروگرام جو بلدے میں مرتب ہوا تھا وہ تو یہ تھا کہ حج و زیارت حرمین سے فارغ ہو کر مصر جاؤں گا اور وہاں سے بیت المقدس۔ یہی سید معا

راستہ بھی تھا لیکن کچھ تو مشیت کو منظور نہ تھا اور کچھ مصریوں کی عجیب وغریب حرکت تھی جس کا ذکر بعد واپسی تفصیل سے کروں گا اور لکھوں گا بھی۔ غرض مصری حکومت نے ایک قانون یہ بنا رکھا ہے کہ جو شخص حج کرے وہ حجاز سے براست مصر نہ آجائے اور نہ حدود مصر میں داخل ہو۔ مجبوراً بیروت کا ٹکٹ لینا پڑا۔ "جہاز بلاق" نے بھی بہت ستایا۔ جدہ پر ہم کو سوار کرنے کے بعد حاجیوں کے انتظار میں دو روز ٹھہرا رہا اور اس طرح ینبو پر مدینہ سے واپس ہونے والے شامی حاجیوں کا دو روز انتظار رہا۔ طور کے قرنطینہ میں ڈاکٹر صاحب نے دو روز روکا اور مرغیوں کی طرح ایک ڈربے میں بند رکھا۔ سویز اور پورٹ سعید پر جہاز ٹھہرا لیکن جن سے ادائی فریضہ حج کا قصور سرزد ہوا تھا۔ وہ اترنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے تھے۔ بحر متوسط میں تموج تھا جہاز رینگنے لگا اور جدے سے روانگی کے بارھویں روز بیروت پہنچے یہاں پر ہم کو نہلایا اور ہمارے سامان کو بھپارہ دیا گیا۔ ایک روز قرنطینہ میں بھی ٹھہرنا پڑا اور دوسرے روز آزادی نصیب ہوئی۔ بیروت میں داخل اور لوکندہ (ہوٹل) القصر الملکی میں مقیم ہوئے دو روز بیروت کی سیر کی جو شام کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ مغربی تمدن سے پوری بہرہ اندوز چوڑی اور کشادہ سمنٹ کی سڑکیں، اونچے اونچے مغربی وضع کے چار چار منزلہ مکان ہر قدم پر ہوٹل سجے ہوئے دکان اخبارات کی کثرت وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل بعد واپسی بیان ہوگی۔ قدرت نے بیروت بلکہ شام کو اپنی فیاضیوں سے مناظر و سبزی سے مالا مال کر دیا ہے۔ نہریں بہتی ہیں آبشار گرتے ہیں میوے اگتے ہیں اور صنوبر سے گھری ہوئی پہاڑیوں کو دیکھ کر جسم میں خون بڑھنے لگتا ہے۔ امریکن مشن کی عظیم الشان یونیورسٹی دیکھی جو ترقی کرنے والوں کا بہترین کارنامہ اور خواب غفلت کے متوالوں

کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ گزشتہ ہفتے کو موٹر پر بیروت سے بیت المقدس چلے صبح نکلے تھے شام کو پہنچ گئے۔ درمیانی فاصلہ ۲۵۰ میل سے زیادہ ہے۔ سیمنٹ کی پختہ سڑک کھیتوں کے درمیان باغات کے کنارے سمندر کے سواحل، چٹیل میدان پہاڑوں کی چوٹیوں، ڈھلانوں اور وادیوں اور یہود کی نو آبادیوں کے قریب سے گزری ہے۔ مناظر قابل دید اور ناممکن البیان ہیں۔ انبیا کی اس سرزمین پر پہنچے آج پانچواں دن ہے۔ بوڑھے ابراہیمؑ کے وعظ، داؤدؑ کے نغمے اور یعقوبؑ فرزند گم کردہ کی آہ وزاری کانوں میں گونجنے لگی ہے۔ اشوریوں کا ظلم، مصریوں کا قتل عام، رومیوں کا جلال وجبروت، مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک ہر قدم پر نظر آرہا ہے۔ سلیمان کی عظمت (CITY OF DAVID) داؤد کے شہر کے ہر پتھر سے ظاہر ہورہی ہے۔ غرض آنکھیں دیکھ رہی ہیں، کان سن رہے ہیں، قلب سوچ رہا ہے اور ہاتھ لکھ رہے ہیں۔ بعد واپسی انشاء اللہ یہ سب واقعات سناؤں گا اور اگر آپ کے دل میں درد ہے تو اپنے ساتھ آپ کو بھی رلاؤں گا۔ یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یہاں قدس میں بجائے گرمی کے ایسی سردی ہے جیسی ہمارے یہاں آذر و دے میں ہوتی ہے۔ میرے ساتھ گرم کپڑے نہیں تھے۔ خریدنے پڑے۔ دو تین دن یہاں اور رہوں اور بیت المقدس کی خاک چھان رہا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، داؤد، سلیمانؑ اور یوسفؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ آج حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیا کی بارگاہ پر حاضر ہوں گا اور اگر خدا نے چاہا تو دو تین روز بعد مصر کا قصد کروں گا ممکن ہے مولانا سید شہاب الدین صاحب اور حاجی محمد علی خاں صاحب وغیرہ کا ساتھ یہاں چھوٹ جائے اور وہ شام و عراق کا قصد کریں۔ وہ میرے ساتھ مصر اور

استنبول نہیں آنا چاہتے ہیں ۔ والسلام

دور از وطن

بہادر یار جنگ

نوٹ :۔ میرا یہ خط نواب فیاض الدین خاں صاحب شریک معتمد مجلس جاگیرداران کو دکھا کر درخواست کی جائے کہ تمام ارکان مجلس خصوصاً دوست محمد خاں صاحب وغیرہ کو میرا اسلام پہنچا دیں ۔ پھر یہی خط غلام محی الدین خاں صاحب تو بند خاں صاحب کرم علی خاں صاحب اور مولوی سعادت اللہ خاں صاحب کو دکھا کر درخواست کی جائے کہ سب کو الگ الگ خط لکھنے کی فرصت نہ رکھتا تھا اس لیے ایک ہی عریضہ گزرانا ہے ۔ معاف فرمائیں ۔ اگر احباب اس کا جواب عنایت فرمائیں تو میرا نوشت کا پتہ کافی ہے ۔ جو جو احباب اس خط کو ملاحظہ فرمائیں وہ میرے تمام عنایت فرماؤں اور احباب کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دیں ۔

میٹروپالیٹس ہوٹل

۲۳ رجون ۱۹۳۱ء شنبہ

عزیزان مکرم و برادران محترم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ ۔ بیت المقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر گزشتہ شنبہ کو مصر آیا اور اس وقت سے اب تک قاہرہ کے اس ہوٹل میں مقیم ہوں ۔ صحت کے متعلق یہ دعوے تو نہیں کر سکتا کہ پوری پوری اچھی رہی لیکن الحمد اللہ سیاحت و سیر میں حارج نہیں ہے ۔ تبخیر معدہ ، خرابی خون اور لو اسیر کبھی کبھی ستاتے ہیں ۔ مصر بڑی مملکت ہے اس کا رقبہ حیدرآباد کے ممالک محروسہ کے رقبہ سے چار گنا اور آمدنی

بھی تقریباً اتنی ہی ہے۔ قاہرہ اس کا دار السلطنت اور بہت بڑا شہر ہے۔ بمبئی کی طرح بڑی بڑی عمارتیں کشادہ سڑکیں وسیع باغات تفریح گاہیں اور وہ سب کچھ جو یورپ کی قربت سے ایک ملک حاصل کر سکتا ہے۔ یہاں کے امراء و علماء سے ملاقاتیں ہوئیں اسمٰعیل صدیقی پاشا وزیر اعظم، محمد علی پاشاہ انیس احرار دستوریین پاشا، شیخ الازہر شیخ مصطفیٰ المراغی، ڈاکٹر منصور فہمی اور ڈاکٹر محمد حسین ہیکل یہاں کے زعماء اور لیڈر ہیں ان سے اتحاد اور رابطہ اسلامی کے مسائل پر گفتگو ہوئی اور ہو رہی ہے۔ ان بزرگوں نے میری دعوتیں کی ہیں اور کل میری طرف سے ان سب کو ایک ٹی پارٹی دی جانے والی ہے۔ اخبارات کے نمائندے آرہے ہیں اور انٹرویو لیں گے۔ کل الاہرام کے نمائندے نے سوالات کیے تھے آج امریکہ کے اخبار ڈیلی ہیرالڈ کا نمائندہ آیا تھا۔ الضیاء و فدپارٹی کے سب سے بڑے اخبار نے تعریف آمیز مقالہ میری آمد پر لکھا ہے۔ علماء اتحاد دینی کے مسائل میں گفتگو کر رہے ہیں اور امراء اتحاد سیاسی و معاشرتی کے مسئلہ میں۔ سیر بھی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ مصر میں قابل دید چیز قدیم مصریوں کے آثار ہیں۔ اہرام مصری بظاہر پتھر کے ڈھیر لیکن غائر نظر سے دیکھو تو بیشک عجائبات عالم سے ہیں۔ مصری عجائب خانہ (اینٹک خانہ) جس میں توت عنخ امون ذخائر آثار جمع کیے گئے ہیں مصریوں کے پانچ ہزار سال قبل کے تمدن کی تصویر ہے۔ دار الآثار عربیہ اور پبلک لائبریری پبلک گارڈن اور حدیقۃ الحیوانات بھی دیکھنے کے قابل چیزیں ہیں۔ اتفاق سے آجکل یہاں مصری پارلیمنٹ کے اجلاس ہو رہے ہیں۔ کل وزیر اعظم نے بطور خاص معائنہ کا کارڈ بھیجا تھا۔ معتمد پارلیمنٹ نے استقبال کیا۔ مخصوص مہمانوں کے کمرہ میں بٹھایا گیا۔ (الحمد للہ) پرسوں قاہرہ سے اسکندریہ اور وہاں سے شام جاؤں گا۔ تن تنہا

نواب بہادر یار جنگ ۔ مصطفیٰ نحاس پاشاہ
وزیر اعظم مصر کے ساتھ

نواب بہادر یار جنگ

ہوں ساتھی غالباً اُس وقت عراق میں ہوں گے۔ جن جن حضرات کو یہ خط ملے خود بھی میرا اسلام قبول کریں اور میرے جس عنایت فرما سے ملاقات ہو اس کو بھی میرا اسلام پہنچادیں۔ والسّلام۔ دور افتادہ

بہادر یار جنگ

ہر ایک محب کو علیحٰدہ علیحٰدہ خط لکھنے کی فرصت نہیں ہے۔

نوٹ:۔ اس خط کا جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں تو حسب ذیل پتہ ہے بہادر یار جنگ بتوسط ہامس کوک اینڈ کمپنی قسطنطنیہ۔

قسطنطنیہ
۱۹ر جولائی ۱۹۳۱ء یکشنبہ

برادران عزیز و محبان مکرم!

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ غالباً مصر سے میں نے اپنا ایک عام خط لکھا تھا جس سے بھائیوں کو میرے سفر کی مختصر معلومات ہوتی رہیں مصر سے قدس واپس آیا دو روز رہ کر لبنان کی پہاڑیوں پر چڑھ گیا اور وہاں قدرت کی گل کاریوں کے نظارے دیکھے۔ پھر دمشق آیا۔ سلاطین بنی امیہ کا پایۂ تخت انبیاء علیہم السلام کا مسکن صحابۂ رسول کا میدان جنگ قتل حسین رض کے منصوبوں کا مرکز وہ جگہ جہاں پہنچ کر خلافت رسول سلطنت سے بدل گئی۔ حضرت بلال حبشی رض حضرت ابی ابن کعب رض حضرت زینب بنت فاطمہ رض حضرت امیر معاویہ رض حضرت عبیداللہ ابن الجراح، حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت ام سلمہ وام حبیبہ رض (ازدواج رسول ص) حضرت صہیب رومی رض، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح، حضرت محمد ابن حنیفہ رض وغیرہ وغیرہ کی

زیارت اور ہز ہائینس امیر سعید بن علی الجزائری، شیخ تاج الدین رئیس الوزراء
محمد علی بک ابن عابد پاشا، مولانا بدر الدین محدث دمشق، شیخ عبدالرحیم مشائخ
سلسلہ شاذلیہ وغیرہ وغیرہ اکابر و علماء کی ملاقات سے مستفید ہوا۔ دخوتیں کھائیں
دمشق کی نہروں کے کنارے شربت کے دور اڑائے حافظ کے کنار آب رکن باد اور
گلگشت مصلی کی ہنسی اڑائی مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ راجد صانی پر فرانسیسیوں کا
غلبہ دیکھ کر دوڑے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گئے اور رو رو کر
پوچھا کہ "کیا یہی زمین ہے جس کے لیے تم نے خون کی ندیاں بہائی تھیں؟ سارے
یورپ کے متفقہ سیلاب کا انگلستان، فرانس، جرمنی اور اٹلی کی متحدہ فوجوں کا تن تنہا مقابلہ
کیا تھا؟ کیا یہ اعتقاد غلط ہے کہ روحیں سنتی اور جانتی ہیں اگر سنتی اور جانتی ہیں تو کیا
بیت المقدس کو یہودیوں کا وطن اور شام کو فرانسیسیوں کی آماجگاہ دیکھ کر عرش
کے کنگورے نہیں ہلا سکتیں؟" کانوں نے کچھ سننا شروع کیا قلب نے کچھ محسوس کیا آواز شاید
یہی تھی کہ "بیوقوف ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسھم

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

بعلبک کے دو ہزار برس قبل والے رومی آثار دیکھے اور ان کھنڈروں میں کھڑے ہو کر
اقانظو واکیف کان عاقبت الذین من قبلھم کی تعمیل کا اعلان کر دیا لیکن
دل نے کہا حاصل کیا اور باہر آنے کے بعد کتنا باقی رہا اس کی کچھ نہ پوچھیے۔" حمص تہت
تہیم تھہر ہے اس کے مسلمانوں کی دین داری دیکھ کر دل سے دعا نکلی کہ خدا ان کی
چھاؤں ساری دنیا کے مسلمانوں پر ڈالے (دکھنی محاورہ استعمال کیا ہے) حماۃ کے

مسلمانوں نے دعوت بھی دی تھی لیکن ٹھہر نہ سکا۔ حلب جس کا نام ہندوستان اور خصوصاً حیدرآبادی مسلمان حلبی آئینہ (بہ تشدید باء) کی نسبت سے جانتے ہیں۔ عربی ممالک کے شمال میں مشرق و مغرب کا اتصالی مقام ہے۔ یہاں پہنچ کر ہندوستان کی گرمیوں کا لطف آنے لگا۔ تین دن ٹھہرا۔ امیر محجم (ایک زبردست شیخ قبائل عرب جو اپنے قبائل پر تیمور و چنگیز کے اختیارات آج بھی رکھتا ہے) ہمارے ہم متوسل تھے۔ نجی بیگ والیٔ حلب، عبدالجلیل الدار مدیر الاوقاف، دکتور عبدالرحمٰن الکیالی، عبدالقادر البیسی وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جب ١٥؍ جولائی کو حلب سے چلے ہیں تو ان سب نے اسٹیشن پر پہنچایا حلب سے قسطنطنیہ تک ہر دوسرے روز ریل چلتی ہے جو دو رات ایک دن مسلسل چل کر استنبول پہنچا دیتی ہے۔ ہم نے سکنڈ کلاس ریل کا اور فرسٹ کلاس سلیپنگ کار کا اور پھر پانچ وقت کے کھانے کا ٹکٹ یک دم تھامس کوک کے پاس سے تقریباً ایک سو کلدار میں خریدا اور دو رات سوتے اور ایک دن جاگتے۔ ایشیائے کوچک کے قدرتی مناظر کا لطف اٹھاتے پرانے ترکی میں نئی تہذیب کی بہاریں دیکھتے جمعہ کے دن ٹھیک اس وقت جب حیدرآباد میں پرانی حویلی کی توپ چلتی ہے قسطنطنیہ پہنچ گئے جس کے فتح کے لیے دس دفعہ عربوں نے اور سات دفعہ ترکوں نے حملے کیے جس کی دیواروں کے نیچے صحابیٔ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ کو دفن کر کے اپنے آئندہ قبضہ کرنے کا اعلان کر گئے تھے جس کو قسطنطین اعظم نے اٹلی والے روم کے مقابلے میں تعمیر کیا تھا اور جس کو محمد فاتح نے پندرھویں صدی عیسوی میں فتح کیا جس کے قصر ذولہ باغچہ میں بیٹھ کر عبدالحمید ثانی پان اسلامیزم کے منصوبے سوچا کرتا تھا اور جس کے قصر یلدز سے جمہوریۂ ترکیہ نے اعلان کیا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے اور جس کا تیسرا قصر سلاطین

آل عثمان کے آثار و جواہر کی نمائش گاہ بنا ہوا ہے جس کی مسجد آیا صوفیہ مسلمانوں کی عظمت کی گواہ اور اس کے مینارے ان کی رفعت شان کے شاہد ہیں (معاف کیجئے آپ کا بہت وقت لے لیا) غرض استنبول کے یورپ والے جانب پیرا کے ایک سب سے بڑے ہوٹل پیرا پلاس میں ہوں ماندورخاں کل شاید یہاں پہنچیں گے اور مجھ سے ملیں گے کچھ دن میرے ساتھ رہیں گے۔ انھوں نے مجھے بہت کچھ لکھا تھا کہ اس سفر میں یورپ بھی جاؤں لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ کل شام کو دریائے باسفورس اور سمندر مارمورا کے مغربی کنارے پر کھڑے ہوئے خیال آیا کہ کس کو مجال سخن ہے کہ یہ کہے کہ میں نے یورپ کا سفر نہیں کیا یا تو اسے قسطنطنیہ کو یورپ سے خارج کرنا پڑے گا یا ماننا پڑے گا کہ میں یورپ کا سیاح بھی ہوں اور سچ پوچھیے تو یورپ کے دوسرے شہروں سے قسطنطنیہ میں فرق بھی کیا ہے۔ اب تک میں نے سوائے مساجد کے بلند میناروں اور سلاطین آل عثمان کے کھنڈروں کے استنبول میں مشرقیت کی کوئی علامت نہیں پائی ہے۔ میری ترکی ٹوپی، ترکی کے دارالسلطنت میں ترکوں کی نگاہوں میں ایک تماشہ بنی ہوئی ہے۔ ہر راستہ چلنے والا اور چلنے والی (جن کے پہننے والوں کی بہ نسبت بازاروں میں کثرت ہے) حیرت کی نگاہوں سے دیکھتی یا دیکھتا ہے کہ یہ مجرم تعزیری استنبول کی گلیوں (توبہ) سڑکوں پر اس آزادی سے کیسے چلتا پھرتا ہے۔ (کیونکہ سلطنت ترکیہ جمہوریہ میں ترکی ٹوپی پہننا ۳ ماہ کی قید کو اپنے اوپر لازمی کر لینا ہے) ابھی استنبول میں دو دن رہنے ہیں کوشش کر رہا ہوں کہ ترکوں کے متعلق صحیح اور مفصل معلومات لے کر آؤں۔ انشاءاللہ مصطفیٰ کمال پاشا اور وزرائے سلطنت سے ملاقات کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔ نوٹ:- یہ پرچہ تمام احباب و پرسانِ حال کی خدمت میں

پہنچا دیا جائے اور ہر دیکھنے والا جب میرے کسی دوسرے کو عنایت فرما سے ملے تو میرا دلی سلام پہنچا دے۔ اگر ربیع الاول کی مجالس میلاد کسی وجہ سے خالی نظر آئیں تو اس کی صحت و عافیت واپسی کی دعا کر لیجیے۔ والسلام

بہادر یار جنگ

جن حضرات سے خط نہ پڑھا جائے وہ میرے خط کی درستی کی دعا کریں۔

استنبول

یکم ستمبر ۱۹۳۱ء۔ جمعہ

برادرانِ عزیز جہاں محترم دامت مجدکم و زادت سعودکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ۔ دو ہفتے سے خلفاء آل عثمان کے پایۂ تخت میں ہوں جو اب صرف استنبول ہے۔ مصر اور شام کی مختصر کیفیت لکھ دی تھی۔ ترکی کی مجمل حالت بھی سن لیجیے اور تفصیل کے لیے میری واپسی کا انتظار فرمائیے۔ وہ سلطنت جس کے حدود مشرق میں خلیج فارس اور دریائے ہند، شمال میں قفقاز و روس، جنوب میں بحر احمر و مصر اور شمال میں آسٹریا و فرانس ہوا کرتے تھے اب وہ دنیا کے نقشے پر صرف ایشیا کوچک پر ترکی جمہوریہ کے نام سے باقی ہے۔ بیسویں صدی کی ابتداء اور انیسویں صدی کے اواخر میں اس نے کچھ تو خود اپنے لیے اور کچھ صرف دوسروں کی محبت میں جو لڑائیاں لڑیں اس نے دست و پا شل کر دیے ہیں۔

اقتصادی، معاشی اور فوجی ہر حالت کمزور رہے لیکن طبیب اپنی کوشش میں مشغول ہیں، اور توقع ہے کہ تھوڑے دنوں میں روح سیاس کر کے جسم ترکی کو کچھ آراستہ کر دیں گے۔ آپ ترکی کے ذہنی انقلابات کے متعلق جو کچھ سنا کرتے

اس کا بڑا حصہ صحیح اور کچھ غلط ہے۔ موجودہ ترکی نسل کا بڑا حصہ مسلمان ہے لیکن آئندہ نسل کے اسلام کی کچھ زیادہ توقع نہیں کیوں کہ حکومت نے مدارس سے دینی تعلیم اٹھا دی اپنا قانون بدل دیا اور متروکہ وراثت کی تقسیم تک میں سوئٹزرلینڈ کے قانون کی اتباع شروع کر دی ہے۔ مذہبی کتب عربی فارسی رسم الخط میں ہیں اور نوجوان ترکی اپنی زبان لاطینی حروف میں لکھ رہا ہے اور کوئی انتظام نہیں ہے کہ مذہبی کتب کو لاطینی خط میں تبدیل کیا جائے۔ ترکی حکومت نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ابھی ترکی میں مذہب کو دوست رکھنے والوں کی کثرت ہے۔ میرے نوجوان گائیڈ عمادالدین نے کل بڑی مزے کی بات کہی کہ ترکی قوم انقلاب کے ایک طوفان میں بغیر سوچے سمجھے بہی چلی جا رہی ہے لیکن جب کبھی مخالف ہوا کا ایک جھونکا بھی چلے گا۔ اندیشہ ہے کہ ردعمل کہیں اس سے زیادہ خطرناک نہ ہو۔

قسطنطنیہ عجیب و غریب تاریخی مقام ہے۔ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بے نظیر، خوبصورت مناظر اور فرحت بخش سیرگاہیں اس کو قدرت نے عطا کی ہیں۔ میں نے اس کو مخاطب کر کے چند شعر کہے ہیں۔ ان میں سے تین چار نیچے لکھ دیتا ہوں ؎

میزبانی جس نے کی تھی سرورِ کونین کی
تیری دیواروں کے نیچے ہے وہ تیرا میہماں

اس شعر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی طرف اشارہ ہے جن کا مزار رومیوں کی قدیم دیوار کے قریب واقع ہے جو گولڈن ہارن سے بحر مارمورہ تک فصیل کے طور پر انھوں نے اٹھائی تھی۔

گود میں پل کر بڑھا تو شاہِ قسطنطین کے
تجھ میں پوشیدہ ہے بیزنطینوں کی داستان
تیری رفعت کا پتہ دیتے ہیں مینارے ترے
اور تیری مسجدیں ہیں تیری عظمت کا نشان
وہ جزیرے جن میں آدم آ کے جنت بھول جائیں
اور وہ چشمے جن پہ ہو تسنیم و کوثر کا گماں
ہاں نہ بھولیں گے نہ بھولیں گے نہ بھولیں گے کبھی
وہ جبالِ سبز پوش اور گُل بداماں وادیاں

موسم نہایت خوشگوار ہے۔ گرمی ہے لیکن صرف دوپہر میں۔ دن بہت بڑا ہے صبح ساڑھے چار بجے آفتاب نکلتا ہے، اور شام کو ساڑھے سات بجے غروب ہوتا ہے۔ اپنے لباس اور ٹوپی کی وجہ سے یورپ زدہ ترکیوں میں تماشہ بنا ہوا ہوں۔ آج انگورہ جا رہا ہوں۔ صرف دو روز وہاں رہ کر انشاء اللہ بغداد شریف جاؤں گا۔ تمام احباب کی خدمت میں آداب و تسلیمات اور استدعا کہ جب کسی عنایت فرما سے ملیں میرا اسلام پہنچا دیں۔ نواب فیاض الدین خاں صاحب سے درخواست ہے کہ مجلس کے ہر رکن کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر کی خدمتِ اقدس میں سلام نیاز پہنچا دیں اور اگر تکلیف نہ ہو تو طہران میں کونسل برطانیہ کے توسط سے مجلس کی موجودہ حالت اور کاروبار کی رفتار سے مطلع فرمائیں۔ آپ کا دور افتادہ بہادر یار جنگ

غلط اگر پڑھا نہ جائے تو معاف کیجئے، اور اس کی درستی کی دعا کیجئے۔

بغداد

۱۶ مہر ۱۳۴۰ف پنجشنبہ

برادران محترم و عزیزانِ مکرم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ استنبول سے جس دن آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا اسی روز شام کو وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے دن انگورا پہنچا۔ اناطولیہ کے تقریباً وسط میں حدودِ یورپ سے بہت دور ہٹا ہوا چٹیل اور غیر ذی ذرع میدان اور خشک پہاڑیوں سے گھرا ہوا اور دور تک جدید عمارتوں سے پھیلا ہوا جو شہر ملے وہ انقرہ (انگورا) ہے۔ قدیم شہر ایک پہاڑی پر یونانیوں کے زمانے قبل مسیح کی ایک فصیل میں گھرا ہوا۔ تنگ گلیوں، غلیظ بازاروں، پست مکانوں اور میلے کچیلے کپڑوں پر ہیاٹ لگائے ہوئے اناطولیوں کے ساتھ ملے گا اور اسی کے دامن میں دُور دُور تک جدید وسیع سڑکیں، سفراء و دول کی کوٹھیاں، وزارتوں کے محکمے، وزراء و امراء کے مکانات، ہوٹل، بنک، تھیٹر، پارلیمنٹ ہاوز اور مدارس جدید مغربی طرز کی عمارتیں نظر آئیں گی لیکن انگورا ابھی بن رہا ہے اور اس کو قسطنطنیہ بننے کے لیے کئی صدیاں اور ترکیہ جمہوریہ کے شایانِ شان دارالحکومت بننے کے لیے کئی برس درکار ہیں۔ صرف دو روز انقرہ پیلاس ہوٹل میں ٹھہرا۔ تقریباً پچاس ترکی لیرے یعنی تقریباً پون سو روپے کلدار صرف ہوئے (یہ اس لیے لکھا کہ انگورا کی مہنگائی سمجھ میں آجائے) دوشنبہ ۲۷ شہریور کو ۱۲ بجے ریل گاڑی سکی شہر لے چلی، وہاں سے استنبول سے حلب جانے والی گاڑی تبدیل کی چہارشنبہ کی صبح کو چھ بجے اٹھ کر سامان درست کیا اور خوش تھے کہ تقریباً بائیس (۲۲) روز بعد ترکیۂ جمہوریہ کا

سفر ختم کر کے حلب پہنچ جائیں گے لیکن قسمت ہنس رہی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ ہم نے آرام سے سفر بہت کیے ہیں ایک السفر کا لسقر بھی دیکھیں۔ حلب ایک اسٹیشن باقی تھا پاسپورٹ کی تنقیح ہوئی گو اس پر اس سے قبل دو دفعہ فرانس کونسل کے ویزے ہو چکے تھے لیکن یہ حدودِ شام میں ہمارا تیسرا داخلہ تھا جس کا ویزا لینا ہم انگورا میں بھول گئے تھے۔ حکم ملا کہ آپ حدودِ ترکیہ میں بیرنگ واپس جائیں یا اپنے اس دو رات دو دن کے ریل کے سفر کو ایک دن ایک رات اور بڑھا کر ناک کے راستے سیدھے بھاگیں اور بغیر کہیں دم لیے حدودِ عراق میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے بہت کچھ چیخا چلّایا (اور ہمارے چلّانے سے آپ واقف ہیں) اردو فارسی عربی اور انگریزی چاروں زبانوں کے جوہر دکھائے لیکن سب بے کار۔ آخر طے پایا کہ جتنی دیر گاڑی حلب کے اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے (تقریباً دو گھنٹہ) اس عرصہ میں ہم اپنا وہ بستر مقدس جو اس تمام سفر میں اور اب تک ہمارے لیے وبالِ جان اور الغرض بہ خواہ مخواہ مرا آدمی بنا ہوا ہے جس کو ہم مصر جاتے ہوئے قدس میں زاویہ ہندی میں رکھ چھوڑا تھا اور ترکی جاتے ہوئے حلب میں اپنے دوست حسینی بے ابراہیم پاشا کے یہاں رکھوا دیا تھا، حاصل کر لیں لیکن اس شرط سے کہ پاسپورٹ آفس کا ایک سپاہی اس تمام عرصے میں شیطان کی طرح ہماری گاڑی پر سوار رہے گا۔ تسلیم کیا۔ لیکن حسین بے کا پتہ بھول گئے تھے۔ دکتور عبد الرحمٰن الکیالی اسٹیشن پر مل گئے۔ ان سے پتہ معلوم کر کے گئے بستر لایا ایک ہوٹل میں دو دوست کے ساتھ ایک چائے کی پیالی پی اور ریل میں سوار ہو گئے خیال تھا کہ کھانے کا ڈبہ ساتھ ہوگا۔ ۱۲ بجیں گے تو جا کر مرغ و ماہی ہمیشہ کی طرح اڑائیں گے لیکن دو اسٹیشن جا کر جب ایک تین ہی مکانوں والے ایک ترکی اسٹیشن پر ہماری

گاڑی نے پورے ایک گھنٹہ کے لیے وقفہ (اے نو بہ مراقبہ) کیا تو معلوم ہوا کہ نہ آج
اس گاڑی میں سونے کے ٹکٹ ہیں نہ کھانے کے اور پھر یہ کہ "نصیبین" تک گاڑی
ایسے ہی عالیشان اسٹیشنوں سے ہو کر گزرے گی جس کے اطراف صرف دو تین جھونپڑیاں
ہوں گی اور تو کسی چیز کی وہاں کمی نہ رہے گی لیکن صرف کھانے کو کچھ نہ ملے گا۔ اب ہم
نے اپنے گزشتہ پانچ ماہی سفر میں پہلی دفعہ صبر و جمیل کہہ کر ایک بہت ہی لانبا ٹھنڈا
سانس لیا اور کمرہ ہوائی کو متزلزل کر دیا۔ اپنی سیٹ پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ہینڈ بیگ
سے ایک انگریزی ناول نکالا اور پورے حضوری قلب یکسوئی اور سکون خاطر
(اور ان تمام اصطلاحوں کے ساتھ جو حضرات کرام کے پاس مستعمل ہیں) مطالعے میں
مشغول ہو گئے۔ گویا آپ نے سمجھئے یک روزہ اور مکمل روزہ رہنے کی نیت کر لی ہے
لیکن جب کبھی کوئی اسٹیشن آجاتا نگاہیں چپ کر اس کا دورہ کر لیتیں کہ کچھ ہے بھی
دو بجے ایک تربوز ملا جو فوراً ہضم کر دیا لیکن خالی پیٹ میں اس کی ہلکی ہلکی مٹھاس
نے کچھ عجب قسم کی گڑبڑ مچا دی۔ لیجیے وہ ایک اسٹیشن آیا اور وہاں دو معلوم نہیں کتنے
دنوں کی روٹیاں مل گئیں جو ایک سیب کے ساتھ اس طرح چبا چبا کر کھائیں جیسے
ہم نے نواب دوست محمد خاں صاحب کے یہاں اپنی وداعی دعوت میں ماش کی دال سے چپاتی
کھائی تھی بس جناب اسی پر تمام دن گزر گیا (نہیں بھول گئے) مغرب کے وقت اُبلے ہوئے انڈے
بھی ملے تھے جن میں سے ایک گندہ تھا۔ دوسرے روز صبح چھ بجے نصیبین پہنچے موٹر پر قاملی گئے
یہاں ایک موٹر والے نے موصل لے جانے کا وعدہ کیا لیکن مسلسل تین گھنٹہ انتظار کروا کر دس
دس بجے جواب دے دیا۔ کھانے کی تلاش یہاں بھی کی لیکن ایک سوکھی روٹی اور چھاچ
کے سوا جس کو آنکھیں بند کر کے اتارا تھا کچھ نہ ملا۔ دس بجے قاملی سے چلے تھے رات

کو آٹھ بجے موصل پہنچے عراق کی گرمیاں گویا آفتاب سوا نیزے پر ہے۔ ایسے چٹیل رتیلے میدان جس میں نہ چار انگل بلند کھیتی نظر آئی نہ بالشت بھر اونچا کوئی درخت دکھائی دیا۔ لو کی وہ سختی کہ اللہ پناہ۔ مدینے کا سفر یاد آگیا لیکن مدینے کے راستے میں قلب کی جو کیفیت تھی وہ کہاں سے آتی!! وہاں تو یہ تھا کہ لو آتی تھی اور جب خیال آتا کہ در راہ مدینہ کی ہے تو معلوم ہوتا کہ برف پر سے ہو کر آئی ہے۔ قسم لے لیجے جو کبھی زبان سے اس راستے کی شکایت نکلی ہو دوسروں کو بے قرار دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ لیکن قائلی سے موصل پہنچنے تک مجھے تو اندیشہ تھا کہ حضرت الحاج نواب مولانا مولوی بہادر خاں صاحب قبلہ و کعبہ نگہ مسجد چار مینار کا کہیں وصال شریف نہ ہو جائے۔ غرض جناب موصل پہنچے فوراً بارون ہوٹل میں سرد پانی سے حمام کیا اور ٹھنڈی ہوا میں سو گئے۔ دو روز رہ کر نینوا کے کھنڈروں پر آنسو بہائے۔ حضرت جرجیس حضرت شیث، حضرت یونس، حضرت دانیال علیہم السلام کی بارگاہوں پر حاضری دی۔ حضرت اویس قرنی کا مکان دیکھا۔ ٹرول کے کنوؤں کی نسبت معلوم ہوا کہ یہاں نہیں کرکوک میں ہیں ورنہ ارادہ تھا کہ کم از کم اس کا نمنہ کو موصل کے ٹرول میں بھگو کر بھیج دیتا۔ آپ بھی اس کی بو سے مشرف ہو جاتے۔ موصل سے گزشتہ دوشنبہ کو بغداد پہنچا۔ حضرت غوث پاک قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ پر حاضری دی۔ حضرت جنید بغدادی، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت امام ابوحنیفہ، امام اعظم، حضرت معروف کرخی، حضرت عمر شہاب الدین سہروردی، حضرت بہلول دانا، حضرت امام موسیٰ کاظم حضرت سری سقطی، حضرت امام ابویوسف وغیرہ رحمہ اللہ اولیائے و ائمہ عظام کی بارگاہوں پر حاضر ہوا۔ اشوریوں بابلیوں، کلدانیوں کے کچھ آثار دیکھے۔ کل سامراہ گیا تھا۔ سلطان المعتصم باللہ کا ٹوٹا ہوا محل، مسجد جامعہ کا عجیب و غریب مینار دیکھا، اور حضرت

امام حسن عسکری و حضرت امام علی نقی علیہما السلام کی بارگاہ پر سلام کیا۔ وہ غار دیکھا جہاں امام محمد ابن حسن (جو باعتقاد و برادران اہلِ شیخ مہدی آخر الزماں تھے) غائب ہوئے۔ طاقِ کسریٰ کے پاس کھڑے ہو کر تھوڑی دیر مدائن کے کھنڈروں کی سیر کی۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ پر حاضر ہو کر آنکھیں بند کیں اور کسی کو ایران سے تلاش حق میں نکلتے اور مدینہ میں منزل مقصود پاتے دیکھا۔

غرض وہ سب کچھ دیکھا اور دیکھ رہا ہوں جس کو دیکھ کر ایک صاحب عقل سلیم اپنا قلب روشن کر سکتا ہے۔ لیکن آہ میں اور میرا قلب . . . . دعا کیجیے کہ روشن ہو جائے۔ والسلام۔

آج شام کو کربلا جا رہا ہوں وہاں سے ان شاء اللہ نجف اور بصرہ جاؤں گا۔ واپسی میں بابل اور نینوا کے کھنڈر دیکھوں گا اور تین چار روز میں بغداد واپس آ کر ان شاء اللہ ایران کا قصد کروں گا۔ اگر فرصت ہو تو برٹش قونصل متعینہ طہران کے ذریعہ ایک آدھ خط اپنی خیریت کا بھی لکھ دیجیے لیکن اگر کوئی عنایت فرما ل جائیں تو ان کو میرا سلام پہنچانا نہ بھولیے۔

خدا حافظ۔ بہادر یار جنگ

معلوم ہوتا ہے کہ میرا خط درست ہونے کے لیے آپ نے جو دعائیں کی تھیں وہ باب اثر تک نہیں پہنچی ہیں۔ پھر ایک دفعہ کوشش کیجیے۔

خیابان لالہ زار (طہران)

دار السلطنت ایران

۲۳ رمہر ۱۳۴۰ ف۔ یکشنبہ

برادران محترم و محبان مکرم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ مزاج شریف۔ اس پوری سیاحت میں اگر کہیں میرا نظام العمل تبدیل ہوا ہے تو وہ عراق سے چلنے کے بعد غالباً آپ کو عراق سے سہ شنبہ کے روز خط لکھا تھا۔ صبح اسی روز شام کو ۸ بجے کی گاڑی (ریل) خانقین روانہ ہوا۔ رات سکنڈ کلاس کے ڈبے میں آرام سے گزری صبح خانقین پہنچا۔ یہاں پٹرول کے کئی کارخانے ہیں۔ یہ مقام پہلے حدود ایران میں تھا لیکن حرب عظیم کے بعد سے انگریزی تدبیر نے لکڑی بھی نہ توڑی اور سانپ کو بھی مار دیا۔ اب خانقین کے سارے کارخانے ان ہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ اب سنیے یہاں سے ہندوستان کی سرحد زدواب چمن یا پشاور تک ایک سیاح کے لیے ریل گاڑی حدود ایران و افغانستان میں عنقا ہے۔ اب سے دس سال قبل یہاں اونٹوں گھوڑوں، گدھوں کے قافلے چلتے تھے۔ اور عراق و بغداد سے طہران تک راستہ تین ماہ میں طے ہوتا تھا۔ لیکن اب سڑکیں تعمیر ہو گئی ہیں اور موٹریں اطراف ایران میں چلتی ہیں جس سے یہی راستہ ایک سیاح تین دن میں طے کر سکتا ہے۔ دیو ہیکل لاریاں جن کا تصور آپ ہندوستان میں رہ کر نہیں کر سکتے۔ سامان تجارت بندرگاہوں اور روس و عراق کی سرحدوں سے ایران میں پہنچاتی ہیں۔ بس اور میکر ٹورنگ اور لیانڈ و موٹریں مسافروں کو لے جاتی ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان موٹروں کی سروس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ بعض شہروں میں صرف ایک گراج ہے جو من مانے کرایہ وصول کرتے ہیں، تو بعض چھوٹے چھوٹے مقامات پر دس دس بیس بیس گراج ہیں زیادہ گراج ہیں وہاں مسافر چوطرف بٹ جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لاری کے بیس؟ ٹورنگ کے پانچ و سات مسافروں کی تکمیل میں دقت ہوتی ہے اب یا تو پوری موٹر ہم اپنے لیے حاصل کریں یا جب تک اس موٹر کے مسافر پورے نہ ہوں انتظار کریں جہاز، شام

فلسطین تمام مقامات پر میری عادت رہی کہ میں نے کچھ زیادہ دے کر اچھی ٹورنگ گاڑی میں ڈرائیور کے بازو جگہ حاصل کی اور پیچھے چاہے وہ کسی کو بھی بٹھالیں مجھے کوئی مطلب نہ رہا لیکن یہاں ایک دقت یہ پیش آئی کہ عراق و ایران میں ڈرائیور کے بازو دو آدمی بٹھاتے ہیں اس لیے یہاں مجھے ہر جگہ کے لیے دوہرا کرایہ دینا پڑا۔ یہ تھی موٹر سروس کی مختصر و جامع کیفیت۔ اب آئیے سیاحت کے حالات سنیئے۔ خانقین میں اسی وجہ سے کہ میرے دوہرا کرایہ ادا کرنے کے باوجود ان کے یہاں مسافر نہ تھے مجھے ایک دن ضائع کرنا اور چہارشنبہ کو وہاں قیام کرنا پڑا۔ چھوٹا سا مقام و سخت گرمی بہت تکلیف ہوئی لیکن چھت پر رات آرام سے گزری۔ پنجشنبہ کو صبح ۹ بجے خانقین سے چلے۔ عراق اور ایران کے حدود پر پاسپورٹ کی تنقیح اور سامان کی دیکھ بھال اور چنگی کی مصیبتوں سے آزاد ہو کر ۱۲ بجے قصر شیریں پہنچے۔ یہاں ایک مصیبت یہ پیش آئی کہ بصرے میں ہیضہ شروع ہو جانے کی وجہ سے حکومت ایران نے قصر شیریں میں عراق سے آنے والے ہر مسافر کے لیے پانچ روز قرنطینہ کی شرط لگا دی ہے ہم بھی اس قید میں ڈالے گئے۔ قصر شیریں عراق سے بھی کچھ زیادہ گرم نکلا۔ اگر قرنطینہ سے متصل ایک نہر اور باغ نہ ہوتا تو پانچ دن گزارنا مشکل ہو جاتا۔ چھٹے دن وہاں سے چھوٹے اور کرمانشاہ پہنچے۔ طاق بستان میں قدیم ایرانی آثار اور رستم کے مجسمے کی سیر کی۔ آگے روانہ ہوئے کوہ بے ستون پر فرہاد کی نقوش کو دیکھا اور ہمدان پہنچے اسی مسافروں کے نہ ملنے کے جھگڑے میں ہمدان میں ایک دن ضائع کیا اور کل صبح ہمدان سے چل کر رات کو ۹ بجے طہران پایۂ تخت ایران پہنچا۔ اور گرانڈ ہوٹل میں مقیم ہوں۔ آج سے طہران کی سیر شروع ہوئی ہے آئندہ خط میں اس کی تفصیل ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے، ایران نے رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے بعد سے نیا جنم لیا ہے۔ روس و برطانیہ

کی رقابت نے اقتصادی حالت بہت ابتر کر رکھی ہے۔ لیکن تدریجی ترقیات برابر جاری ہیں۔ تعلیمی حالت نہایت ناقص ہے۔ اب تک بھی ایران نہ کوئی اپنی یونیورسٹی قائم کر سکا ہے نہ ساری مملکت میں کوئی کالج ہے۔ اعلیٰ تعلیم میٹرک تک ہے۔ امریکن مشنیریز نے جنوب میں چند مدارس قائم کر رکھے ہیں۔ فوجی حالت درست کی جا رہی ہے۔ ایران گو ایک طویل پہاڑی سلسلہ میں گھرا ہوا ہے لیکن ان ہی پہاڑوں سے بہنے والی نہروں نے اس کو سرسبزی عطا کر رکھی ہے۔ یہ موسم پھول کا نہیں بلکہ پھل کا ہے۔ میوے کی ارزانی ہے۔ ایک آنہ کلدار (نیم قرون) خرچ کر کے آپ انگور، انار، سیب، خربوزہ، تربوز ناشپاتی، زرد آلو اور جس میوے سے چاہیں اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں۔

الحمدللہ بخیریت ہوں اور آپ کی خیریت کا امیدوار۔ فقط

بہادر یار جنگ

مشہد مقدس

۱۵ آبان ۱۳۱۰ف ۔ دوشنبہ

برادرانِ عزیز و محبانِ محترم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ غالباً میں طہران پہنچ کر اپنا آخری عام خط لکھا تھا۔ طہران ایران کا دار السلطنت اور خوش منظر مقام ہے۔ چونکہ سلاطین قاچار کا بسایا ہوا ہے۔ اس لیے کوئی قدیم آثار یہاں نہیں ہیں۔ البتہ اس کے جنوب میں خرابات رے کے قریب طغرل کا بنایا ہوا ایک برج قابلِ دید چیز ہے۔ مسجد سپہ سالار بھی اچھی عمارت ہے اور اس کے مدرسہ کا کتب خانہ بعض نوادرات رکھتا ہے۔ حسنِ اتفاق سے میں طہران آیا اور حضرت بادشاہ سلامت رضا شاہ پہلوی اپنے ولی عہد کو یورپ روانہ

کرنے کے لیے آذربائجان کی طرف روانہ ہوے، اور ان کے ساتھ وزراء و امراء دولت کی ایک بڑی جماعت بھی روانہ ہو گئی۔ اس لیے حکومتِ ایران خصوصاً دارالسلطنت کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں دقّت ہوئی۔ محلاتِ شاہی اور تختِ طاؤس کی دید سے محرومی کا رنج ہے۔ پھر بھی آقاے فروغی وزیر خارجہ، آقاے تقی زادہ وزیر مالیات اور آقاے مرزا قاسم خاں وزیر پوسٹ و ٹیلیگراف نے بہت آؤ بھگت کی۔ طہران سے دو روز کے لیے اصفہان گیا تھا۔ خاندانِ قاچار سے قبل شاہانِ صوفیہ کے زمانے میں ایران کا دارالسلطنت تھا۔ سلاجقہ اور صوفیہ کے زمانے کے بہترین آثار یہاں دیکھنے میں آئے۔ عالیشان مساجد پُرعظمت محلات اور ایرانی مصوّری کے بہترین نمونے دیکھے۔ شیراز میرے پروگرام میں تھا لیکن میرے راستے سے اتنی دور کہ ہمت نہ ہوئی اور "کنارِ آب رکن آباد" اور "گلگشت مصلیٰ" کی دید سے محروم رہا۔ ایرانی عموماً چھوٹے بدعہد اور ناقدر شناسِ وقت ہیں۔ خود آج کے کام کو کل پر بلکہ ایک مہینہ ادھر ڈالنے کے عادی ہیں اور دوسرے کے وقت کی بھی ان کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے میں نے ایران کے سفر کے لیے جتنے دنوں کا اندازہ کیا تھا اس سے دگنی مدت اب تک صرف ہو چکی ہے۔ کامل ایک ماہ چار روز مجھے حدودِ ایران میں آئے ہو چکے ہیں۔

ادباء علما اور شعراے ایران نے بہت آؤ بھگت کی۔ علمی و ادبی مجلسوں میں شریک ہوا۔ ان کا کلام سنا اور ہندوستانی فارسی گو شعراء کا کلام سنایا ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں ایران و ہندوستان کے درمیان ایک رابطہ ادبی قائم کر سکوں۔ ایران اپنی قریب الموت نیند سے چونکا ہے اور آہستہ آہستہ لیکن مستقل رفتار سے منزلِ ترقی کی طرف چل رہا ہے۔ موجودہ حالت گو مایوس کن ہے لیکن میں اس کے مستقبل کو سیاسی و اقتصادی حیثیت سے تاریک

نہیں پاتا۔

طہران سے گزشتہ پنجشنبہ کو بوقت دو ساعت ظہر چلا تھا۔ دو راتیں راستے میں بسر کرکے پرسوں بروز شنبہ تقریباً اسی وقت مشہد مقدس پہنچا جس کا فاصلہ طہران سے نو سو کیلومیٹر یعنی تقریباً سات سو میل راستہ قدرے خراب تھا موٹر میں بہت تکان ہوئی لیکن الحمد للہ اچھا ہوں اور گزشتہ چھ ماہ کی سیاحت برداشت مصائب کی ایک قوت پیدا کردی ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو میں اپنے سفر کو ناکام سمجھتا۔ راستے میں بسطام میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے لیے فاتحہ پڑھی اور نیشاپور میں عمر خیام کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کی ایک دو رباعیاں پڑھیں اور لطف اٹھایا۔

مشہد خراسان کا دارالسلطنت ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا روضہ اقدس ایران و خراسان کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ شان و شوکت کے لحاظ سے میرے دیکھے ہوئے تمام روضوں اور درگاہوں سے بڑھ کر تقریباً ایک کروڑ تومان سالانہ (ڈیڑھ کروڑ سکہ عثمانیہ) کی معاش درگاہ کے لیے وقف ہے۔ یہیں نادر شاہ کی قبر بھی ہے اور اس خط کو ختم کر کے طوس کے کھنڈروں کو جا رہا ہوں کہ فردوسی کی قبر دیکھوں اور فاتحہ پڑھوں۔ سردی یہاں طہران کی بہ نسبت زیادہ اور ہمارے یہاں کے گلابی جاڑوں کے مساوی ہے حالانکہ یہ ان کے نزدیک موسم گرما ہے موسم سرما یہاں کا بہت سخت ہوتا ہے۔ برف باری کی وجہ سے کوئی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔

کل قصد ہے کہ انشاء اللہ یہاں سے ہرات روانہ ہو جاؤں۔ موٹر پر دو روز کا راستہ ہے۔ ہرات سے انشاء اللہ خرقہ مبارک جاؤں گا اور حضرت خاتم ولایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس پر جبہ سائی کا شرف حاصل کروں گا۔ ایران کا سفر

دوسرے مقامات کی بہ نسبت کٹھن تھا اور اب افغانستان اس سے زیادہ سخت معلوم ہوتا ہے لیکن جس خدا نے یہ سفر صحت و عافیت سے پورے کروائے اسی کا بھروسہ ہے۔

تمام احباب کی خدمت میں حسب مراتب آداب و تسلیمات اور دعائے صحت و عافیت کا امیدوار ہوں۔ آئندہ خطوط سفیر برطانیہ متعین کابل کے توسط سے لکھے جائیں فقط

دور افتادہ

بہادر یار جنگ

میری خاطر سے میرے خط کی برائی کو نظر انداز فرمائیے۔ بہادر

سبزہ وار (افغانستان کا ایک چھوٹا سا تعلقہ)

۲۹ر آبان سنہ ۱۳۴۰ف سہ شنبہ

برادرانِ عزیز و احباب محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ شاید مشہد سے میں نے اپنا تفصیلی خط لکھا تھا۔ یوں تو ایران کے ہر حصے میں بر وقت موٹر کا مہیا ہو جانا دشوار ہے لیکن افغانستان کے لیے خصوصاً زیادہ مشکل تھا۔ مشہد میں افغانستان کی جانب نقل و حرکت کرنے والے صرف دو گاراج ہیں تین روز کی مسلسل تلاش کے بعد ایک موٹر مل گئی اور پیوستہ جمعہ کو بعد ظہر ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے یہ موٹر بھی کئی نقائص سے معمور تھی۔ نہ اس میں روشنی تھی نہ بریک درست تھے نہ کاربوریٹر نہ پٹرول برابر کھینچتا تھا۔ مشہد اور ہرات کا درمیانی راستہ جو تقریباً ۶ سو میل ہے اور عموماً اچھی موٹر ہو تو دو دن میں طے ہو سکتا ہے تین رات اور چار دنوں میں طے ہوا۔ راستے میں حدودِ ایران پر "کاریز" کے چنگی کے محکمہ نے ہمارے ساتھ جتنی گٹھڑیاں تھیں سب

ضبط کرلیں. ایران میں ایک انوکھا قانون یہ ہے کہ اپنے حدود سے باہر سونے کا
سکہ نہیں لے جانے دیتے اور اس کو ضبط کر کے اس کی قیمت کے مطابق جرمانہ بھی
مسافر سے وصول کرتے ہیں گنیاں انھوں نے لے لی ہیں جرمانے کا مطالبہ ہے میں نے
ایران کے وزراء کو اس رقم کے استرداد کے لیے تار دیا ہے ابھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا
گویا السفر کالسقر کی ابتداء ہوئی ہے خدا اس کو وسیلۂ ظفر بھی ثابت کرے. افغانستان
کا سفر دس سال یا پانچ سال قبل کے سفر کی بہ نسبت بہت سہل اور آسان ہو گیا
ہے لیکن اب بھی ایک یکہ و تنہا مسافر کے لیے جو دشواریاں ہیں ان کا تصور بھی...
سبک ساران ساحل نہیں کر سکتے. مجھے آقائے شیر احمد خاں سفیر کبیر افغانستان نے
ہرات، فراہ اور قندھار کے حکام اعلیٰ کے نام خطوط تعارف دے رکھے ہیں، اور یہاں سفارت
اخلاق سے پیش بھی آرہے ہیں اور دوسرے خود افغان افغانی مسافروں کی بہ نسبت
میرے لیے بہت سی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں لیکن پھر بھی میں دعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے
کوئی اگر سفر کرے تو خدا اس کو ان مشکلات سے دوچار نہ کرے میرا قصد ہرات میں صرف
دو روز ٹھہرنے کا تھا. لیکن موٹر کے انتظام کے لیے ایک ہفتہ ٹھہرنا پڑا اور الحمدللہ
ایک موٹر میں ڈرائیور کے بازو کی سیٹ حاصل کر لی. اس ملک میں تنہا یا دو چار مسافروں
کے ساتھ دشت و صحراء کا سفر خطرناک ہے اس لیے لاری میں جگہ حاصل کی جس میں
تقریباً بیس مسافر ساتھ ہیں. یہ انتظام ہفتہ کے روز مکمل ہو گیا تھا لیکن ہفتہ اور اتوار
دو روز بیس بائیس مسافروں نے صرف اس لیے زحمت انتظار برداشت کی اور
اپنے بندھے ہوئے سامان کے ساتھ گارج میں پڑے رہے کہ جناب مستوفی صاحب
(تعلقدار ضلع) کو چند خط کابل روانہ کرنے تھے اور وہ تیار نہ ہوئے تھے. نہ صرف یہ بلکہ

جب ہم سبزہ وار (وہ مقام جہاں سے میں خط لکھ رہا ہوں) پہنچے تو معلوم ہوا ان ہی حضرت مستوفی صاحب نے ٹیلیفون کیا ہے کہ موٹر سے بعض اور خطوط روانہ کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ چھ بجے سے موٹر دھوپ میں کھڑی ہے اور میں اسی میں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ ایران کے راستوں ہر منزل پر قہوہ خانے تھے جن میں روٹی (خواہ وہ کیسی ہی سخت جلی ہوئی سوکھی اور بدمزہ کیوں نہ ہو) اور انڈے وغیرہ مل جاتے تھے لیکن افغانستان کے راستوں میں سوا نہروں کے جو پروردگار عالم نے چند قدم پر جاری کر رکھی ہیں۔ کوئی چیز نہیں ملتی۔ کل صبح ہرات میں ناشتہ کیا تھا۔ باقی دونوں وقت صرف وہ بسکٹ چبائے جو ساتھ رکھ لیے ہیں۔ اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا رات سبزہ وار پہنچے تو معلوم ہوا کوئی مسافر خانہ گارج یا مسجد نہیں ہے۔ ایک قبرستان کے صحن میں بستر بچھائے سو رہے۔ سردی اس شدت کی تھی کہ میں حیران ہوں کہ کیوں اکڑ نہ گیا۔ اب بازار کو آدمی بھیجا ہے کہ ایک آدھ مرغ ملے تو لے آئے اور پکائے۔ ملازم کی ضرورت صرف افغانستان میں محسوس ہو رہی ہے۔

ہرات نہایت قدیم اور تاریخی مقام ہے۔ سکندر اعظم اسی راستے سے ہندوستان آیا تھا۔ چنگیز نے اس کو فتح کیا۔ تیمور کے بعد اس کے خاندان نے برسوں اس پر حکومت کی اولیاء اللہ کے مزارات یہاں ان گنت و لاتعداد ہیں۔ حضرت امام فخر الدین راضی، حضرت قاسم فرزند امام جعفر صادق، حضرت ابن معاویہ عبداللہ بن جعفر طیار، حضرت امام عبداللہ الواحد ابن مسلم ابن عقیل، حضرت خواجہ عبداللہ انصاری، حضرت سعید الدین کاشغری، حضرت عبدالرحمن جامی وغیرہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ میرا منزل مقصود فراہ مبارک، ہرات و قندھار کے درمیان واقع ہے اور ہرات سے تقریباً ۲ سو میل کے فاصلے پر اور اب بوقت تحریر خط

مجھ سے صرف تقریباً ایک سو میل اگر ہم اب روانہ ہو جاتے تو شام تک پہنچ جاتے۔ اور انشاءاللہ کل پہنچ جائیں گے اور ڈرائیور میرا یہ خط قندھار لے جائے گا اور وہاں سے ڈاک کے حوالے کرے گا، اور جس وقت یہ خط آپ کو ملے گا ایک گنہگار غلام نے عالی قدر آقا حضرت خاتم ولایت محمدی خلیفۃ الرحمٰن مہدی موعود آخرالزماں علیہ صلوٰۃ والسلام کبیرا کبیرا کی بارگاہ اقدس پر جبہ سائی کی عزت حاصل کر چکا ہوگا۔ دعا کیجیے کہ خدا اس حاضری کو شرف قبول بخشے۔ سفر سے دل بیزار ہو گیا ہے۔ اور اب ایک ایک منٹ ایک سال کے برابر ہے۔ لیکن اس زحمت کے بعد یہاں تک پہنچ کر افغانستان کے دوسرے شہروں کی سیاحت سے جہاں غالباً ہر وقت آنا نہ ہو سکے محروم رہنے کو دل نہیں چاہتا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ قندھار کے راستے کابل جا کر وہاں سے راست گھر آؤں۔ سب پرسانِ حال چھوٹے بڑوں کو سلام محبت۔ والسلام۔

بہادر

یہ خط جن کے مطالعے کا شرف حاصل کرے ان سے امیدوار ہوں کہ اس دور افتادہ کے ہر پرسانِ حال کو سلام پہنچا دیں۔

بہادر

نواب فیاض علی خاں کی کوٹھی میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ نے مسلسل چار تقریریں اپنے تاثرات سفر بلاد اسلامیہ سے متعلق فرمائیں جو اس دور کے موقر اخبار "رہبر دکن" میں شائع ہوئیں۔ بد قسمتی سے اس روزنامہ کا مکمل فائیل کسی کتب خانہ میں محفوظ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرما حضرت قائد ملت کے شیدائی مولوی حبیب حسن صاحب بالفقیہ سے، جناب سعیدہ بالفقیہ صاحبہ کی تلاش و جستجو کے باعث قائد ملت کا پریس فائیل (جس میں تاثرات سفر سے متعلق تین تقاریر کے تراشے اور تین نایاب تصاویر جو سفر بلاد اسلامیہ کے دوران اسلامی بلاک کے اخبارات نے شائع کیے تھے) دستیاب ہوئے جن تقاریر اور تصاویر کو ہم بے حد شکریے اور مسرت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں

(مرتب)

ایران

(پہلی تقریر)

کل نواب فیاض علی خاں صاحب کی کوٹھی میں مغرب کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بلگرامی سابق صدر محاسب سرکار عالی کی صدارت میں نواب بہادر یار جنگ کی سیاحتی چار تقریروں میں سے پہلی تقریر "ایران" پر ہوئی۔ حاضرین کی تعداد بہت خاصی تھی۔ نواب صاحب موصوف نے ایران کی تعلیمی اقتصادی، اخلاقی اور سیاسی حالت اور وہاں کے آثار پر نہایت خوبی سے ایسی روشنی ڈالی کہ صدر نشین کے الفاظ میں ایران کی ایک مجموعی تصویر کھنچ گئی۔ آپ نے کوئی ڈیڑھ مہینہ سلطنت میں گزارا جس کی شان و

شوکت کا پتہ تین ہزار سال ... سے بھی ملتا ہے اور جس نے موجودہ پہلوی آئینہ دور کے عروج و زوال کے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں۔

صاحب موصوف کے تجربے میں وہاں کی تعلیمی حالت سر دست خراب ہے اس کا مستقبل شاندار ہے وہاں اس وقت تک بھی کوئی سرکاری جامعہ نہیں ہے اور انگریزی مشنوں نے اپنے اپنے "کالج طہران و اصفہان" میں قائم کر رکھے ہیں اور یہ خوب ترقی کر رہے ہیں۔ حکومت ملک کی تعلیمی ترقی کی جانب سے غافل نہیں ہے کہ وہ ہر سال دو سو طالب علم یورپ بھیجتی ہے۔ اس وقت وہاں آٹھ سو ایرانی طلبا ہیں۔ وہاں معاشی حالت بہت خراب ہے اور اس کے اسباب آپ کے خیال میں یہ تھے کہ نہ تو وہاں زراعت کی حالت اچھی ہے اور نہ صنعت و حرفت کی ایک کروڑ سے کچھ کم آبادی ہے صرف ایک چوتھائی حصہ کاشت کرتی ہے۔ یہاں کی حرفتیں دو تھیں مگر اب صرف ایک رہ گئی "کاشی" یا "ٹائلز" کا کام پہلے وہاں بہت اچھا ہوتا تھا وہاں کی ساری عمارتوں کی زینت بھی یہی ہے مگر اب یہ حرفت بہت کم باقی رہ گئی ہے۔ البتہ قالینیں اب بھی بڑی تعداد میں برآمد ہوتی ہیں۔

اس حرفت و زراعت کی پستی نے وہاں کے عام اقتصادی حالت اس قدر ناگفتہ بہ کر دی ہے کہ اہل وطن ترک وطن پر آمادہ رہتے ہیں۔ اس میلان نے حکومت کو ایک ایسا قانون نافذ کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے تین اسلاف ایران کے باہر پیدا ہوئے ہوں۔ ایران میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا اور جو لوگ وہاں سے سیاحت پر یا کسی اور ضرورت سے باہر جاتے ہیں تو انہیں اول تو واپسی کے اخراجات کی رقم حکومت کے پاس جمع کروانی پڑتی

اور اس پر بھی اگر وہ وطن واپس نہ لوٹیں تو معاہدات کی مدد سے جو ایرانی حکومت نے دوسری حکومتوں سے کر رکھے ہیں جبراً واپس بلوا لیتی ہے۔ نواب آغا یار جنگ بہادر نے سفر ایران اسی لیے ملتوی کر دیا کہ آپ تیسری نسل کے بعد کے ایرانی ہیں اگر وہاں جائیں گے تو جبراً رکھ لیے جائیں گے اور وہاں کے ترک وطن کے میلان کی شدت آپ نے اس واقعہ سے دکھائی کہ وہاں کے دارالعوام کے ایک بڑے معلم نے آپ سے یہ درخواست کی کہ اگر یہاں کی جامعہ عثمانیہ میں ان کے لیے کوئی جگہ نکال کر انھیں بلوا لیا جائے تو وہ بہت متشکر ہوں گے۔ اس واقعہ کی روایت میں آپ کا یہ جملہ حاضرین کو بڑا مزہ دے گیا کہ ہمارے جامعہ عثمانیہ کے "خوان یغما" کی شہرت نہ صرف ہمارے گردوپیش ہے بلکہ ایران تک کی اس پر رال ٹپکتی ہے۔ آپ یہ بھی کہتے تھے کہ اس کی وجہ سے ایرانی سکہ گر گیا ہے پہلے ایک انگریزی پونڈ میں چار پانچ تومان آیا کرتے تھے اب آٹھ دس آیا کرتے ہیں اس اقتصادی پستی کی ایک وجہ حکومت کا یہ فعل بھی ہے کہ اس نے ملکی اقتصادی حالت کی اصلاح کے خیال سے بیرونی اشیا پر صد فیصد محصول درآمد بڑھا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے تجارتی بازار ماند پڑے ہوئے ہیں۔

وہاں کی اخلاقی حالت اہل ایران کی مذہب سے دوری کا نتیجہ ہے۔ ایک شہر نو میں جو طہران سے باہر آباد ہوا ہے دو ہزار عصمت فروش عورتیں رہا کرتی ہیں۔ آپ نے یہاں کی اخلاقی ابتری کی شدت کو مختصراً مگر نہایت بلاغت کے ساتھ یوں بیان کر دیا کہ قدیم فارسی شاعری سے جو تصورات ذہن میں پیدا ہو سکتے تھے۔ وہاں عوام و خواص دونوں میں ایفائے وعدہ اور دیانت بالکل ناپید ہیں۔

سیاسی حالت اچھی ہے۔ روس اور انگریزوں کا وہاں کوئی اثر نہیں ہے

اگرچہ اب بھی یہ دونوں شمال اور جنوب سے اس پر اپنا اثر جانے کی برابر کوشش کرتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ سیاسی اقتدار پیدا کرنا اور ایران کو دو حصوں میں باٹ دینا چاہتے تھے اور اب اس گروہ اپنے اقتصادی دباؤ میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایران کی عسکری قوت اچھی ہے۔ وہاں توپ و تفنگ کا کارخانہ بھی ہے اور حربی مدارس کی حالت اچھی ہے۔

آپ نے وہاں کے آثار کا حال بھی نہایت دلچسپ اور خطیبانہ انداز میں بیان کیا اور آخر میں ایران کی نسبت سوائے اس کے اخلاق کے آپ نے فرمایا کہ وہ تدریجی مگر یقینی ترقی کرے گا۔ اس کے پاس معدن کے بہت ذخیرے ہیں جن کا وہ استعمال نہیں جانتا۔ مگر جب مختلف علوم و فنون حاصل کر کے اس کے فرزند واپس ہو جائیں گے اور حمل و نقل کے انتظامات بڑھ جائیں گے تو یقیناً اس کی تعلیمی اور معاشی حالت بہتر ہو جائے گی۔

رہبر دکن۔ جلد (۱۲) نمبر ۷۷
مورخہ ۲ ر اسفندار ۱م ۱۳ اف

نوٹ: حضرت قائد ملت کی بیاض میں جو سفر کے تاثرات کے نوٹ پر مشتمل ہے۔ ایران کے بارے میں بعض ایسی باتیں درج ہیں جن کو نواب صاحب نے اپنی کسی تحریر میں ظاہر نہیں فرمایا۔ لیکن اپنی تقریر کے دوران ایک جگہ نواب صاحب نے بڑے لطیف انداز میں ایران کے اس دور کی اخلاقی پستی کا ذکر فرمایا ہے جس پر آقا محمد علی صاحب نے ایک مضمون لکھا جس کے جواب میں نواب صاحب کا یہ مختصر بیان اخبار "رہبر دکن" میں شائع ہوا اور ذیل کا مختصر نوٹ نواب صاحب کے

پرلیس فائیل میں نواب صاحب کے قلم سے لکھا ہوا ہے جو تاثرات سفر کے ایک مکمل پس منظر کو پیش کرنے کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے۔

(مرتب)

اخبار "رہبر دکن" جلد (۱۲) نمبر ۹۲ مورخہ ۳۰ر اسفندار ۱۳۴۱ف ـــ
آقا محمد علی داعی الاسلام پروفیسر نظام کالج نے میری ایران والی سیا کی تقریر پر ایک بہت طویل تنقیدی مضمون شائع کیا تھا (جو تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہوا ورنہ یہاں اس پر چسپاں کر دیا جاتا۔ جس میں مجھ پر بعض ذاتی حملے بھی کیے تھے یہ پورا مضمون وطن پرستانہ تعصب پر مبنی تھا۔ میں اس کا کوئی جواب نہ دینا چاہتا تھا۔ احباب کے مجبور کرنے پر حیدرآباد نیوز سرویس کے نمائندہ کو حسب ذیل بیان دیا گیا۔ بہادر

(قلمی)

نواب بہادر یار جنگ بہادر کا جواب۔ حیدرآباد۔ ۲۲ر جنوری نمائندہ خصوصی حیدرآباد نیوز سرویس نے نواب بہادر یار جنگ بہادر سے بدوران ملاقات آقا سید محمد علی پروفیسر نظام کالج داعی الاسلام نے نواب صاحب ممدوح کی سیاحت ایران والی تقریر پر جو اعتراضات کیے تھے ان پر آپ کی رائے طلب کی۔ فرمایا کہ میں دو تین وجوہ سے آقا صاحب کے اس خط کا کوئی جواب نہیں دینا چاہتا۔ میں ان کے جذبات وطن پرستی کی قدر کرتا ہوں اور ان کا ممنون ہوں کہ ان کے تعارفی خطوط نے ایران کے دیکھنے اور سمجھنے میں میری بہت مدد کی۔ جن حضرات نے میری تقریریں سنیں یا رہبر دکن میں ان کے خلاصے دیکھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آقا صاحب کے اعتراض یا تو ان کی غلط فہمی یا جذبہ وطن پرستی کے

استعمال بیجا پر مبنی ہیں۔ مجھے اپنے دوسرے زیادہ اہم قومی کاموں سے اتنی فرصت نہیں ہے کہ آقا صاحب کے ذاتی حملوں کا اثر لے کر اخبارات کے صفحات پر ان سے دست و گریبان ہو جاؤں جس کا ایک نتیجہ نقصان وقت و شماتت ہمسایہ کے علاوہ مملکت اسلامیہ ایران کی بدنامی بھی ہوگا۔ ایران کا تمدن اسکی تاریخ علمی علما کی اسلامی خدمات اور ہندوستان پر ایران کے اثرات ہماری زبان سے ایران کی نسبت اور ایسے ہی بہت سے اسباب ہیں جنکی بنا پر ایران کو دوست رکھتا ہوں۔ اس کے آزاد ملک اور آزاد قومیت ہونے کا احترام کرتا ہوں اسی لیے میں نے اپنی تقریروں میں سب سے زیادہ اس ملک کے واقعات بیان کرنے میں احتیاط و پردہ پوشی سے کام لیا ہے۔

حیدرآباد میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جنھوں نے ایران جدید کو دیکھا ہے مثلاً نواب سالار جنگ بہادر، نواب اسد علی خاں والی بیگن پلی نواب عنایت جنگ بہادر اور مولوی سید محمد حسین صاحب بلگرامی وغیرہ میں نہیں جانتا کہ آقا صاحب کے نظریہ کے تحت ان حضرات نے ہر فن میں زیارت نامہ حاصل کرنے کے بعد سفر کیا تھا یا نہیں لیکن میری کھینچی ہوئی تصویر سے گو پردہ رنگ اور بگڑے ہوئے خد و خال کے باوجود پہچان رہے ہیں کہ یہ ایران ہی کی تصویر ہے ہر چند کہ آقا صاحب اس تصویر کی تعریف نہ کریں۔ (حیدرآباد نیوز)

اخبار رہبر دکن جلد ۱۲ نمبر ۹۲
مورخہ ۲۰ر اسفندار ۱۳۴۱ف

بلاد عربیہ
(دوسری تقریر)

۲ر اسفندار سہ شنبہ کی شام کے (۶) بجے کے بعد نواب بہادر یار جنگ بہادر معتمد سیاسی تقریروں میں دوسری تقریر نواب فیاض علی خاں کی کوٹھی میں بصدارت نواب

فخریار جنگ بہادر "بلاد عربیہ" پر کی۔

اس عنوان میں حجاز، عراق، فلسطین، شام اور مصر داخل تھے، ان تمام ممالک کو آپ نے زبان کے اشتراک کی وجہ سے ایک ہی عنوان کے تحت جمع کیا تھا۔ راستے کا ذکر اور پاسپورٹوں کے مرحلوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے ان عنوانوں کے نام لیے جن پر آپ نے اپنی آج کی تقریر کو تقسیم کر رکھا تھا۔ آثار، زیارتیں، معاشرت و تمدن، مذہب، زراعت و تجارت و حرفت، مشاہیر عہد اور سیاسیات یا وقت کے ختم ہو جانے کے باعث آخری دو عنادین کو آپ چھوڑ سکے۔ اور آثار و زیارت — آپ کی تقریر کے وہ عنادین تھے جنھوں نے آپ کو ایک کامیاب خطیب ثابت کرنے میں کوئی کمی نہیں۔

آثاریہ میں صرف اہرام مصری ہی کا تذکرہ آپ کسی قدر تفصیل سے کر سکے۔ مگر زیارات قبور پر جب پہنچے تو ان کا قلب متاثر تھا اور حاضرین کے قلوب بھی انھوں نے نہایت آسانی سے کر لیے تھے۔ تقریباً وہ تمام مسلمان اسلاف بلاد عربیہ میں استراحت فرما رہے ہیں جنھوں نے اسلام کی شاندار تاریخ دنیا میں پیدا کی ہے۔ پاک مدفنوں کی زیارت کے ساتھ ان کے کارناموں کا وہ تصور جو فاضل مقرر کو وہاں پیدا ہوا تھا اور اس کا پر جوش الفاظ میں اعادہ حاضرین کے قلوب میں ایک تڑپ پیدا کر رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، حضرت خالد اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی مزاروں پر مقرر کی حاضری اور ان پاک روحوں سے اس کے جوش میں نکلے ہوئے سوالات کے رد چڑھ رشیر دل کی متحدہ اور پائی نوجوں کو پسپا کر کے صلاح الدین نے جس شہر پر ہلالی پرچم لہرایا تھا آج کیوں اغیار کے علم کے سائے میں ہے یا آج کیوں حضرت خالد اور حضرت سعد سا ہم میں ایک شخص بھی نہیں دکھائی دیتا ہو جو ۱۲ سو ساتھیوں سے لاکھوں پر غلبہ پا جاتے تھے اور جن کے

جیسے کبھی سب کے سب تھے۔ اپنے جواب میں حاضرین کی رقت کے سوا اور کچھ نہیں رکھتے تھے

بلاد عربیہ یا کسی اور جگہ کی سیاحت کے لیے سرکار انگریزی کا سکّہ بہت کافی ہے یہ ہر جگہ مل جاتا ہے۔ حجاز کا اپنا سکّہ موجود ہے باوجود اس کے انگریزی سکّے کی وہاں بہت وقعت ہے۔ عراق کا کوئی سکّہ ہی نہیں ہے مصر اور شام میں لیرہ ہے اور یہ سو قرش میں منقسم ہوتا ہے مگر اس کی قیمتیں ہر جگہ بدلی ہوئی ہیں مگر ایک سیاح جس کے پاس انگریزی ہو ہر جگہ آسانی کے ساتھ اپنا کام چلا سکتا ہے۔ تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں ہوٹل ہیں جہاں آسائش کے ساتھ ٹھہرا جا سکتا ہے۔ ان کے سوا اور مقامات بھی ہیں۔

معاشرت و تمدن اور مذہب کی حالت نہ صرف بلاد عربیہ بلکہ تمام بلاد اسلامیہ و بلاد مشرقیہ میں یکساں ہے اور ایک ہی سبب کا نتیجہ ہمارے وطن کے اس ممتاز سیاح کے خیال میں جب حرب عظیم کی توپوں کی گرج نے سونے والے مشرق کو جگایا اور وہ اپنے خواب گراں سے اٹھا تو قدرتاً وہ اس آواز کی طرف دوڑا۔ کھوج لگاتے ہوئے وہ مغرب جا پہنچا۔ جہاں سے وہ آواز آئی تھی۔ مگر اس نے دوڑنے سے قبل اچھی طرح آنکھیں ملی نہیں تھیں۔ وہاں مغرب کی ظاہری شان و شوکت نے اس کی نظروں کے آگے ایک نہایت چمک دار دیوار قائم کر دی۔ اس نے چاہا کہ اس کی شان و شوکت کا سبب دریافت کرے کہ کس طرح اس قوم نے جس کو وہ ذلیل اور حقیر اور اپنے سے پست سمجھ رہا تھا یہ مرتبہ بلند حاصل کر لیا۔ مگر اس دیوار کی پیدا کردہ چکا چوند نے اس کی نظروں کو اصلی سبب دیکھنے کی اجازت نہیں دی۔ (مقرر نے بعد میں یہ بتایا کہ یہ سبب حقیقی اس کی معاشی ترقی ہے) اس نے نتیجے کو سبب سمجھ لیا اور اپنے وطن کو واپس آ کر اس نے اپنے لباس کو مغربی وضع کا کٹوایا اور اپنا "معیار زندگی" بلند کرنے میں جتنی تیز قدمی سے

کام لیا اس کے سویں حصہ سے بھی اس نے اپنے معاشیات کو بلند کرنے کی سعی نہیں کی۔ اسی خیرہ کن نظر نے اس کو مغرب کی ترقی کا ایک سبب ان کی مذہب سے علیحدگی باور کرا دیا۔ اور یہاں بھی اس نے اس بات پر غور کرنے کی ذرا سعی نہیں کی کہ جس مذہب کو مغرب نے ترک کیا تھا کیا وہ اسلام کے جیسا تھا۔ اگر مغرب کے مذہب کی گرہ دریاں اس کو معاشی اور سیاسی اور دوسرے اعتبارات سے ترقی کرنے میں مزاحم ہو رہی تھیں تو کیا اس کا اسلام بھی ویسا ہی مذہب تھا۔ چنانچہ اب یہ حال ہے کہ وہ جتنا زیادہ مغرب سے قریب ہے اتنا ہی زیادہ اپنی واقع معاشرت و تمدن میں مغربی اور اپنے اصلی مذہب سے دور رہے۔ مصر ان خصوصیات میں سب سے آگے شام و فلسطین کا درجہ اس کے بعد ہے ایک حجاز ہی وہ ملک ہے جہاں کا تمدن خالص اسلامی رہ گیا ہے۔

زراعت و صنعت کے اعتبار سے بھی سفر کی رائے میں مصر و شام و فلسطین کی حالت بہت اچھی ہے . . . . یہ حصے بہت سرسبز و شاداب ہیں اور یہاں ہر طرح کی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ یہاں کچھ پارچہ بافی کے کارخانے بھی ہیں۔ اگرچہ ان ممالک میں بھی تجارت تقریباً ساری کی ساری مغربیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ عراق کی صنعتی حالت بہت کمزور ہے اگرچہ وہاں کی زراعت اس سیاح کی نظروں میں قابل افسوس نہیں۔ حجاز کا ایک حصہ اگرچہ غیر ذی ذرع ہے مگر اس میں بعض نہایت شاداب حصے موجود ہیں مگر وہاں کے لوگوں کی کاہلی کو جو ترکی سلطنت کی فیاضیوں کا نتیجہ ہے انھیں مشقت کی جانب رجوع نہیں ہونے دیتی۔

آپ نے فرمایا کہ گو عربی زبان ان تمام ممالک میں بولی جاتی ہے مگر ہر ملک کے لہجے نے اتنے بڑے اختلافات پیدا کر دیے ہیں کہ عربی بولنے والے کو مصری اور مصری کو عراقی و شامی

زبان سمجھنا دشوار ہے۔ (قلمی۔ نواب صاحب کے پریس فائیل سے)

یہ تو خیر ایک عربی جیسی وسیع طور پر بولی جانے والی زبان کا حال ہے جو غیر متوقع نہیں جس کو کئی نسلیں اور قومیں بولتی ہیں۔ مگر اس کے حق میں یہ بڑا ظلم ہو رہا ہے کہ جس طرح مغربی لشکر، مغربی سیاست، مغربی تمدن و مغربی معاشرت اور مغربی لا مذہبیت ان بلادِ عربیہ کے بسنے والے ممالک کے دماغوں، جسموں اور روحوں پر قبضہ کرتے جارہے ہیں اسی طرح ان کی زبانوں کے الفاظ کا لشکر بھی اپنے مورچے بناتا اور دبابے تیار کرتا ہوا عربی زبان کی حدود میں دور تک داخل ہوگیا اور اس کی مقاومت کی کہیں بھی کوئی فکر نہیں کی گئی ہے۔

بلادِ عربیہ کی موجودہ تعلیمی اور سیاسی حالت پر وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے آپ کوئی روشنی نہ ڈال سکے۔ "رہبرِ دکن" جلد ۱۲

اسفندار ۱۰۱م ۱۳ف

جمہوریۂ ترکیہ

(تیسری تقریر)

چہارشنبہ کی شام کو اپنے وقت پر نواب بہادر یار جنگ بہادر نے فیاض علی خاں کوٹھی میں اپنے سیاسی سلسلہ تقاریر کی تیسری تقریر (ترکیہ جمہوریہ) پر بصدارت نواب بشیر یار جنگ بہادر تقریر فرمائی۔

آثار و زیارت:۔ آپ نے قسطنطنیہ اور ترکی قدیم کی ایک مختصر تاریخ کے بعد جو سلاطین آلِ عثمان کے کئی تاریخ پر حاوی تھی سب سے پہلے قسطنطنیہ کے آثار کا ذکر کیا۔ آپ کے خیال میں قسطنطنیہ کی ایک سیاح کے لیے سب سے زیادہ جاذبِ نظر چیز اس کے

مساجد کے اونچے اونچے مینار ہیں نہ صرف سلاطین عثمانی بلکہ تمام مسلمان بادشاہوں نے اپنے اپنے دور حکومت میں اپنے محلوں اور قصروں اور اپنی عیش و عشرت کی اشیاء سے زیادہ روپیہ خدا کی عبادت گاہوں کو اٹھانے اور آراستہ کرنے میں صرف کیا ہے آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تقریباً ہر مسلمان عظیم الشان بادشاہ نے کسی عظیم الشان مسجد کی صورت میں (کرم خوردہ) سلاطین آل عثمان کا یہ (کرم خوردہ) واسطے کہ وہاں تقریباً ہر مسلمان . بصورت بازنطینی فن تعمیر (کرم خوردہ) مینارہ والی مسجد موجود ہے.

اسی آثار کے عنوان کے تحت آپ نے وہاں کے تین تحفوں کا ذکر بھی کیا جن میں سے ایک تو وہ کتب خانہ ہے جس میں نہایت ہی پرانی عربی، ترکی اور فارسی زبان کی کتابیں نہایت عمدہ خط میں لکھی ہوئی اور نہایت قیمتی اور نادر جلدوں میں موجود ہیں. بعض قرآنوں کا آپ نے ذکر کیا جو بہ اعتبار خط و باعتبار جلد بندی نہایت نفیس اور بیش قیمت ہیں. جلدوں پر جواہر اور موتیوں کی ایسی گلکاریاں ہیں جن کے دیکھنے سے آنکھوں کی بصارت بڑھ جاتی ہے. اور جن کی حقیقی حالت کا اظہار زبان سے نہیں ہو سکتا.

ایک اور مستحف یا عجائب خانہ میں ترکی قوم کے آٹھ سو برس کے ہتھیاروں کے لباس اور ان کے طریقہ ہائے جنگ کی نمائش کی گئی ہے اور ایک بحری مستحف میں ترکی کی قدیم بحری قوت کی نمائش کی گئی ہے. ان دونوں کو ترکی کے موجودہ طلبائے حربی کو خاص طور پر اس لیے دکھایا جاتا ہے کہ انھیں اپنے اسلاف کے کارنامے یاد رہیں اور ان میں بھی وہی اسپرٹ بیدار رہے.

زیارتوں کے عنوان کے تحت آپ نے ابوایوب انصاریؓ میزبان رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کا ذکر کیا اور کہا کہ موجودہ ترکی حکومت نے اس کو بند کردیا ہے صرف ایک روشن دان رکھا ہے جہاں سے فاتحہ گزرانی جاسکتی ہے۔ آپ کا گائیڈ آپ کو حضرت جمال الدین افغانی تحریک پان اسلامزم کے مشہور قائد کے مزار پر بھی لے گیا تھا۔ اس طرح آپ کو ترکوں کے گورستان کے دیکھنے کا موقع بھی ملا اور آپ پر یہ بات واضح ہوئی کہ جو ترک آج پوری طرح مغربی تمدن و معاشرت اختیار کرچکے بہت عرصہ قبل ہی سے وہ اپنے قبور کو بھی نصرانیوں کی قبور سے مشابہ کرچکے تھے یعنی کہ ہر قبر پر ایک اونچا پتھر لگایا جاتا اور اس پر اس دستار کی تصویر بنادی جاتی تھی جس کو مرنے والا پہنا کرتا تھا۔ یہاں پر آپ نے یہ قابل افسوس بات بیان کی کہ حضرت جمال الدین افغانی کی قبر سے موجودہ ترکوں نے بھی ۲ سال تک برابر غفلت کی تھی۔ قریب تھا کہ وہ بالکل مٹ جاتی مگر ایک امریکی سیاح نے جو مخلص کام کرنے والوں کا دلدادہ تھا۔ اسلام کے اس سچے خادم کی قبر سنگ مرمر سے بنوادی ہے اگرچہ وہ خود مسلم نہ تھا اور شاید آپ نے یہ کہا کہ ایسی ہی کوئی عبارت وہاں اس نے کندہ ہے۔ آپ کو پیرا کے پل کے پاس ایک مسجد کے گوشے میں حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کے مدفن کا بھی نشان دیا گیا اگرچہ آپ کو ابھی تک اس کی تحقیق نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ اس ترکی سلطنت میں رومیوں بازنطینیوں اور مسلمانوں کے چپہ چپہ پر آثار ملتے ہیں۔

زراعت: ایشیائے کوچک اپنی سرسبزی و شادابی میں ہندوستان سے کم نہیں ہے بلکہ اس کے اکثر حصے اس سے زیادہ شاداب و زرخیز ہیں۔ یہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہوسکتی ہے۔

صنعت و حرفت: صنعت و حرفت یہاں اگرچہ اور اسلامی ممالک کی

نسبت کچھ زیادہ ہے۔ آپ نے قسطنطنیہ، انگورہ اور بردصہ وغیرہ بڑے شہروں میں کپڑے کی گرنیاں، سگریٹ کے کارخانے اور دیگر اشیا کو بھی تیار ہوتے دیکھا۔ آپ نے معلوم کیا کہ وہاں ریشم بھی بکثرت پیدا ہوتا ہے مگر ایک خوددار قوم کو جس درجہ کی صنعت و حرفت کا حامل ہونا چاہیئے اس درجہ کی صنعت و حرفت وہاں ابھی تک نہیں ہے اگرچہ ترک اسکی بڑی سرگرم کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ویسی ہو جائے اور توقع ہے کہ ہو جائیگی۔

تمدن معاشرت اور مذہب: ترکوں کی معاشرت و تمدن اور ان کے مذہب کی نسبت یہاں اور ہندوستان میں عجیب و غریب خیالات پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اس بحث پر آپنے زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کی۔ آپنے وہاں ترکوں کا تمدن و معاشرت بالکل مغربی دیکھا۔ آٹھ سو برس قبل کاشغر وغیرہ سے جس تمدن کو لیکر آئے تھے آج اس کا کوئی حصہ بھی ان میں باقی نہیں ہے۔ وہ بالکل مغربی وضع قطع کا لباس پہنتے ہیں ترکی ٹوپی بھی انھوں نے ترک کردی ہے اور میز کرسی کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی گھریلو زندگی اور ان کی ظاہری وضع قطع بالکل مغربی ہے اور مذہب کے حصہ عبادات کی جانب سے بہت غافل ہیں۔ حکومت سے مذہب کو علیحدہ کر دیا گیا ہے اور ترکی مدارس میں نہ مذہبی تعلیم دیجاتی ہے اور نہ مذہبی مدارس کو امداد ملتی ہے اس کے اسباب آپ کے خیال میں حسب ذیل تھے۔

ترکوں کو آٹھ سو برس سے برابر مغرب سے واسطہ ہے۔ وہی ایک ایسی ایشیائی قوم ہے جو اس سے سب سے زیادہ قریب ہے اور جو ایک طویل مدت سے میل جول رکھنے کے باعث معلوم اور نا معلوم طور پر متاثر ہوتی چلی آرہی ہے ایک تو مغربی دول مدت سے برابر ترکی کے حصے بخرے کرنے کے آپس میں معاہدات کرچکی تھیں اور روہ ایران

سے برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ دوسرے قربت کے باعث ان کے طلبا مغربی مدارس کی تعلیم سے مستفید ہوتے تھے اور تیسرے اسی قربت کے باعث اور شریعت اسلامیہ کی اس اجازت کے تحت کہ مسلمان اہلِ کتاب ہی سے شادی کر سکتے ہیں وہ مغربی خواتین سے شادی بیاہ کرتے تھے۔ پہلی چیز کا یہ اثر ہوا کہ ترکوں کا سیاسی اقتدار روز بروز گھٹتا گیا دوسری کا یہ نتیجہ نکلا کہ نہایت نامعلوم طور پر مغربی تعلیم یافتہ ترکوں میں یہ خیال جگہ پکڑ گیا کہ معاش کو معاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان طلبا نے مغرب میں دیکھا اور مغربی استادوں سے یہ علم حاصل کیا کہ یورپ نے اپنی معاشی اور سیاسی زندگی کو مذہبی زندگی سے علیحدہ کر کے ہی ترقی حاصل کی ہے۔ اور مغرب کی حد تک یہ بالکل درست تھا۔ وہ ایک ایسے مذہب کا پابند تھا جس میں زندگی کا صرف ایک رخ یعنی عبادت و رہبانیت دکھایا گیا تھا۔ اس لیے اگر اس نے اور دوسرے معاملات میں عقلی قوانین بنا بنا کر ترقی کی تو کوئی تعجب نہیں مگر ان طلبا نے اسلام کا مطالعہ اس مذہب کے [illegible] نہ کیا یا اس طوفان نے جو ان پر طاری تھا اس کی انھیں اجازت ہی نہیں دی اور وہ ترقی کا راز اسی کو سمجھنے لگے کہ مذہب کو [illegible] کی حد تک محدود کر دیا جائے، اور اعضا و جوارح پر اس کا کوئی حق نہ [illegible]۔ [illegible] میں تعلیم حاصل کرنے کا ایک [illegible] اثر ان پر یہ بھی ہوا کہ [illegible] اسلامیت کے [illegible] کا پست خیال پیدا ہو گیا۔

یہاں سے جو طالب علم پڑھنے کی غرض سے مغرب [illegible] تو وہ مسلمان ہوتا مگر واپس ہوتے ہوئے [illegible] ترک، مغربی درسگاہوں نے اسلامی یکجہتی اور وسیع برادری میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اس خیال کو چپکے ہی چپکے ترکی اور اسلامی

طلبا کے دلوں میں خوب بھڑکایا اور مغربی توپ و تفنگ نے اسلام کو تہس نہس کرنے میں اتنا نہیں کیا جتنا کہ ترکی اور مسلمان طلبا میں

. . . .

پیدا شدہ اس خیال قومیت نے کیا ترک طالب علم جب مغرب سے تعلیم پا کر واپس آتا تو اپنے آپ کو صرف مسلمان سمجھنے کے بجائے صرف ترک سمجھا اور عربوں اور کردوں اور چرکسوں کو مسلمان نہیں بلکہ عرب، کرد اور چرکس قومیں اور اپنی محکوم قومیں تصور کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ عظیم سے قبل ان محکوم قوموں نے بھی اس کی اس ذہنیت کو محسوس کر لیا اور ان میں بھی اسلامیت کے بجائے قومیت کا تنگ تخیل پیدا ہو گیا اور متحدہ سلطنت بلاد عربیہ کی ہڈیاں پکنے لگیں۔ اور غرض مند مغربی دول نے شہ دے دے کر اور تحریری نہیں زبانی معاہدے کر کے ان کے اس خیال کو زیادہ نمایاں کرنا شروع کیا۔ اس تیسری چیز نے ان کی گھریلو معاشرت کو جلد از جلد بدلنے میں بڑی امداد دی۔ ان تمام اسباب کی موجودگی میں حرب عظیم شروع ہو گئی۔ ترکوں کو مجبوراً اس میں حصہ لینا پڑا۔ ادھر تو قومیت کے جوش نے عربوں، کردوں اور دیگر اقوام کو ترکوں سے غداری کرنے پر مجبور کیا۔ ادھر ادھر ایسے حالات میں کہ قسطنطنیہ پر دول ثلاثہ کا قبضہ تھا اور ایشیائے کوچک میں اپنی دول کی امداد سے یونانی گھسے ہوئے تھے۔ ایک شخص کو یہ توفیق ملی کہ اناطولیہ میں اپنی قوم کی قوت جمع کر کے یونانیوں کو شکست دے کر ایشیائے کوچک سے نکال دے اور قسطنطنیہ پر دوبارہ قبضہ کر کے جمہوریہ ترکیہ کی بنیاد ڈال دی۔ چونکہ عربوں اور دیگر محکوم مسلمان اقوام نے ترکی کی قوت کو اس جنگ میں سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اس شخص (غازی مصطفیٰ کمال) کی جماعت کو ان لوگوں سے الفت نہ رہی اور قومیت و وطنیت کا خیال زیادہ مضبوط ہو گیا اور چونکہ یہ جماعت مغربی تعلیم کی فیضیاب تھی اور یہی خیال رکھتی تھی کہ مذہب کو معاش سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔۔

چاہیے۔ حکومت سے مذہب کو علیحدہ کر دیا۔ ممکن ہے اس کے سوا کچھ اور مصالح بھی ہوں۔ تمدن و معاشرت کی نسبت آپ نے والیِ قسطنطنیہ سے اپنی طویل ملاقات کے دوران میں سوال کیا کہ جب کہ آپ نے اپنے بازو کی قوت اور اپنی تلوار کی دھار سے یونانیوں کو اپنے وطن سے باہر نکال دیا اور اپنی آزادی حاصل کر لی تو پھر کیا وجہ تھی کہ اپنی معاشرت و تمدن کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مغرب کے قدموں میں ڈال دیا اور فاتح ہونے کے باوجود مفتوح ہو گئے تو اس کا انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہم نے دیکھا کہ جب ہمارے اندر کوئی مغربی آ جاتا ہے تو ہم اس کی ظاہری وضع قطع پر اپنے سے بالا سمجھنے لگتے اور کچھ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ہم نے خیال کیا کہ وضع و لباس کے فرق ہی کو مٹا دیا جائے تاکہ ہم میں اور مغربیوں میں کوئی ظاہری تمیز بھی نہ باقی رہے، اور عام مرعوبیت کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر یہ جواب ہمارے مقرر کے لیے ناکافی تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جب تک کوئی قوم اپنے دست و بازو کی مدد سے اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتی ہے وہ کس طرح اور ان کی محض وضع قطع سے مرعوب ہو سکتی ہے۔

مذہبی عبادات میں کمزوری کی شہادت: آپ ایک سر مغرب باسفورس کے کنارے کسی قہوہ خانہ میں تھے کہ مسجد ایا صوفیہ کے کناروں پر روشنی ہوئی اور توپیں سر ہونے لگیں۔ آپ نے اپنے گائیڈ سے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ آج کی رات سرکارِ دو عالم کی ولادت کی رات ہے اور قدیم سے سلاطین آلِ عثمان کے زمانے سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ آج مساجد میں روشنی ہوتی ہے اور پچاس توپوں کی سلامی سر کی جاتی ہے۔ آپ بڑے شوق سے مسجد ایا صوفیہ کی طرف موٹر میں دوڑے مگر وہاں

انھیں اپنی بڑی مسجد میں تین چار سے زیادہ چراغ نہیں دکھائی دیے۔ ایک شخص کوئی منبر کے پاس اندھیرے میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھ رہا تھا اور اس پوری مسجد کے نمازی ایک عورت، ایک پولیس کے جوان اور ایک بوڑھے شخص پر مشتمل تھے۔

ترک مسلمان ہیں: مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ترک مسلمان نہیں ہیں یا یہ عبادات سے بے اعتنائی ساری مملکت ترکیہ میں موجود ہے۔ اگرچہ قسطنطنیہ اور انگورہ کے ترک اور برسر اقتدار جماعت عبادات کی پابند نہیں ہے۔ مگر وہ اب بھی ایسی ہی اسلام کی خیر خواہ اور اس کے لیے جان فدا کرنے والی جماعت ہے جیسے کہ ۶ سو برس قبل کے ترک تھے۔ تمدن و معاشرت کی یہ مکمل تغییر بھی قسطنطنیہ اور انگورہ تک محدود ہے۔ (نامکمل)

رہبر دکن۔ جلد ۱۲۔ نمبر ۸۰

مورخہ ۶ / اسفندار ۱۳۴۱ف

ترکوں کا اسلام

نوٹ:۔ ترکوں کا اسلام کے زیر عنوان نواب صاحب کے سیاحتی تاثرات پر مبنی ایک تقریر کی غلط رپورٹنگ پر نواب صاحب نے پریس کٹنگ کی ابتدا اور آخر میں ایک نوٹ لکھا ہے جس کے مطالعے سے اس دور کے ترکوں کے اسلام سے متعلق معلومات ملتے ہیں۔ (مرتب)

رہبر دکن جلد (۱۲) نمبر (۲۳۵) مورخہ ۱۷ / شہریور ۱۳۴۱ف۔ میری تقریر کے اس خلاصے میں نمائندہ دکن نیوز ایجنسی نے کئی غلطیاں کی ہیں۔ میرے صحیح

جذبات بلکہ بعض جگہ صحیح خیالات بھی ادا نہیں ہو سکے ہیں۔ صحت کے لیے
میری اسیاحتی تقریر کی طرف رجوع کیجیے۔ جس کے مقطبوعات رہبر دکن
سے لے کر سابقہ صفحات پر چسپاں کیے گئے ہیں۔ دستخط۔ بہادر خاں
(قلمی شخصی پرسس فائیل سے)

"ترکوں کا اسلام"۔ ۵ ر شہر یور کل رات کے ۹ بجے مدرسہ انیس الغربا
میں الحاج نواب بہادر یار جنگ نے "ترکوں کا اسلام" کے متعلق حیرت انگیز حالات
بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ آج ہم ان لوگوں کے اسلام
پر غور کر رہے ہیں جنھوں نے آج سے چھ صدی قبل اپنے آپ کو فاتح کی حیثیت سے
پیش کیا تھا۔ آج ہم ان لوگوں کے ایمان کا محاسبہ کر رہے ہیں جنھوں نے عثمان خان
اول سے لے کر عبدالحمید کے زمانہ تک اسلام کے لیے اپنے خون کی ندیاں بہادی
تھیں۔ فاضل مقرر نے ترکوں کے اسلام کے متعلق اپنے چشم دید حالات بیان کرتے
ہوئے کہا کہ اتفاق سے میں ایا صوفیہ کے قریب قہوہ خانہ میں داخل ہوا کچھ دیر بعد
توپوں کے گرجنے کی آواز آئی اور ایا صوفیہ پر کچھ روشنی کی جھلک نظر آنے لگی۔ دریافت
سے معلوم ہوا کہ آج کی رات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت
کی رات ہے۔ یہ سن کر خیال کیا کہ آج یہاں کی مسجدیں آباد ہوں گی۔ ایا صوفیہ پہنچا۔
تو اس کے وسیع طاق میں دو چار قمقمے ٹمٹما رہے تھے اور منبر کے قریب ایک
شخص بیٹھا ہوا قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ غرض دو تین آدمی کے سوا اور کوئی موجود
نہ تھا۔ جب میں کسی ترک سے پوچھتا کہ کیا تم مسلمان ہو تو غصہ سے جواب دیتا کہ

الحمدللہ۔ ایسا ہی ایک اور شخص سے دریافت کرنے پر جواب ملا کہ اسلامیت اور معاشرت بالکل الگ الگ چیزیں ہیں جیسا کہ ساری قوم کا خیال ہے ہم اسلام پر اب بھی جان قربان کرنے تیار ہیں اسلام ہمارے دل کے ساتھ ہے۔ اعضاء اور لباس کے ساتھ نہیں۔ مجھے ایک دن بارش کی وجہ سے ان چھتریوں میں پناہ گزین ہونا پڑا جو لب سڑک بنائی گئی ہیں جس میں چار پانچ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس میں میز اور کرسیاں رکھی رہتی ہیں۔ ایک لڑکی کو اپنی ماں اور بہن کے ساتھ مغربی لباس میں تھا میں نے اس سے اپنے ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو۔ لڑکے کی نوجوان بہن نے کہا کہ برائے خدا قسطنطنیہ اور انگورہ کو دیکھ کر پورے ترکی پر قیاس نہ قائم کرلیا جائے بلکہ آپ بروصہ وغیرہ جائیں جہاں اصلی ترکوں کو دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ جب میں بروصہ، اناطولیہ قونیہ عسکی وغیرہ گیا تو واقعی لڑکی کے بیان کردہ حالات درست تھے۔

قابل مقرر نے ترکوں کی اسلام سے دوری کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تباہی کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ ان کی مائیں دیگر اقوام کی ہیں جنہوں نے گھر میں آتے ہی اسلام سے نفرت پھیلانا شروع کیا، دوسرا سبب مغربی اقوام کے دوش بدوش رہنے سہنے کا اور ان کی طرز معاشرت اختیار کرنے کا ہے۔ ترکوں نے ترقی کے میدان میں بڑھنے کے لیے سمجھا کہ جب تک مذہب سے ہٹ نہ جائیں ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور ایک سبب ان کی تباہی کا یہ ہے کہ ترکوں نے عربی رسم الخط سے قطع تعلق کر کے لاطینی رسم الخط اختیار کرلیا مدارس سے دینی تعلیم اٹھائی گئی اپنے قوانین کو بدل دیا۔ آل عثمان کے زمانے میں ترکوں میں وہی قوانین رائج تھے جو آج دولت آصفیہ میں رائج ہیں۔ لیکن جب ترکوں نے یہ اعلان کردیا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے اس وقت اسلام سے دور نظر آنے لگے آج کل ان کی

عدالتوں میں اسلامی قوانین کے موافق فیصلہ صادر نہیں ہوتا ترکوں نے عقد و نکاح کے معاملہ میں بھی یورپ کے طریقہ کو پسند کر لیا۔ آج کل ہندوستان کے یورپ زدہ نوجوان مسلمانوں میں جو ویسی جذبات نظر آرہے ہیں وہ یورپ سے ایسے ہی خیالات کو لے کر ہندوستان واپس ہوتے ہیں جیسے آج کل ترکوں کے ہیں۔ ایسا نہ ہو کر ہندوستان میں بھی ان یورپی تعلیم یافتوں میں سے کوئی مصطفیٰ کمال پیدا ہو جائے اور ہندوستان کی زمین پر ترکی کا انقلاب آنے لگے۔ ترکوں کو غارت کرنے والا تخیل صرف یہی تھا کہ وہ اسلام کو مانع ترقی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آج کل بعض مغربی صحبت یافتہ نوجوانوں کا خیال ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اگر یہی حال ترکوں کا رہا تو ان کی آنے والی نسلیں اسلام سے بالکل بیگانہ رہیں گی۔

.۔.

اوپر کے مقطوعہ کو پڑھ کر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گویا میں موجودہ ترکوں کو مسلمان نہیں سمجھتا حالانکہ حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کو مسلم اور پکا مسلم سمجھتا ہوں صرف ان کے عمل سے متعلق میرا خیال ہے کہ اس میں سستی اور کمزوری پیدا ہو گئی ہے بالکل اسی طرح جس طرح خود ہندوستان کے مسلمان ہیں ترک یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کما حقہ عامل باحکام الاسلام ہیں۔ اگر ہم میں سے بعض بے نمازی ہیں تو ان میں سے اکثروں نے نماز ترک کر دی ہے۔ وہ تارک صلوٰۃ ہیں منکر صلوٰۃ نہیں ہیں۔ ابا صوفیہ کے یوم میلاد میں خالی رہنے سے ترکوں کا غیر مسلم ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ مقتدات مذہبی کی طرف سے ان کا تغافل ظاہر ہوتا ہے جس کے زیادہ نہ سہی کم ہی ہم بھی شکار ہیں۔ فقط دستخط

بہادر خاں

(قلمی۔ بدست نواب صاحب)

دہلی میں نیا ابن بطوطہ
نواب بہادر یار جنگ کی تقریر
ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے

حیدرآباد دکن کے مشہور خاندانی رئیس نواب بہادر یار جنگ ابھی حال میں حجاز، عراق، مصر، شام، فلسطین، قسطنطنیہ، انگورہ، ایران، وسط ایشیا، افغانستان وغیرہ کا سفر کر کے آئے ہیں اور انہوں نے افریقہ اور ایشیا کے مشہور نرم و گرم لیڈروں سے مل کر اور حالات کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا ہے کہ ایشیا اور افریقہ کا سفر کس رخ ہو رہا ہے۔

وہ حیدرآباد کے مشہور امیر اور وہاں کی اسمبلی کے ممبر اور اس ملک کے نوجوانوں کے مقبول لیڈر اور اسلام کے عالم اور نہایت عمدہ مقرر ہیں۔

انہوں نے مہربانی کر کے دہلی والوں کو اپنے سفر کے تجربات سے فائدہ پہنچانے کا وعدہ کر لیا ہے اور میں نے ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء جمعہ کے دن شام کو سات بجے عربک کالج اجمیری دروازہ کے ہال میں ان کی مذکورہ تقریر کا انتظام کیا ہے۔

لہذا دہلی میں آئے ہوئے والیان ریاست اور ممبران اسمبلی اور ممبران کونسل آف اسٹیٹ اور دہلی کے لیڈروں اور کالجوں کے استادوں اور طلبہ اور سب ہندو مسلمان عیسائی، سکھ، پارسی اور اہل علم سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ

۲۴ مارچ جمعہ کے دن
شام کو ٹھیک سات بجے
عربک کالج اجمیری دروازہ دہلی

میں تشریف لا کر نواب صاحب کی تقریر کو سنیں اور معلوم کریں کہ ایشیا اور افریقہ کی زندگی کس جانب سفر کر رہی ہے اور اس کا اثر ہندوستان کی زندگی پر کیسا پڑنے والا ہے۔ تقریر سیاسی نہیں ہوگی بلکہ مذکورہ اقوام کی مجموعی زندگی کا بیان کیا جائے گا۔ ضرور تشریف لائیے آپ بہت مسرور ہوں گے۔

حسن نظامی دہلوی

ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے

عنوان بالا امیر ملک کے نامور رئیس اور حیدرآباد کے سب سے بڑے سماجی خدمتگذار نواب بہادر یار جنگ بہادر صدر انجمن امداد باہمی مکتبۂ ابراھیمیہ نے ہرکیک کالج دہلی میں ۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو تقریر فرمائی تھی جلسہ کا انتظام حضرت خواجہ حسن نظامی نے کیا تھا۔ پوسٹر میں عنوان لکھا تھا۔ "دہلی میں نیا ابن بطوطہ" جس سے نواب صاحب کی سیاحت دوستی کی طرف اشارہ ہے۔ جلسہ کے صدر سر محمد یعقوب تھے۔

تقریر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ہوئی جو دہلی کے سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل تھا تقریر ہندو مسلمان سب میں اس قدر مقبول ہوئی کہ مسٹر چمن لال رپورٹر ہندوستان ٹائمز نے اس کی پچاس ہزار کاپیوں کی طباعت کے لیے اپنی طرف سے انتظام کرنے کی خواہش ظاہر کی، اور کہا کہ "ایسی پر مغز اور تجربہ پر مبنی تقریریں بہت کم ہوتی ہیں۔"

(مکتبہ)

ساری تعریف اس خدائے واحد و لاشریک کو سزاوار ہے جس نے اپنی خلاقیت کے صدقے میں انسانِ ضعیف کو قوتِ ایجاد و اختراع عطا فرمائی کہ سریع السیر سواریوں کے ذریعہ زمین کی طنابیں کھینچ دیں۔

واجب الاحترام صدر۔ اور معزز حاضرین۔ بیسویں صدی عیسوی میں جب کہ

مطبع اور لاسلکی کی قوتوں نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں اور پلک کے جھپکاتے ہزاروں کوس دور کے واقعات کو معلوم کر لینا ممکن کر دیا ہے کسی ایسے سیاح سے جس نے ڈیڑھ سال قبل دنیا کے بعض حصوں کو دیکھا تھا یہ توقع کرنا کہ وہ نئی بات آپ کے سامنے پیش کر سکے گا میرے خیال میں امید موہوم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا زمانہ کی رفتار قرن بستم میں برق و نظر کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہوگئی ہے۔ میرے دیکھے ہوئے ممالک کو ہی لیجئے کتنے ایسے ہوں گے جن میں اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہوں گی جن کے بعد پرانے حالات کو دہرانا آپ کا وقت ضائع کرنا ہے اور نہ میں اس دعویٰ کی جرات کر سکتا ہوں کہ کوئی نئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں گا لیکن حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے (جو زمانہ کی نبض کو آپ سے اور مجھ سے زیادہ بہتر جانتے اور پہچانتے ہیں) ایک ایسا عنوان میرے لیے منتخب فرمایا ہے جس کا تعلق واقعات سے زیادہ ان کے نتائج اور میرے تاثرات و احساسات سے ہے۔ اس لیے جو کچھ دیکھا اور ان کے ذریعہ جو کچھ سمجھا اس کو بامتثال امر حاضر خدمت کر رہا ہوں۔

میں نہیں جانتا کہ روس، چین، جاپان اور جزائر شرق الہند کے شامل نہ ہونے کے باوجود میرے تاثرات کو کسی طرح سارے ایشیا سے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ اگر خواجہ صاحب نے بجائے "ایشیا" کے "بلاد اسلامیہ" کہا ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا لیکن بیسویں صدی کے ربع اول میں مشرق کے جس حصہ نے تنزل و ادبار کے میدان میں ایشیا کی نمائندگی کی وہ یہی ممالک اسلامیہ تھے اس لیے ان کے انقلاب و نتائج حالات سے اگر ایشیا کی عام حالت پر تبصرہ کیا جائے تو کسی طرح نامناسب نہیں

ہو سکتا۔ میری سیاحت کا تعلق بالکلیہ بیسویں صدی سے ہے لیکن حال کا صحیح تصور نہیں قائم کیا جا سکتا جب تک ماضی کی مٹی ہوئی تصویر پر سرسری ہی سہی ایک نظر نہ ڈال لی جائے آپس کے جنگ و جدل اور اندرونی کشمکش و اضطراب کے باوجود تاریخ کے کامیاب سے کامیاب دور میں بھی پایا جاتا ہے۔ مشرق کا آفتاب عظمت و جلال اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر تک تابندگی کے ساتھ بلند رہا اور یہی وہ دور تنزل ہے جب کہ صدیوں کی مسلسل و کامیاب حکومت نے مشرقی سلاطین و رعایا دونوں کو عیش پرستی و آرام طلبی کا شکار بنا دیا تھا۔ ایک طرف قوت فیصلہ ان سے سلب ہو گئی۔ دوسری طرف اقتدار کی کھولت و راحت طلبی نے ان کو رزم سے زیادہ بزم طرب کا شیدائی بنا دیا۔ مدبر و فراست ہمیشہ ان ہی اقوام کا سرمایہ رہے ہیں جن میں طلب حیات کی سرگرمی موجود رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں اکبر و عالمگیر ایران میں عباس صفوی اور روم میں سلیمان و سلیم کے جانشین شاہ شطرنج اور شیر قالین بن کر رہ گئے۔ اور یہی وہ دور ہے جب کہ مغرب کے تاجروں نے بازاروں سے گزر کر مشرق کے درباروں میں قدم رکھا۔

ہندوستان جس کو جسد مشرق کا قلب کہا جا سکتا ہے دوسروں کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ طوائف الملوکی اور آپس کی کشمکش نے امکانات کو زیادہ قوی کیا اور یہ پہلی اور زبردست کامیابی تھی جو مشرق پر مغرب نے حاصل کی۔ دنیا کا ایک انسان بھی ہاتھ آئی ہوئی نعمت خداداد سے آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ مغرب نے بھی یہی کیا کہ ہندوستان پر اپنے قبضہ کو مستحکم و مضبوط بنانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یوں تو مشرق کی بدبختی اپنی ناعاقبت اندیشی

کی وجہ سے ہر وقت کچھ نہ کچھ سامان مغرب کی کامیابی کے لیے فراہم کرتی رہی لیکن اس کی تکمیل جنگ عظیم کے نتائج نے کر دی۔ کیا آپ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ سنگاپور، جزائر شرق الہند اور عدن کا تسلط اسی ہندوستان کی خاطر تھا اب عراق و فلسطین اور مصر کا انتداب اسی ہندوستان کے لیے خلیج فارس اور بحر قلزم کا راستہ صاف کرنے کی خاطر ہے۔

ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ افغانستان، روس و انگلستان کی چکی میں دانہ بنا ہوا تھا۔ ایران میں جنوب سے بڑھنے والی فوجیں کرمان و مشہد تک اور شمال سے اترنے والی جمعیتیں ہمدان و قزوین تک پہنچ چکی تھیں۔ روم کا مرد بیمار دم واپسیں لے رہا تھا، اور وحدت عربیہ کا شریفانہ خواب نا آشنائے تعبیر ہو چکا تھا۔ مجھے ان گزشتہ الفاظ کے ذریعہ صرف ایشیا کے انقلابات ماضیہ کی طرف اشارہ کرنا تھا اب حال سے متعلق سنیے۔ جنگ عظیم جہاں ایشیا پر یورپ کے تسلط کی آخری کڑی تھی وہیں ایشیا کے بخت خفتہ کی بیداری کا الارم اور اس کے قفل محبس کے لیے ضرب شمشیر ثابت ہوئی۔

سوتے ہوئے ایشیا نے انگڑائی لی۔ مرتے ہوئے بیمار نے آنکھ کھولی اور جذبۂ حریت خودداری حیات تازہ کی طرح چین سے ایشیائے کوچک تک اور سائبیریا کے برف پوش میدانوں سے راس کماری تک جسد ایشیا میں سرایت کر گیا ایک ہی غلغلہ بیداری تھا جو مصر میں زاغلول پاشا کی شام میں امیر شکیب ارسلان کی، ترکیہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی روس میں لینن کی، اور ایران میں رضا شاہ پہلوی کی زبان سے بلند ہوا۔ یہی آواز غازی امان اللہ خاں کی زبان سے نکل کر فضائے افغانستان پر گونجی

لگی۔ اس کی صدائے بازگشت چین سے سنی گئی اور اسی جذبہ جاں نواز کو تلک و گاندھی نے ہندوستانیوں کے قلب میں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حیات مندزندگی کی اس سعی میں وہ قومیں کامیاب ہوگئیں جو قومیت متحدہ رکھتی تھیں اور جن میں نفاق و شقاق نے انتشار و پراگندگی نہ پیدا کی تھی۔ جتنی قومیں یا جو ممالک ایشیا اس وقت محروم استقلال و حریت ہیں ان کی ناکامی کے یوں تو بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً قابضین کی قوت و طاقت خود ان کی عدم صلاحیت، مواقع کی عدم موجودگی وغیرہ لیکن ان سب سے اہم اور قابل غور سبب جس کو ان کے اسباب ناکامی کا قدر مشترک کہا جا سکتا ہے، ان کا آپس کا تفرق و انشقاق ہے۔ ہندوستان کی خانہ جنگی آپ کے سامنے ہے۔ مصر میں وفدیوں اور شعبوں کو متصادم ہوتا ہوا آپ نے سن ہی لیا ہے عراق میں سُنّی و شیعہ کی تفریق کو وہم و اندیشہ نہ سمجھیے اور فلسطین کو دیکھیے کہ اگر وہاں کوئی آپس میں لڑنے والا تھا تو اب یہود اپنی وطنیت کے جذبہ کے تحت وہاں اس کا سامان پیدا کر رہے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ حالات آپ کو مایوس کر دیں۔ جنگ عظیم کی جلتی اور برستی ہوئی آگ نے ایشیا کے سوکھے جنگلوں میں احساس و بیداری کی جو چنگاری پھینکی ہے، وہ بجھ نہیں گئی آہستہ آہستہ سلگ رہی ہے، اور ایک روز سارے مشرق کو گرما کر رہے گی۔

حضرات۔ اب تک آپ نے جو کچھ سنا وہ ایشیا کا سیاسی سفر تھا آپ نے اس سے اندازہ کیا ہوگا کہ اس کی منزل سیاست معین ہے اور وہ مضبوط قدموں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن کیا آپ کسی قوم یا ملک کی ترقی کے لیے صرف سیاسی ترقی یا سیاسی ہلچل کو کافی تصور فرماتے ہیں، میرے خیال میں تو اس زمانہ علم و عمل میں سیاسی ترقی بھی مختصر ہے۔ دماغی اور اقتصادی ترقی پر اب غور کیجیے کہ ایشیا کا علمی و اقتصادی

سفر کسی حد تک اطمینان بخش ہے۔ ان میں سے ہر ایک عنوان ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور ایک مستقل صحبت چاہتا ہے کہ اس پر گفتگو کی جائے فی الحال ایک سرسری نظر اس پر ڈالی جائے گی۔

مشرق کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ ہمیشہ علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے۔ چند روز کے لیے اس کی کاہلی اور آرام طلبی نے اس کو سست اور مغرب کی بیداری و جوش عمل نے اس کو زیادہ تیز قدم کر دیا تھا۔ اب ایشیا علم کی طرف توجہ کر رہا ہے اور نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی دولت سے بلکہ دوسروں کی جمع کی ہوئی سے بھی اپنے جیب و دامن بھرنے کی فکر میں ہے۔ جہاں وہ دوسروں کے کرم کا محتاج ہے وہاں وہی سیکھنے اور معلوم کرنے پر مجبور ہے جو اس کو سکھا دیں اور بتا دیں۔ لیکن جہاں اس کی مرضی اس کے افعال پر قادر ہے وہاں اس نے اپنی قومی ضروریات کے مطابق اپنے نصاب مرتب کر لیے ہیں۔ جاپان و روس کی کیوں پوچھتے ہو۔ کہہ سکتے ہو کہ انھوں نے اپنی نقطۂ نظر کی منزل کو پا لیا ہے۔ ترکیہ کو لو جس کا نصاب تعلیم نہایت مکمل اور قومی ضروریات پر مبنی ہے اور جس کی کوشش فوجی قوت کے استحکام سے کہیں زیادہ ملک میں علم و حکمت پھیلانے پر صرف ہوئی ہے۔

اس زندہ قوم کی وقت پسند طبیعت نے عین اس زمانہ میں جب کہ اس کو دشمنوں سے لڑنا دوستوں سے معاہدات کرنا، گھر کو سنبھالنا اور باہر کی نگرانی کرنا تھا عربی رسم الخط کو ترک کر کے اور لاطینی رسم الخط اختیار کر کے اپنے لیے ایک نئے نظام کا انضباط کر لیا۔ اب ہر قسم کی نصابی کتابیں لاطینی رسم الخط اور ترکی زبان میں تیار کر لی گئی ہیں۔ تعلیم عام اور جبری ہے۔ مخالف اسلام و مخالف ترک پروپگنڈا کرنے والے

مشن اسکولوں پر سخت نگرانی قائم کر دی گئی ہے۔ حربی اور بحری تعلیم کے مدارس پر خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ ایران گو کوئی مستقل یونیورسٹی اپنے پاس نہیں رکھتا اور اب تک دو شش یونیورسٹیاں امریکہ اور انگلستان سے آکر اس کے فرزندوں کی تربیت کر رہی تھیں لیکن اس کی وزارت معارف اپنے ملک کے لیے خود نصاب مرتب کرتی اور اپنی نگرانی میں اشاعت تعلیم کی کوشش کر رہی ہے۔ تقریباً دو سو طلبا ہر سال ایران سے یورپ جاتے اور جدید انکشافات علمی اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کے لیے لاتے ہیں۔ جب میں دار السلطنت میں تھا تو خود اعلیٰ حضرت رضا شاہ تبریز تشریف لے گئے تھے کہ اپنے نوعمر جواں بخت ولیعہد کو دوسرے ایرانی طلبا کے ساتھ تعلیم کے لیے یورپ روانہ کریں اور اپنی رعایا کے لیے نمونہ پیدا کریں۔

افغانستان ایک مفلس اور غریب ملک ہے پھر بھی غازی امان اللہ خاں کی مساعی نے کابل میں خاصہ علمی ذوق پیدا کر دیا۔ صرف مدرسہ حبیبیہ انگریزی زبان میں تعلیم دیا کرتا تھا۔ عہد امانی میں دو نئے دار العلوم مکتب امانی اور مکتبۂ امانیہ قائم قائم ہو گئے جو المانی اور فرساوی زبان میں تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں کے کامیاب طلبا کی تکمیلی تعلیم کے لیے ایک طرف جرمنی اور ہالینڈ اور دوسری طرف فرانس اور سوئزرلینڈ سے افغانستان نے خاص معاہدے کیے ہیں۔ غازی امان اللہ خاں کا عاشق ملت دل چاہتا تھا کہ کم سے کم مدت میں اپنی قوم کو پوری طرح زیور علم سے آراستہ کر دے ان کی اسی کوشش نے افغانستان میں قبل از وقت تعلیم کو جبری کیا۔ اچھے اساتذہ کی فراہمی دشوار بلکہ ناممکن تھی مجبوراً لڑکے ان ہی مُلّاؤں کے سپرد کیے گئے جن کو امان اللہ خاں ملک کی ترقی کا مانع تصور کرتے تھے۔ افغانستان کے گزشتہ انقلابات کی ایک بڑی وجہ میں یہ

بھی سمجھتا ہوں کہ قوم کی پوری ذہنی تربیت کے بغیر ملّاؤں کے ساتھ بدسلوکی نے مدارس افغانستان کو مرکزِ بغاوت بنا دیا تھا یہ ایک نہایت تفصیل طلب موضوع ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ گزشتہ انقلاب نے افغانستان کی علمی ترقی کو بہت نقصان پہنچایا کتب خانے تلف کر دیئے گئے، لیبارٹریز (معامل سائنس) برباد کر دی گئیں۔ اور مدرسے اجاڑ دیئے گئے اور یہ صرف اس ذہنیت کے تحت ہوا کہ جوش میں بھرے ہوئے افغانوں کے نزدیک یہی مرکز الحاد و زندقہ تھے۔ الحمد اللہ کہ اب پھر افغانستان علمی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ کی ہر قسم کی مساعی ارتقا کو میں کہہ سکتا ہوں کہ انہی بنیادوں پر قائم ہیں جو غازی امان اللہ خاں نے رکھی تھیں لیکن رفتار عاقبت اندیشانہ اور مطابق حالاتِ ملک اختیار کی جا رہی ہے۔

الغرض ایشیا کی علمی بیداری میں شبہ نہیں لیکن مغربی علوم نے ایشیا پر کیا اثر کیا اور ایشیا نے کس حد تک خذ ما صفا و دع ما کدر کی حکمت عملی اختیار کی اس کو کچھ دیر بعد عرض کروں گا۔

اقتصادیات

ہندوستان پر مغرب کے تسلط کے قبل ہی یورپ نے اپنے تجارتی و صنعتی جال تمام ایشیا پر پھینکنے شروع کر دیئے تھے اور یہی وہ سب سے زبردست حملہ تھا جس کو ایشیا برداشت نہ کر سکا۔ اس کی خام پیداوار تھوڑے ہی دنوں بعد اپنی شکل بدل کر اس کے خزانوں پر ڈاکہ ڈالتی تھی۔ اس کا معیار زندگی یورپ کے موجودہ تمدن کی تقلید میں دن بدن بلند تر ہو رہا تھا۔ اپنی معمولی سے معمولی ضرورت کی تکمیل کے لیے وہ مغرب کا دست نگر بنتا جا رہا تھا۔ جہاں مغرب کو تسلط حاصل ہو گیا تھا وہاں اس نے اپنی حکومت و طاقت سے کام لے کر مشرق کی صنعت کو

تھا اور اپنی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ جہاں اس کی حکومت نہیں تھی وہاں خود اس کے مال کی نفاست و پاکیزگی آرام دہی اور آسائش بخش اہل ایشیا کے قلوب کو اپنی صنعت سے متنفر اور اس کی مصنوعات کا شیدائی بنا رہی تھی۔ الغرض ایشیا کے سیاسی مصائب کی طرح اس کے اقتصادی مصائب کی انتہا بھی جنگ عظیم پر ہوئی۔ اب ایشیا کے جیب خالی ہو چکے تھے۔ اس کی تجوریوں کا روپیہ مغرب کے بنکوں کی زینت بن رہا تھا اس لیے اس میں اتنی طاقت تو تھی نہیں کہ یورپ کی صنعت کے مقابلے اپنی صنعت کو پیش کرتا اور مارکٹ میں اس کے مال کے سامنے اپنا مال رکھ کر آپ کو بڑھانے کی کوشش کرتا۔ روس اور جاپان جن کے پاس اتنی قوت تھی آج آپ ان کی طاقت کا اندازہ کر رہے ہیں کہ ایک ساری دنیا کی طرف اپنی آنکھیں بند کر کے صرف اپنے آپ کو درست کرنے اور آئندہ انقلاب کے لیے تیار ہونے کی فکر میں ہیں۔ اور دوسرے کی سیاسی طاقت کا راز جس نے حال میں مجلس الاقوام کی تجاویز کو ٹھکرا دیا صرف اس کی اقتصادی ترقی میں پنہاں ہے۔

جنگ عظیم نے سیاسی بیداری کی طرح ایشیا میں اقتصادی بیداری کی بھی بیدا کی اور ایشیا کے مدبر سوچنے لگے کہ وہ کس طرح یورپ کے اقتصادی طوفان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اس وقت ان کو وہی تدبیر سوجھی جو فطرت ہر مجبور انسان کو وقت پر سکھا دیا کرتی ہے۔ یعنی اپنی چیز کو خواہ وہ خراب ہی کیوں نہ ہو دوسرے کی چیز پر ترجیح دینا اور اس پر قانع ہونے کی کوشش کرنا وہ بجائے اس کے کہ اپنی تہی دامنی کے باوجود یورپ کی صنعتی ترقی کا مقابلہ کرتے۔ انھوں نے اپنی قوم کی ذہنیت کو بدل کر اپنی چیز کو پسند کرنے اور حتی الامکان دوسروں کی مصنوعات کو ترک کرنے کا جذبہ اس کے دل میں

پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان کو اس تحریک کی ابتداء کا فخر حاصل ہے۔ لیکن دوسرے ممالک نے اس کے مجرّب نسخہ کو اپنے امراض معاشی کے علاج کے لیے فوراً منتخب کرلیا۔ مصر میں مجھ سے مصطفیٰ نحاس پاشا جانشین زاغلول مرحوم نے فرمایا کہ ہندوستان کی تمام سیاسی تحریکات میں وہ سودیشی کی تحریک کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس تحریک نے ان کے دل میں گاندھی جی کی عظمت بڑھا دی ہے۔ چنانچہ اس وقت ان کے جسم پر جس قدر لباس ہیں دیکھ رہا ہوں وہ سب مصر کے تیار کیے ہوئے پارچہ کا ہے۔ شام میں پارچہ بافی اور خصوصاً ریشمی کپڑے کی صنعت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور مصنوعات وطنیہ کی طرف شامیوں کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ ترکی نے ہر قسم کے کارخانے اپنے ملک میں جاری کر رکھے ہیں اور حتی الامکان کوشش کر رہا ہے کہ غیر ملکی مصنوعات سے چھٹکارا حاصل کرے۔ مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی تھی کہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو مصنوعات ملکی کی ترقی کا بہت خیال ہے۔ عراق اور فلسطین اپنی بساط کے موافق اس عظیم الشان تحریک سے غافل نہیں ہیں۔ ایران نے مصنوعات غیر ملکیہ پر شرح محصول اتنی بڑھا دی ہے کہ اہل ایران مصنوعات ملکی کی طرف خود بخود مائل ہو رہے ہیں میں حکومت ایران کی اس کوشش کو قدرے جلد بازی تصور کرتا تھا کیونکہ میرے خیال میں قالین بافی کی صنعت کے سوا ایران میں دوسری صنعتیں ابھی اس قابل نہیں ہوئی ہیں کہ ملک کی حسب ضرورت سربراہی کر سکیں لیکن مجھے وزیر خارجہ اور وزیر مالیہ ایران نے اطمینان دلایا کہ ایران بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے گا۔ افغانستان کو میں نے ہمیشہ ایک غریب ملک سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے غیر ملکی مصنوعات کی طرف میلان اس کے لیے سب سے زیادہ تباہی کا سبب تھا۔ میں نے ہرات میں اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی

کا یہ فرمان دیکھا کہ عساکر اسلامیہ افغانیہ کا صیفی و شتائی (گرمی و سردی کا) لباس ملک کا کاتا اور بنا ہوا ہونا چاہیئے خواہ وہ کتنا ہی بھدا غیر ملکی پارچہ کے مقابلے میں کتنا ہی بدزیب کیوں نہ ہو۔ میں نے اس فرمان کے نتائج جشنِ نجاتِ وطن کے موقع پر کابل میں دیکھے کہ عساکر افغانیہ جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہیں ہے ملکی لباس میں ملبوس تھیں اس طرح افغانستان نے نہ صرف اپنی ایک بہت بڑی دولت محفوظ کر لیا بلکہ مغرب کے اقتصادی تفوق پر ایک کاری ضرب لگائی۔ عوام ہی نے نہیں خواص بلکہ سلاطین تک نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس فرما لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہ کا وہ ارشاد گہربار کسی کو یاد نہیں جو حیدرآباد میں کاٹیج انڈسٹریل انسٹیٹیوٹ کا افتتاح فرماتے ہوئے شرف صدور لایا تھا کہ اعلیٰ حضرت اور تمام ارکانِ خانوادہ عالیہ آصفی گولکنڈہ صابن استعمال فرماتے ہیں اور توقع ظاہر فرمائی تھی کہ اہلِ ملک بھی مصنوعات کی ترقی کی طرف توجہ کریں گے۔

الغرض اگر احساس کی بیداری اقوام کی ترقی کا پہلا زینہ ہے اور اس سے ان کے مستقبل کی درخشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تو مجھے اجازت دیجیے کہ آپ کو ایشیا کی بیداری کا مژدہ سناؤں اور اس کی ترقیوں کی توقع دلاؤں۔ موانعات اس کے سامنے بہت ہیں۔ سرمایہ کی کمی، مسلسل غلامی اور افلاس کی وجہ سے اخلاقی جرأت اور طاقت کا فقدان قوائے علمی کا اضمحلال سب سے بڑھ کر قوت و طاقت رکھنے والے مغرب کا مقابلہ۔ مگر میں مایوس نہیں ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ جلدی نہیں دیر سے ہی ایشیا اپنی منزل ارتقا عروج کو حاصل کر کے رہے گا۔

معزز حاضرین! اس وقت تک آپ نے جو کچھ سنا وہ آپ کے لیے خوش کن اور

مسرت بخش خواب میں چند خطروں اور اندیشوں کو بھی جو ایشیا کے مستقبل سے متعلق مجھے پیدا ہو گئے ہیں آپ کے سامنے رکھنے کی جرات کرتا ہوں۔ گزشتہ دو صدی میں یورپ نے ایشیا پر توپ و تفنگ اور تیغ و خنجر کے ذریعہ جس قدر حملے کیے وہ اتنے مہلک ثابت نہیں ہوئے تھے جتنا اس کے زبان و قلم سے پہنچائے ہوئے زخموں نے ایشیا کو نقصان پہنچایا۔ مغرب کے مدبر صرف شہروں پہاڑوں دریاؤں اور جنگلوں پر اپنے قبضہ کو اتنا اہم نہیں سمجھتے تھے جتنا آپ کے قلب و دماغ پر تصرف ان کے نزدیک اہم تھا چنانچہ مختلف ذرائع سے ایشیا کے قلوب اور دماغ پر قبضہ کیا گیا۔ اور آج ان کے مہلک نتائج کچھ تو ظاہر ہو چکے ہیں اور دور دیکھنے والی آنکھیں زیادہ کی توقع کر رہی ہیں۔ تبدیلی ذہنیت کی اس شر انگیز کوشش کا سب سے پہلا شکار فطرتاً وہ ممالک ہوئے جو یورپ سے زیادہ قریب تھے اور اب آہستہ آہستہ وہ ممالک بھی جو دور ہیں اس کوشش سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔ مشرق قریب میں جو جراثیم ایشیائی دماغوں میں چھوڑے گئے وہ تین قسم کے تھے۔

الف۔ یہ تخیل کہ مذہب مانع ترقی ہے۔

ب۔ وحدت اسلامیہ کے بجائے قومیت پرستی کا تخیل اور اس کے ذریعہ آپس میں تفریق پیدا کرنا۔

ج۔ گراں خرچ مغربی تمدن و معاشرت و بلند تر معیار زندگی کو مفلس و غریب ایشیا کے کندھوں پر لاد دینا

مذہب مانع ترقی نہیں ہے

ابتدائے آفرینش سے آج تک روحانیت اور مذہب پرستی ایشیا کی خصوصیات رہی ہیں اس کا ایک حصہ مغرب نے بھی اپنے ابتدائی دور میں حاصل کیا تھا۔ لیکن عیسائیت کی بگڑی ہوئی

اور مسخ شدہ صورت اس کو کہیں مطمئن نہ کر سکی وہ موجودہ عیسائیت میں اس دنیا کی زندگی کے لیے کوئی سامان نہ پاتا۔ اس کو وحشت ہونے لگتی اور وہ سوچنے لگتا کہ کیا فی الحقیقت کوئی شخص مذہبی رہ کر اس دنیا میں ترقی بھی کر سکتا ہے۔ جب اس کے سامنے یہ تعلیم پیش کی جاتی کہ کوئی تمھارے گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی پیش کر دو تو وہ غور کرتا کہ کیا یہی اصول دربار سیاست میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور ایک صوبہ کے چھیننے والے کی خدمت میں دوسرا صوبہ بھی نذر کر کے اس دنیا زندہ رہنا ممکن ہے جب اس نے موجودہ اناجیل اربعہ اور نغمہ ہائے زبور ہی کو نہیں بلکہ توریت جیسی مفصل کتاب کو بھی جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ عالم بعد الموت ہی کے لیے مخصوص پایا اور عالم ناسوت کے لیے اس میں کوئی مکمل ضابطہ اس کو نہ ملا تو اس کے مدبر دنیا کے دوسرے مکمل الہامی ضوابط پر نظر ڈالے بغیر سمجھنے لگے کہ مذہب مانع ترقی ہے اگر آپ بھی ان کی جگہ اور ان کے ماحول میں ہوتے تو شاید یہی کرتے۔ ایک طرف ان کے مشنریز سارے ایشیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ خرچ کر کے تبلیغ عیسائیت میں مشغول تھے جو ایشیائی قلوب کو مغرب کی طرف مائل کرنے والی ایک سیاسی تدبیر سے کچھ زیادہ نہ تھا اور دوسری طرف یورپ کی درسگاہوں میں مشرقی طلبا کے دماغ لامذہب کی مشین میں ڈھالے جا رہے تھے اور یورپ کو اس کے تجربے نے جو سکھایا تھا وہی اپنے مذہب اور اس تعلیمات سے ناواقف مشرقیوں کو سکھایا جا رہا تھا مسلمان اس تبلیغ سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے نام نہاد ضروریات زمانہ نے بہت پہلے ہی ان کو اپنی مذہبی تعلیم وہی ہے اور آیا موجودہ عیسائیت کی طرح وہ بھی مانع ترقی ہے یا موید ارتقا؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ خدائے عزوجل نے قرآن میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

کہ تمھارے لیے دن اور رات اور چاند اور سورج کو کام میں لگایا مسلمانوں نے بھلا دیا کہ ان کو اشرف المخلوقات ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے بسنے والے سارے انسانوں کے لیے نمونہ اور مثال بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات ارضی ہی کی مخلوقات نہیں بلکہ ان کو بشارت دی گئی ہے کہ کائنات سماوی کی مخلوقات اور خود آسمان ان کے لیے پیدا ہوئے ہیں ان کو یہ جاننے کا موقع نہ ملا کہ فی الحقیقت وہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔ انھوں نے بھلا دیا کہ (لقد کرمنا بنی آدم) کی تفسیر وہی ہیں۔ انھوں نے بھاپ اور بجلی کی کرشمہ سازیوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا۔ حالانکہ ان کو سکھایا گیا تھا کہ مخلوقات عالم پر قبضہ و تصرف ان کی ادنیٰ صفت ہے اور اعلیٰ کوشش اس سے گزر کر خالقِ مخلوقات کو اپنا کر لینا ہے۔

در دشتِ جنوں من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

ان کے سامنے قرآن حکیم آنے والی ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے لیے ایک مکمل نظام و قانون پیش کر رہا تھا لیکن ان کی نگاہ گراں تک کے لیے بند تھی ان کے روبرو قرن اول اسلامیہ کی تاریخ مسلمان کی حقیقی تعریف پیش کر رہی تھی اور بتا رہی تھی کہ مذہب ہی تو وہ طاقت تھی جس نے "شیر شتر" و سوسمار کھانے والے عربوں کو باعث رشک قیصر و کسریٰ بنا دیا تھا۔ وہ بھول گئے کہ یہی دیوان گانِ مذہب تو تھے جنھوں نے چھ سو سال تک ہسپانیہ پر آٹھ سو برس تک ہندوستان پر اور تیرہ سو سال تک بلاد اسلامیہ عرب و عجم پر کامیاب حکمرانی کی۔ ان کو یاد نہیں رہا کہ خود یورپ کے مدبروں نے قانون اسلامی کو رومن لا سے زیادہ مستحکم و مضبوط مانا ہے بشراب مغرب کے نشہ میں وہ

فراموش کر گئے کہ ان کا مذہب دنیا کی ہر تحقیقات جدیدہ اور ہر ترقی کو اپنی منزل مقصود کے لیے ابتدائی قدم بتاتا ہے اور یورپ کا جادوان پر چل گیا ہے۔ لامذہبیت کے اس طوفان میں جو تمام مذاہب عالم کو یکساں متاثر کر رہا ہے یہ خیر الامم بھی چلی جا رہی ہے اور اپنی منزل سے بے خبر ہے یہ وہ عظیم الشان خطرہ ہے جس نے مشرق قریب کے بلاد اسلامیہ کو گھیر لیا۔ اور اب ہندوستان کی طرف سرعت سے بڑھ رہا ہے۔ علمائے دین اپنی حالتوں میں مست اور اس خطرے سے بے خبر ہیں اور نوجوان اپنی عظمت سے مرعوب چوندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر اس شر کو اپنے لیے خیر سمجھ رہے ہیں وقت ہے کہ ہم بیدار ہو جائیں اپنے دین کا قرآن مجید کی روشنی میں مطالعہ کریں اور سوچیں کہ کیا فی الحقیقت ہمارا دین بھی مانع ترقی ہے اگر نہیں ہے بلکہ موید ارتقا ہے تو یورپ کو سنا دیں کہ تیرا نظریہ اپنے دین کے پیش نظر درست لیکن اسلام کی موجودگی میں غلط ہے۔ اگر تذکیہ نفس اور سیاست مدن کو ساتھ ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو آ ـــــ اور دامن اسلام میں پناہ گیر ہو پھر دیکھ کہ مذہب ہی نے سامان ترقی پیدا کیے تھے اور اب بھی کر سکتا ہے۔

قومیت اور اسلامیت متحدہ

ہندوستان کی قومیت متحدہ کی ضرورت ہے لیکن وہاں مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونے والی ذہنیت ترقی کر رہی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کو میں یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ بیرون ہند کی مسلمان جماعت سے رشتۂ اخوت برقرار رکھتے ہوئے ہندوستان کا ان پر حق ہے کہ یہاں کی دوسری اقوام کے ساتھ شیر وشکر ہو جائیں اور ایک قومیت متحدہ "ہندوستانی" کے نام سے پیدا کر دیں۔ لیکن مشرق قریب میں جہاں اس کی ضرورت نہیں تھی ان کو صرف . . . . ایک ہی تخیل درکار تھا اور

وہ اسلامیت کا تخیل ہو سکتا تھا۔ اسلام کی صدائے پر محبت یورپ کے کانوں میں ہمیشہ صورِ اسرافیل بن کر پہنچی اور اس نے ہر زمانے میں یہ محسوس کیا کہ جب تک یہ یقین موجود ہے مشرق پر اس کی کامیابی محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کی درسگاہوں اور اس کے مشنریز کے ذریعہ مشرقِ قریب کے فرزندوں کو مذہب کے مانع ترقی ہونے کا درس ملا۔ وہیں عرب کے دلوں میں عربیت اور کردوں کے قلب میں کردیت کا خیال پیدا کیا گیا۔ ترکوں کو سکھایا گیا کہ تم پہلے ترک ہو پھر مسلمان۔ یعنی کہ سیاست میں تو ان پر حکمرانی کرو اور تمدن و معاشرت میں غلامی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ شریف حسین کی رابطہ اسلامیہ کی بجائے اتحادِ عربیہ کی ناپاک کوشش نے سلطنتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ جس پاسپورٹ پر آج سے دس سال قبل صرف ترکی قونصل کا ویزا، حجاز، فلسطین، مصر و شام اور عراق و ترکیہ کی سیاحت کے لیے کافی ہوتا تھا آج ان ہی ممالک کے داخلہ کے لیے میرے پاسپورٹ (۶) ویزا موجود ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس قدر تباہی کے بعد بھی یہ ذہنیت برابر ترقی کر رہی ہے اور اسلامیہ متحدہ کی وہ بنیادیں جو تیرہ سو سال قبل رکھی گئی تھیں متزلزل ہو رہی ہیں اور پارہ پارہ ہو جانے والی طاقتیں یورپ کے لیے سامانِ تسلط فراہم کر رہی ہیں۔ میرے نزدیک پہلے بھی مسلمانوں کی ترقی کا راز اجتماعیت اسلامیہ میں تھا اور آج بھی ہے۔

تقلید کورانہ مغرب

جنگ عظیم کے ہنگامہ رستخیز نے جب ایشیا کو اپنی گراں خوابی سے بیدار کیا تو ان برسوں کے سوئے ہوؤں نے آنکھوں کو ملے بغیر اس سمت میں نظر ڈالی جدھر سے یہ عجیب آوازیں آ رہی تھیں اور پردۂ آتش و دخان کو چاک کر کے جب یورپ کو دیکھا تو عجیب عالمِ عظمت و جلال نظر آیا۔ جس چیز پر نظر پڑ جاتی تھی کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است۔ اسی

صدیوں کے پابہ زنجیر غلام نے اپنے آقا کے گھر کی یہ رونق دیکھی تو تمدن و تہذیب مغرب کی ترقی کے ان نتائج کو سبب ارتقاء سمجھا اور حقیقی اسباب سے قطع نظر کر کے خود بھی ظاہری ورثہ بننے کی کوشش کی جو یورپ سالہا سال کے بعد بن سکا ہے۔ اپنی جیب کے وزن کا اندازہ کیے بغیر معیار زندگی کو بلند کرنے لگا۔ اپنی سوانحی حالات و سادہ معاشرت اس کو ذلیل نظر آنے لگی اور اس کی ما یحتاج کے لیے بھی ناکافی آمدنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے کمروں کی سجاوٹ اپنے مکان کی آرائش اور اپنے جسم کی زینت پر صرف ہونے لگا۔ اس کے عمل کی قوتیں اسباب ترقی کو تلاش کرنے اور حاصل کرنے کی بجائے نتائج ارتقاء تہذیب کو حاصل کرنے میں صرف ہونے لگیں۔ اس کے دو برے نتائج مرتب ہوئے ایک یہ کہ دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے مشرق اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کے لیے ان ہی کا محتاج ہو گیا۔ دوسرے آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے اس کو بے انتہا مالی مشکلات کا شکار بنا دیا۔ آج وہ بظاہر مہذب ممالک مغربیہ کی سی زندگی بسر کر رہا ہے لیکن کیا ہم اس سے پوچھیں کہ اس کا دل مطمئن بھی ہے۔ مجھے اپنی اس حیثیت کے تجربہ کی بنا پر یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ مشرق کے فی صدی پچانوے مغرب پرست فرزندوں کو میں نے قرض کی زنجیر میں گرفتار پایا۔

یہ امر مسلمات سے ہے کہ ہر تخریب اپنے بعد ایک تعمیر کی بنا ہوتی ہے اور خرابی ایک تجربہ ناخوشگوار کے بعد سامانِ بیداری فراہم کر دیتی ہے۔ لیکن بعض بیمار ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی نقاہت و ناتوانی کسی مزید اضافہ مرض کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ایشیا ایک ایسا ہی بیمار ہے اس لیے یہ کہہ دینا کہ وقت خود بخود علاج کر لے گا میرے خیال میں صحیح نہیں ہے ضرورت ہے کہ ایشیائی اقوام اس خطرے کو محسوس کریں اور جلد سے جلد آمد و خرچ میں توازن قائم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

حضرات. میں نے آپ کا بہت وقت لیا ہے اور نہیں جانتا کہ ایک بھی ایسی بات پیش کی ہو جو آپ کی معلومات میں اضافہ کرے. بہرحال خوش ہوں کہ میں نے ایک محترم کرم فرما کے حکم کی تعمیل کی اور ہندوستان کے قدیم ترین دار السلطنت میں اپنے احساسات و تاثرات حیثیاتی کو پیش کرنے کا موقع حاصل کیا. جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میری دکھنی زبان نے اردو کی اس ٹکسال میں کیسی بدکیفی پیدا کی ہو گی تو افسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ کا وقت خراب کیا.

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

مجلہ مکتبہ شمارہ (۳) جلد (۱۰)
ایڈیٹر (پروفیسر) عبدالقادر سروری بابت امرداد ۱۳۴۲ ف م ماہ جون ۳۴ء
مقام اشاعت: حیدر آباد

The Hindustan Times Saturday, March 25, 1933.

SWADESHI AND ASIATIC AWAKENING

Gandhiji's Gospel Practised in other Lands

NAWAB YAR JUNG'S TRIBUTE

Spirited Appeal to Youth of India.

DELHI, Friday.

"Whilst other Asiatic nations of the world such as Turkey, Egypt, Persia and Afghanistan have vigorously carried out the message of Mahatma Gandhi it is deplorable that India, the birth-place of Gandhi has not yet fully realised the significance, the effect and strength of his message regarding patronising Swadeshi and National Education".

Thus said Nawab Bhadur Yar Jung of Hyderabad in the course of a most illuminating and impressive speech delivered in expuisite Urdu, at the Arabic College Hall to-night

Sir Mohammad Yakub, M.L.A. presided at the meeting and the spacious hall was packed to overflow. The speech which lasted for 1½ hrs. was occasionally interrupted with defeaning cheers and the speaker was requested to deliver another speech on the subject.

Sir, Mohammad Yakub in his preliminary remarks said the subject of the speech was of great interest to India and especially Islam as the progress of Islam was based on travel and adventure and the speaker who had widely travelled in Asia was going to relate his impressions about the awakening of Asia.

Nawab Bahadur Yar Jung at the outset traced the downfall of Asia and Asiatic civilization at the end of the 18th century. This period said the speaker was an unhappy period in the history of Asia, when the Mogul, the Turkish and Persian powers began to fall, and it was at this period that Europe got a chance to interfere in Asiatic affairs. The first success of Europe was her victory over India and her desire to keep India permanently under her thum necessitated many other schemes, such as the Suez Canal etc., which further strengthened the hold of Europe over Asia and the "Lure of Golden India" was mainly responsible for it.

Clash of Civilisations.

The most dangerous attack on Asia was the invasion of European civilisation on Asiatic civilisation and it reached its climax before the Great War 1914. The Great War, however, served as an eye-opener to Asiatic nations and it was the signal for a revival of the spirit of freedom and heroism which took its birth in Kemal Pasha in Turkey in

Zaghlol in Egypt,in Riza Khan in Persia and in Lok. Tilak and Mahatma Gandhi in India and in Lenin in Russia. White Russia, Turkey, Afghanistan and Persia came out rejuvenated after the Great War, India Palestine, Mesopotamia, etc , did not succeed because of mutual jealousies, strife and discord among their people.

Key to Success.

The unity of through and unity of action, which served as the key to success in other countries was hopelessly lacking in India and the result was inevitable.

Continuing, he said it was not only political wisdom, but love for national education, love for swadeshi, the desire to improve economic condition, etc., that made Turkey, Persia, etc., what they are to-day. "Economic strength is a great factor in political progress and it is the economic strength of Japan, an Asiatic chela of Europe which has made it so bold as to flout the League of Nations to-day. (Cheers)

Tribute to Gandhiji.

Continuing, the speaker related at length the increasing love for swadeshi in Asiatic countries that he visited. He said while in Egypt Nahas Pasha, the Egyptian Premier told him. "I love Gandhi because he has given birth to the gospal of Swadeshi". (Cheers.) The speaker added that in Afghanistan and Persia he saw wonderful in-stances of perfect swadeshism in practice The whole Afghan army was dressed in Afghan-made clothes.

The speaker also paid a touching tribute amid cheers, to the work of Amanullah for the progress of Afghanistan by the gospet of Swadeshi and national education and felt sorry that Amanullah fell a victim to Mullah fanaticism by making education compulsory, while he had not proper win to introduce it. The schools run by Mullah as served as centres of revolt.

Advice to Youth.

Concluding he made a very Impressive appeal to the youth of India telling them to forget three wrong impressions of European civilisation on India, namely, (1) that religion was deterimental to political progress, (2 that life and progress lay in fighting among ourselves and (3) that by blindly following Europe they could also achieve what Europe had done.

These three wrong impressions he said were ruining India and Asia and the earlier the youth were warned of this danger, the better it would be for future generations. (Loud applause).

The President and Khwaja Hasan Nizami thanked the learned speaker for his illuminating address

مصر

سیاحت مصر کا روزنامچہ تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوا۔ مگر دوران تلاش میں سیاحت مصر پر قائد ملت کا خود نوشتہ وہ جامع نوٹ مل گیا جو آپ نے مصر کے دوران قیام میں روزنامہ رہبر دکن کے لیے مرتب فرمایا تھا۔ اس نوٹ کو یہاں بجنسہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ روزنامچہ کی عدم دستیابی کے باعث سفرنامہ کی گمشدہ کڑیوں کی بوجہ احسن تکمیل ہو سکے۔ (مرتب)

جغرافیہ

دنیا کے نقشہ پر افریقہ کے شمال اور طرابلس الغرب کے مشرق میں سوڈان سے متصل بحر ابیض کے جنوب میں مشرقی کنارہ نہر سوئیز کے ذریعہ جو سرزمین بر اعظم ایشیا سے جدا ہوتی ہے اسی کا نام مصر ہے جس کا رقبہ مملکت آصفیہ سے $4\frac{1}{2}$ گنا بڑا (یعنی تین لاکھ تراسی ہزار میل مربع) لیکن آبادی ممالک محروسہ سرکار عالی کی آبادی کے تقریباً برابر یعنی ایک کروڑ ستائیس لاکھ ہے جس میں صرف گیارہ لاکھ نصاریٰ اور یہود اور باقی سب مسلمان ہیں۔

مصر کی ساری رونق اور اس کی تمام قدر و قیمت صرف دریائے نیل کی مرہون منت ہے جو اس کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیراب کرتا چلا گیا ہے۔ مصر میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ یہاں کا واحد ذریعہ آبپاشی دریائے نیل کی طغیانی ہے جس کی تاریخیں ایک مصری ملاح اسی طرح انگلیوں پر گنتا رہتا ہے۔ جس طرح دکھنی کاشتکار

روہنی اور مرگ کی کارنیوں کا منتظر رہتا ہے۔ دریائے نیل کی طغیانی سے ایک خاص قسم کی مٹی میدانوں میں پھیل جاتی ہے جس سے زمین زرخیز اور کاشت کے قابل لحاظ اضافہ ہوتا ہے۔ مصر کی اہم پیداوار روئی ہے جو لمبے ریشے اور ملائمت کے باعث ساری دنیا میں مشہور ہے ہر قسم کا میوہ اور ترکاری بھی پیدا ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ گیہوں، جو، مکائی اور چاول کی کاشت بھی ہوتی ہے امرا اپنے باغوں میں آم کے درخت بھی لگا رکھے ہیں۔ میں غریب الدیار اپنے سفر کے میں آموں سے محروم ہوں لیکن عبدالملک خطیب پاشا سفیر حجاز نے تازہ آموں کا شربت پلایا جو نعمت غیر مترقبہ تھا۔

مصر کا موسم معتدل ہے۔ سرما کی تو سب تعریف کرتے ہیں کہ خوشگوار ہوتا ہے لیکن میں یہاں کے شدید موسم گرما میں ہوں اور گرمی ایسی ہے جیسی ہمارے ہاں اوائل ماہ اردی بہشت میں ہوتی ہے۔

تاریخ مصر کا تمدن اور اس کی تاریخ اتنی قدیم ہے کہ اس مختصر سی یادداشت میں مفصلات کا ذکر کیا مجملات کی بھی گنجائش نہیں۔ یہ سرزمین بے شمار تاریخی ادوار کا مرقع ہے۔ فراعنہ کی عظمت کے مٹے ہوئے نشان یہاں پائے جاتے ہیں۔ ان تمدن سے حکمائے یونان کی خوشہ چینی کی یادگاریں بھی ملتی ہیں۔ قرطاجنہ اور روما کے استبداد کا زمانہ بھی اس پر گزر چکا۔ خلفائے راشدین کی خلافت بنو امیہ کی سیاست بنی عباس کی شوکت فاطمیین کی عیش پسندی اور ترکوں کی جنگجوئی کے دور بھی اس کو یاد ہیں۔ نپولین کے تاخت و تاراج کی داستان بھی اس نے فراموش نہیں کی ہے اور اب برطانوی استعماریت کا شکار ہے۔

موجودہ سیاسیات شاہ فواد اول کو قدرت کے پر اسرار ہاتھوں نے اٹلی کی

ہوٹلوں سے لاکر قصر عابدین میں متمکن کیا ۱۹۲۴ء پارلیمان کے قیام اور نفاذِ دستور کے سلسلہ میں سعد زاغلول پاشا کی مساعی مشکور ہوئیں۔ سیاسی اصطلاح میں مصر ایک دستوری حکومت ہے برطانیہ کے زیر استنداب ہے۔ اس کی پارلیمان دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک مجلس النواب (دار العوام) اور دوسرے مجلس الشیوخ (دار الامراء) ایک مجلس الوزراء (مجلس تنفیذیہ) بھی ہے جس کا صدر رئیس الوزراء (صدر اعظم) کہلاتا ہے۔ اور وزراء مجلس النواب و مجلس الشیوخ کے سامنے جواب دہ ہے۔ حسن اتفاق سے میرے زمانہ قیام میں بمقام قاہرہ مصری پارلیمان کا افتتاح عمل میں آیا۔ مجھے اس کی کاروائیاں دیکھنے کا موقع ملا۔

۲۰ر جون ۱۹۳۱ء کو قصر عابدین سے برلیمان (پارلیمنٹ) جانے والی شاہراہوں پر فوجی انتظامات شروع ہوئے۔ قاہرہ کے اطراف و جوانب سے لوگ اس قومی رسم کے مظاہرہ کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ہر چوراہے پر بیانڈ اور مقامی باجے سلامی کے وقت سامعہ نوازی کے لیے مہیا کیے گئے تھے۔ ۹ بجے توپوں کی گرج نے قصر عابدین سے بادشاہ کی برآمدگی کی خبر دی۔ ایک سنہری شاندار گاڑی میں جس کو آٹھ گھوڑے کھینچ رہے تھے جلالۃ الملک شاہ فواد اول سوار تھے اور ان کے بازو اسمٰعیل صدقی پاشا رئیس الوزراء بیٹھے تھے۔ شاہی سواری کے آگے پیچھے سفید لباس میں سفید گھوڑوں پر سوار مختصر باڈی گارڈ تھا۔ بادشاہ بھی سفید فوجی لباس میں تھے۔ جب ان کی گاڑی قریب پہنچی تو "یعیش جلالۃ الملک" اور "یعیش ولی عہد" کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ ایک دو آوازیں "یحیی صدقی پاشا" کی بھی آئیں لیکن اس طرح جیسے بھنچے ہوئے گلے سے نکل رہی ہوں۔ آدھ گھنٹہ کے بعد پارلیمان کا افتتاح کرکے بادشاہ قصر عابدین کو واپس ہوئے۔ افتتاح کے تیسرے روز میری تحریک پر وزارت اعظمی کے دفتر سے مجھے پارلیمان کے معائنہ کی اجازت ملی۔ اور ۲۴ر جون کو شام

کے ادیب احمد بک کامل مدیر ادارہ امن العام کے سکرٹیری مجھے لینے کو آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ برلیمان حکومت نے بطور خاص میرے استقبال و معائنہ کے احکام دیئے تھے۔ خود ارکان مجلس النواب و مجلس الشیوخ کی موٹروں کے برخلاف جو باہر دروازہ ہی پر چھوڑ دی جاتی ہیں میری موٹر پورٹیکو تک لائی گئی۔ پارلیمنٹ کے سکرٹیری نے استقبال کیا اور حکومت کے خاص مہمانوں کے برآمدہ میں مجھے بٹھایا گیا۔ مجلس النواب اور مجلس الشیوخ کے لیے علیحدہ علیحدہ اجلاس ہوتے ہیں۔ کارروائی کے ابتدائی دن ہیں اس لیے کوئی مباحثہ جاری نہیں تھا بلکہ مختلف مسائل کی تحقیقات و ترتیب کے لیے سلکٹ کمیٹیاں منتخب کی جا رہی تھیں۔

مصر اپنے دوسرے ہمسایہ ممالک کی طرح بہت اہم داخلی سیاسی دور سے گزر رہا ہے یہاں فی الحال پانچ سیاسی جماعتیں ہیں۔ وفدی، احرار دستوری۔ اتحادی۔ وطنی اور شعبی سب سے قوی اور با اثر جماعت وفدیوں کی ہے جس نے سعد زاغلول پاشا کی زیر قیادت مصر کے لیے ۱۹۲۴ء میں دستور حاصل کیا اور اب تک استقلال کاملہ کے دعاوی کے ساتھ برسرپیکار ہے اور حزب الشعب سب سے آخری جماعت ہے جو صدقی پاشا نے اپنی حکومت کی تائید کے لیے حال میں ترتیب دی ہے۔ قیام مجلس النواب کے بعد سے کچھ دنوں قبل تک ملک پر وفدی جماعت ہی کی حکومت تھی۔ ایک مسودہ قانون پر مصطفےٰ نحاس پاشا موجودہ رئیس جماعت وفد نے بادشاہ سے ناراض ہو کر وزارت سے استعفا دے دیا۔ عام خیال یہ تھا کہ کوئی شخص وزارت قبول نہیں کرے گا، اور مجبوراً بادشاہ کو نحاس پاشا کی پیش کردہ شرائط تسلیم کر کے وزارت ان کے سپرد کرنی پڑے گی۔ مگر حزب الاحرار کے ایک سابق وزیر اسمٰعیل صدقی پاشا نے اپنی جماعت اور وفدیوں کے خلاف نہ صرف وزارت

قبول کرلی بلکہ جبر و استبداد اور قوت کے ذریعہ اس کو ایک حد تک مستحکم بھی کر لیا۔ وزارت کے ہاتھ سے جانے کے باوجود مجلس النواب اور مجلس الشیوخ میں وفدیوں کی اکثریت تھی اور وہ صدقی پاشا کی ہر تجویز کی مخالفت کر کے بلکہ کئی دفعہ اس پر بے اعتمادی کا ووٹ پاس کر کے اس کی حکومت کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ اس پرلمان کے انتخابات میں جس کے افتتاح کا ذکر اوپر ہوا صدقی پاشا نے حکومت کی پوری قوت وفدیوں کے خلاف برتی اور گو سارا ملک چیختا رہا کہ یہ ظلم ہے جبر ہے لیکن اس نے ایک نہ مانی اور ایسا انتخاب کرایا کہ دونوں مجلسوں میں ایک بھی وفدی یا احراری نظر نہیں آتا۔ سوا الضیاء کے جس کے منہ پر بقول مصطفےٰ نحاس پاشا مہریں لگا دی گئی ہیں۔ وفدیوں کے تمام اخبار مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ وفدیوں کے کلب اور بیت الامہ (زاغلول پاشا کا گھر) پر ہر وقت پولیس کا پہرہ لگا رہتا ہے۔ وفدی جیل خانوں میں جا رہے ہیں، پٹ رہے ہیں اور مر رہے ہیں مگر اپنی کوششوں میں استقلال کے ساتھ مصروف ہیں۔ حزب الاحرار اور وفدیوں کے درمیان اختلاف تھا لیکن صدقی پاشا کی مخالفت نے ان کو متحد ہونے پر مجبور کر دیا۔ اہل ملک مصطفےٰ نحاس پاشا سے بہت محبت کرتے ہیں جس کے کئی والہانہ مناظر میری آنکھوں نے دیکھے ہیں۔

سکہ مصر اپنا سکہ رکھتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۵ ملیم	ایک تعریفہ
۲ تعریفے یا ۱۰ ملیم	ایک غرش صاغ
۵ غرش صاغ	ایک شلن (شلنگ)
۴ شلنگ یا ۲۰ غرش صاغ	ایک ریال

۵ ریال یا ۱۰۰ غرش صاغ — ایک لیرا

ایک لیرا مصری — ایک گنی اور ایک پنس انگریزی

گویا ایک غرش صاغ جو یہاں کا سب سے زیادہ چالو سکہ ہے ۲½ آنہ کلدار کے برابر ہوتا ہے اور ۷ غرش صاغ ایک روپیہ کلدار کے برابر ہوتے ہیں.

ٹکٹ مصری حکومت کا ٹکٹ بھی ہے جس پر اہرام ابوالہول اور دوسرے مصری قدیم آثار اور خود بادشاہ سلامت کی تصویریں بنی ہوئی ہیں.

فوج مصری فوج کی تعداد سات ہزار ہے لیکن ملک میں تقریباً اتنی ہی فوج انگریزوں نے مختلف حیلوں سے رکھی ہے. خود قاہرہ کی گرد میں انگریزی فوجوں کی ویسی ہی چھاؤنیاں ہیں جیسی بلارم اور سکندرآباد میں (حیدرآباد سے متصل) برار، کڑپہ اور بلاری کا تون پچس کر لیے ہوئے آستین کے سانپ لہرا رہے ہیں. مصر میں فوجی تعلیم جبری قرار دی گئی ہے ایک معینہ عمر تک ہر فلاح کا لڑکا سپاہی بننے پر مجبور ہے. ایک حربی درسگاہ بھی ہے جہاں فنون حرب کی تعلیم مصر کے سپوتوں کو انگریز ماہرین دیتے ہیں. گویا مچھلی کا بچہ مگرمچھ سے تیراکی کا سبق لے رہا ہے. فوج اور پولیس کے اعلیٰ افسر عموماً انگریز ہیں دوسری حکومتوں میں مصر کے سفیر برائے نام ہیں جن کا کام عموماً پاسپورٹ پر مہر و دستخط کرنے کے سوا اور کچھ نہیں. مجھے تو یہ شرف بھی حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا. بمبئی کے ہائی کمشنر پولیس نے لکھ دیا تھا کہ ایک سال تک یہ مصر میں جتنی دفعہ چاہیں جا سکتے ہیں. اس لیے مصر کے دروازے میرے لیے کھلے تھے. میں نے جہاں تک غور کیا مصر کا سیاسی مرتبہ مجھے حیدرآباد سے کچھ زیادہ بلند معلوم نہ ہوا. اگر کچھ امتیازات نظر آتے ہیں تو وہ محل وقوع اور شکاریوں کی باہمی رقابتوں کا نتیجہ ہیں جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے حیدرآباد کو نصیب نہیں ہے.

تجارت صنعت و حرفت اور زراعت

جب ترکی سے یونانیوں کا دیس نکالا ہوا تو انھوں نے اپنے ڈیرے جما دیے
نپولین نے فرانسیسیوں کے قدم پہلے ہی سے مضبوط کر دیے تھے۔ اٹلی کا اس پر حق تھا کلیوپیٹرا کی داستان کا ایک ایک حرف امتداد زمانہ کے باوجود اسکندریہ کے در و دیوار پر منقوش ہے اور سکندر اعظم کی ہڈیاں ہنوز مصر کی سرزمین میں دفن ہیں۔ یہودیوں کو دنیا کے کسی ملک کی تجارت میں دخل نہیں ہے جو مصر ان کی چنگل سے محفوظ رہ جاتا۔ رہ گئے انگریز ان کی بلا ہی زد رہے۔ الغرض تجارت کے ان عناصر خمسہ نے مصری تجارت کو اپنا اجارہ بنا لیا ہے۔ مصری بھی تجارت کرتے ہیں لیکن ویسی ہی جیسی ہندوستان میں مسلمانوں کی تجارت۔ مصر میں امام دین اینڈ سنز ٹیلرز، عبد الرسول کشمیری اور بھوڈل برادرس کی بڑی بڑی دکانوں کو دیکھ کر مسرت ہوئی اور بھی کئی ہندوستانی ہندوؤں اور مسلمانوں نے یہاں تجارت قائم کر کے مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔

مصر کی زندگی بہت مہنگی ہے۔ اشرفیاں اتنی تیزی سے خرچ ہوتی ہیں کہ ہمارے یہاں روپے بھی اتنی جلدی صرف نہیں ہوتے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بہ لحاظ قیمت یہاں کا سکہ بڑا ہوتا ہے۔ سب سے چھوٹا سکہ "تعریفہ" ہے جو کلدار ایک آنہ سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ پیسہ اور پائی کا تو ذکر ہی نہیں۔

مصر کی درآمد ہونے والی اشیاء میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جن کی ایک متمدن ملک کو ضرورت ہے اور جن کے ذریعہ مشرق کی دولت مغربی ممالک میں منتقل ہو سکتی ہے۔ برآمد میں سب سے بڑی چیز روئی۔ لیکن اس سال اس کے بھی لالے پڑے ہیں اور فلاح پریشان نظر آتے ہیں کیوں کہ انگریزی حکومت نے سوڈان میں مصری کے جیسی عمدہ روئی

کی کاشت کا انتظام کرلیا ہے اس لیے مانچسٹر اور لنکا شائر میں مصری روئی کی ویسی مانگ نہ رہی جیسی پہلے تھی۔ گزشتہ سال کی پیداوار کوٹھوں میں بھری پڑی ہے اور سال حال کی فصلیں کھیتوں میں لہرا رہی ہیں۔

مصر کی صنعت کے متعلق کچھ نہ لکھنا ہی بہتر ہے۔ اپنے پندرہ روزہ قیام کے دوران میں مجھے صرف تین چار بلند چمنیاں نظر آئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک دو تو سگریٹ سازی کے کارخانے ہیں اور ایک دو کپڑا بننے یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ روئی صاف کرنے کی گرنیاں ہیں حکومت نے بھی اب تک کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ مغربی کپڑے کے مقاطعہ کی تحریک جو وفد یوں نے آغاز کی ہے ممکن ہے صنعتی ترقی کا باعث بنے۔

مصر زراعتی ملک ہے اور وہاں کی زراعتی حالت نہایت ہی اطمینان بخش ہے۔ دریائے نیل سے مختلف چھوٹی چھوٹی نہریں نکال کر ملک کے اطراف و جوانب کو سیراب کیا گیا ہے اور ملک کی تمام دیہاتی آبادی زراعت پیشہ ہے۔ سب سے اہم زراعت روئی کی ہے خریف و ربیع عموماً یہی دو فصلیں ہوتی ہیں اور زمین بھی ہمارے یہاں کے مرہٹواڑہ علاقہ کی طرح سیاہ ہے۔ روئی کی عمدہ قسم کے اسباب جہاں اچھی اراضی اور آب و ہوا کا اعتدال ہیں وہیں حکومت کی نگرانی بھی ایک بڑا سبب ہے۔ کاشت کے لیے سب سے اہم چیز بیج ہے اور حکومت نے اس کی تقسیم اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ خراب بیج تلف کیا جاتا ہے اور صرف عمدہ اور درجہ کا تخم بلحاظ رقبہ اراضی رعایا میں تقسیم کیا جاتا ہے اب ہندوستان نے اس طرف توجہ کی ہے اور حیدرآباد میں بھی اس غرض کے لیے ماہرین کی خدمات حاصل کی ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ یہ مساعی مشکور ہوں گی۔

طرز معاشرت مصر اور دیگر بلاد اسلامیہ کی طرز معاشرت میرے خیال میں

ایک مستقل عنوان ہے جس کی تفصیل یہاں باعث طوالت ہوگی۔ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی دیہاتی اور شہری زندگی میں بہت بڑا فرق ہے۔ مصر کا فلاح (کاشتکار) مشرقی تہذیب کا نمونہ اور اسلامی سادگی پر معمل نظر آتا ہے اس کے پست لیکن پختہ اور صاف ستھرے مکان میں اگرچہ کوچ کرسی نے دخل پالیا ہے لیکن وہ خود اور اس کے بیوی بچے فرش پر بیٹھتے ہیں اور کھانے میں کانٹے چھری کا استعمال بھی نہیں کرتے۔ اس کی بیوی قدیم وضع کا عربی ڈھیلا ڈھالا ٹخنوں تک لٹکتا ہوا لباس پہنتی ہے سر اور چہرے کے سوا کوئی عضو بدن عریاں نہیں۔ باہر جاتی ہے تو سر پر سے بھی ایک شال اوڑھ لیتی ہے۔ وہ خود پنڈلیوں سے اونچا ایک پاجامہ پر ٹخنوں تک لٹکتا ہوا ایک ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنتا ہے کمر پر لمبا پٹکا باندھتا ہے اور کبھی اس کرتے پر کوٹ بھی پہن لیا جاتا ہے لیکن شہری زندگی خصوصاً مصر میں زیادہ گراں اور مغرب زدہ ہوگئی ہے۔ مرد تقریباً سوٹ پہنتے ہیں۔ عورتیں پیرس کے جدید سے جدید فیشن کا نیم عریاں لباس پہنتی ہیں۔ معیارِ حیات کے بلند ہونے سے زندگی بہت گراں ہوگئی ہے۔ دربان ۳ یا ۴ گنی اور موٹر ڈرائیور ۸ یا ۱۰ گنی ماہوار تنخواہ سے کم نہیں قبول کرتا۔ غریب سے غریب مصری کے گھر میں بھی ایک ڈرائینگ روم اچھی طرح آراستہ ہوتا ہے۔ مصری عورت فلسطینی عورتوں جیسی تو نہیں لیکن سلیقہ شعار اور صفائی پسند مگر مشرف ہوتی ہے۔

مصری عورتوں نے پردہ قطعاً اٹھا دیا۔ جدید تعلیم یافتہ عورتوں اور یورپ کی ایک فیشن ایبل خاتون میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ شام کے وقت حدیقۃ الحیوانات میدان ابراہیم پاشا اور نیل کے کنارے اس کے حسنِ نیم عریاں کی تماشاگاہیں ہیں مغربی وضع کے ترشے ہوئے بال، ہونٹ اور گال کی مصنوعی سرخی کھلے بازو، کبھی ہم رنگ

چست ریشمی پاتابوں میں کبھی زانوں تک عریاں پاؤں، اونچی ایڑیوں کی جوتیاں پہنے آج کل کی نوجوان معری بیٹیاں اور آنے والی نسلوں کی مائیں اپنے حسن کی نمائش کرتی پھرتی ہیں۔ ایسے حیا سوز مناظر کم از کم مجھ جیسے قدامت پسند مشرقی کو تو غرقِ ندامت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اس کے باوجود مصر میں اب بھی گھٹنوں تک اٹھا ہوا چست سیاہ ریشمی برقعہ پہننے والیوں کی کمی نہیں ہے جو نقاب اوڑھ لیتی ہیں۔ لیکن نقاب نہایت مہین سیاہ جالی کا ہوتا ہے اور ناک سے نیچے صرف شہابی ہونٹوں اور زنخداں کی پردہ داری کرتا ہے ناک پر بدنال کی ایک خوبصورت نلکی سونے اور چاندی کے حلقوں سمیت بندھی ہوئی ہوتی ہے جس کے دونوں طرف سرمے سے نہیں بلکہ کاجل سے تیز کٹے ہوئے دشنۂ مژگان مشقِ ناز کرتے ہیں۔

زبان مصریوں کی عام زبان عربی ہے۔ جو فرانسیسی، انگریزی اور ترکی سے اس طرح مخلوط ہو گئی ہے اور تخفیف و سکون کا عمل اس بے دردی سے کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے عالم کے لیے بھی قاہرہ کے کسی تعلیم یافتہ معری کی زبان سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ مصری (ق) کا تلفظ (ء) ہمزہ سے (خ) کا (گ) سے اور (ث) کا (ت) سے کرتے ہیں۔ گویا اصل کو رگل۔ قوی کو ردی اور ثلث کو تلت کہتے ہیں۔ مصر میں عربی کے اور فرانسیسی عام طور پر سمجھی اور بولی جاتی ہے اور اب انگریزی جاننے والوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ فرانسیسی زبان کا اثر لباس کی طرح عورتوں ہی پر سب سے زیادہ ہے۔ مصری تعلیم یافتہ عورت عربی سے زیادہ فرانسیسی بولتی، لکھتی اور سمجھتی ہے ام المصریین صفیہ زغلول خانم نے مجھے اپنی تصویر دیتے ہوئے پوچھا کہ اس پر کس خط

میں دستخط کریں. میں نے کہا عربی مجھے سب زبانوں سے زیادہ محبوب ہے. انھوں نے عربی خط میں مجبوراً دستخط کیے لیکن خط ایسا جیسے بچّوں کا ہوتا ہے اور جب تاریخ لکھی تو وہ صفر کے نیچے اخبار سے دیکھ کر لکھے. حالانکہ ان سے بڑھ کر فرانسیسی کسی عالم اور ذی مرتبت مصری عورتوں میں کیا مردوں میں بھی مشکل ہی سے کوئی ہوتا.

اخبار المعظم (مصر کا مشہور اخبار) کے عرب مسیحی ایڈیٹر کی صاحبزادی سے جو فلسطین کے سابق ڈائرکٹر جنرل سررشتۂ تعلیمات مسٹر جارج انتونیو (عرب مسیحی) کی بیوی ہیں ملاقات ہوئی انھوں نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کی اور کہا کہ ان کی عربی بہت ناقص ہے (حالانکہ زبان و معاشرت کے لحاظ سے مصر اور فلسطین کے ایک مسلمان عرب یا ایک مسیحی عرب میں کوئی فرق نہیں ہے)

غذا دوسرے عربی ممالک اور مصر کی غذا میں بہت کم فرق ہے. روٹی بڑی کی طرح سے پکائی جاتی ہے اور عموماً تنوری ہوتی ہے. پراٹھا یا ہندوستانی چپاتی کہیں دیکھنے میں نہیں آئی. کھیرے، بیگن، ٹماٹے اور بڑی سے بڑی مرچوں میں ابلے ہوئے چاول اور برائے نام قیمہ بھر کر بھی پکایا جاتا ہے. ایک قسم کا لیس دار لیکن بے مزہ سالن جو اباڑہ سے مشابہ ہے بڑے اشتیاق سے کھایا جاتا ہے. ہر چیز اُبلی ہوئی. بھوننے یا بگھارنے کے طریقہ سے یہاں کے لوگ قطعاً واقف نہیں. چاول پکائے جاتے ہیں لیکن اول تو عمدہ چاول میسر ہی نہیں آتے پھر اس کو پکایا بھی ٹھیک نہیں جاتا. مرغ اور مچھلی یورپی طرز پر آلو یا انڈے میں چیر کر پکاتے ہیں. آج کل یہاں تربوز کی بھرمار ہے. بازار، گلیاں اور کوچے تربوز سے بھرے نظر آتے ہیں، اور ہر دعوت میں کھانے کے بعد تربوز ایک لازمی عنصر ہے. یوں بھی آپ کسی سے ملنے جائیے تو قہوہ اور افشردہ کے ساتھ

بلیغ یا حجاز کی اصطلاح میں جب جب آپ کی خدمت میں ضرور پیش کیا جائے گا اور جبراً کھلایا جائے گا۔

تعلیم مصر میں تعلیمی حالت بہت اچھی ہے۔ ہر قسم کے ابتدائی اور اعلیٰ فنی اور صنعتی سرکاری مدارس قائم ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے مشن اسکولوں کی بھی کمی نہیں۔ انگریزی اور فرانسیسی اختیاری زبانیں ہیں اور ہر قسم کی تعلیم عربی زبان میں ہوتی ہے۔ دینیات کی طرف سے بھی لاپرواہی نہیں برتی گئی۔ مدارس کے نصاب میں حیدرآباد کی طرح دینیات کا مختصر سا نصاب شامل ہے۔ مصر بلکہ دنیا میں اسلامی علوم کی سب سے بڑی درسگاہ جامع ازہر کے معائنہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آج سے نو سو نواسی سال قبل سلطان گوہر الشقلی نے اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی جس میں یہ درسگاہ قائم ہے سلطان عبدالرحمن کتخدا نے اضافہ کیا اور وسعت دی۔ امیر اقبغا نے ۷۲۶ھ میں کتب خانہ کی عمارت تعمیر کروائی۔ سلطان غوری نے مینار بنوائے اور گزشتہ ایک ہزار سال سے اب تک سلاطین کی سرپرستی اور اوقاف کی کثرت نے اس مدرسہ کو پوری شان کے ساتھ باقی رکھا۔ شیخ ازہر کا درجہ پہلے تو بہت کچھ ہوتا تھا لیکن آج بھی کسی وزیر سے کم نہیں ہے۔ موجودہ شیخ ازہر سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان کے یہاں دعوت بھی کھائی۔

قدیم وضع کے عالم ہیں لیکن ضروریات زمانہ سے بے خبر نہیں ہیں۔ اصلاحات ازہر کا سلسلہ جاری ہے آج کل ازہر میں امتحانات ہو رہے تھے اس لیے طرز تعلیم کے دیکھنے کا موقع نہ ملا لیکن مسجد میں داخل ہو کر اندازہ ہو گیا۔ وسیع مسجد کے کسی ایک ستون سے ٹیک لگا کر استاد بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے اطراف طلبا کا حلقہ ہوتا ہے۔ طالب علم پڑھتا اور استاد بقدر ضرورت تفہیم کر دیتے ہیں۔ جس وقت میں گیا طالب علم مسجد میں منتشر اور دو دو چار چار

مل کر اپنے سبق یاد کر رہے تھے۔ مسجد کے بازوؤں میں عمارت کا ایک وسیع سلسلہ ہے جو اقامت خانوں کا کام دیتے ہیں۔ ہر ملک کے طلبا کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ رواق ہیں۔ ترک چینی، بخاری، جاوی، حبشی، ایرانی، ہند، افریقی۔ ہر نسل و ملک کے طلبا دیکھے۔ ہندی رواق مسجد سے کچھ دور پر واقع ہے۔ اس میں فی الحال صرف ۲ طالب علم ہیں ایک مدراس نوابیتے بزرگ نے عالم کی شہادت حاصل کر لی ہے جو اس درس گاہ کی سب سے بڑی سند ہے۔

ازہر میں طلبا کو مختصر وظیفہ بھی ملتا ہے اور روٹی تقریباً سب کو روزانہ تقسیم ہوتی ہے جس کے لیے بڑے بڑے اوقاف ہیں۔ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہاں بعض طالب علم پچاس پچاس سال سے زیر تعلیم ہیں کیونکہ مفت میں روٹی مل جاتی ہے۔ اب تعلیم کی دو قسمیں کر دی ہیں۔ نظامی اور غیر نظامی۔ نظامی تعلیم کی مدت معین کر دی گئی ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ابتدائی چار سال۔ ثانوی پانچ سال۔ قسم اعلیٰ ۴ سال اور قسم تخصص ۳ سال۔ اب صرف انہی طلبا کو وظیفہ دیا جاتا ہے جو نظامی تعلیم حاصل کرتے ہیں جو طلبا غیر نظامی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو صرف اسی صورت میں وظیفہ ملتا ہے جب کہ اس غرض کے لیے کسی نے عطایا دیے ہوں۔

تعلیم کی ایک خرابی ہر جگہ دیکھی یا تو وہ علما ہیں جو آج سے دو سو بلکہ ایک ہزار سال قبل کے طریق تعلیم سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتے اور ان کے فلاسفہ بھی ضروریات زمانہ سے بے خبر رہ جاتے ہیں۔ یا وہ جدید مدارس جہاں سے نکل کر طالب علم دین کے اصلی اور حقیقی مفہوم سے بے خبر اور نفس دین کو اپنی انفرادی اور قومی ترقیوں کا مانع خیال کرنے لگتا ہے۔ اور یہ دونوں جماعتیں ہندوستان میں اور سب سے بڑھ کر تجربہ کی بنا پر دنیا کے دوسرے اسلامی ممالک

میں بھی گزشتہ ایک صدی سے متصادم ہیں چونکہ قوم کا رجحان تہذیب مغرب کی طرف ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ علماء سے نفرت بڑھتی جارہی ہے۔ اگر قوم علما حادین سے نفرت کرکے ایسے علما پیدا کرنے کی کوشش کرتی جو جاہل علوم دینیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زمانہ کی ضروریات کے مطابق تعلیمات اسلام کو پیش کرسکیں تو یہ امر یقیناً باعث مسرت ثابت ہوتا لیکن ایسا نہ ہوا اور علماء سے نفرت بالآخر دین سے نفرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور آج اسی طرز عمل کے افسوسناک نتائج سب سے زیادہ سلطنت ترکیہ میں کم و بیش ہر جگہ نظر آرہے ہیں۔ یہی کیفیت مصر کی ہے۔ شیخ مصطفےٰ مراغی سابق شیخ ازہر جو شیخ محمد عبدہؒ اور جمال الدین افغانی کے مکتب سے تعلق رکھتے ہیں اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا تھا لیکن داخلی سیاسی پیچیدگیوں کے باعث اب یہ ازہر کی صدارت سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ ازہریوں اور یورپ زدوں کی جنگ یورپی قوت کے ساتھ جاری ہے۔ حکومت کے ایوان وفدیوں اور شعبوں کی درسگاہ بنی ہوئی ہے اور اسے اتنی فرصت نہیں کہ اصلاحات کی طرف متوجہ ہو۔ جو کچھ ہوا ہے وہ زمانہ کی رفتار کے لحاظ سے بہت کم ہے۔

نوٹ :۔ سفرنامۂ افغانستان پر نواب صاحب کا کوئی مضمون دستیاب نہ ہو سکا۔ سفر افغانستان کے دوران جو معلومات اور نقاط حضرت قائد ملت نے نوٹ فرمائے تھے چونکہ یہ مواد اپنے معلومات اور ترتیب کے لحاظ سے اپنی جگہ خود ایک مکمل مضمون ہے اس لیے شریک اشاعت ہے علاوہ ازیں "افغانستان" اور "ایک ہفتہ افغانستان میں" کے زیر عنوان ایک ادھورا مضمون (جو نامکمل مضمون کا صرف تمہیدی حصہ ہے) شریک کتاب ہے۔

ہر دو مضامین کے تمہیدی حصے کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے مگر طرز بیان چونکہ دونوں کا جدا جدا ہے اس لیے یہ قند مکرر بھی پیش خدمت ہے ——————— (مرتب)

افغانستان

راستے

ہندوستان کے لیے پشاور سے جلال آباد ہو کر یا چمن سے قندھار ہو کر پشاور سے جلال آباد اور اسی طرح چمن سے قندھار چھ گھنٹہ کا راستہ ہے۔ جلال آباد سے کابل ۱۲ گھنٹہ۔ قندھار سے کابل ۲۴ گھنٹہ کا (مسلسل) میں ہرات کے راستے آیا۔ مشہد سے ہرات دو راتوں کا راستہ ہے لیکن میرے تین رات گزرے۔ سڑک حد ایران میں خراب، افغانستان کی حد میں ہرات تک نسبتاً بہتر۔ امان اللہ کی سفر

یورپ سے واپسی کے وقت بنی تھی. راستہ میں منازل پر رباطیں جو ٹوٹ گئی ہیں لیکن اکثروں میں کوئی آبادی نہیں. کھانے اور قیام گاہ کی سخت تکلیف.

ہرات سے فراہ اور فراہ سے قندھار راستہ خراب پل ٹوٹے ہوے. ہرات سے فراہ ایک رات دن اور فراہ سے قندھار بھی علی ہذا القیاس گرشک کے پاس دریائے ہلمن بہتا ہے.

قندھار سے کابل تک راستہ نسبتاً بہتر لیکن پل ٹوٹے ہوے. جاروب کش ہواؤں کی تکلیف. قلات، مقر، غزنی، کابل سے سمت شمال میں گل بہار تک تقریباً ۶۰ میل سڑک عمدہ اسی طرح جبل السراج تک. قطغن و بدخشاں تک پختہ سڑک نہیں ہے کابل سے جلال آباد تک سڑک بہتر پل بھی بنے ہوے لیکن پہاڑ پیچ در پیچ درہ خیبر کی چڑھائی لیکن سڑک عمدہ سمنٹ کی.

موٹریں کرایہ پر چلتی ہیں لیکن گاڑیاں پرانی اور خراب
راستہ میں ہر طرف امن و امان ہے کہیں کوئی خطرہ نہیں ہے

قیام گاہیں

زمانہ قدیم میں تاجروں اور مسافروں کے قافلوں کے لیے ہر بارہ چودہ میل پر ایک رباط بنی ہوی ہے. لیکن اب ان میں سے اکثر بوسیدہ اور منہدم ہو گئی ہیں. بڑے شہروں میں بھی یہی رباط یا کارواں سرائے قیام گاہ ہوتی ہیں. لیکن میرے لیے ہر حکومت کا حاکم اعلیٰ انتظام قیام کر دیتا تھا. مقر کا ہوٹل، کابل کا ہوٹل جلال آباد کا باغ.

موسم

سردی بہت سخت. حیدرآباد کے لیے گرمی کا موسم کابل و غزنی میں برا نہیں لیکن فراہ

میں سخت ہے بہترین موسم مارچ، اپریل اور مئی ہے جو موسم بہار کہلاتا ہے۔

سکہ

ایرانی سکہ کی طرح طویان نہیں ہوتا۔ دو قرانی کا روپیہ ہے۔ ایک روپے کابل کی قیمت پانچ یا چھ آنہ کلدار کے برابر ہوتی ہے کبھی گھٹ کر چار کلدار بھی ہو جاتی ہے ہر روپیہ کے ۶۰ پول ہوتے ہیں۔

کابلی قدیم سکہ ہے جدید سکہ کو جو امان اللہ کے وقت سے رائج ہے افغانی کہتے ہیں۔ ۱۰ افغانی ۱۱ کابلی کے۔

زبان

سمت جنوب و مشرق میں پشتو زبان بولی جاتی ہے۔ کابل سمت شمال اور سمت مغرب میں فارسی بولتے ہیں۔ لیکن فارسی میں افغانیوں کا لہجہ اور تلفظ و محاورات ایرانیوں کے بہ نسبت ہندوستانیوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ اردو زبان کے اکثر الفاظ افغانیوں کی فارسی میں داخل ہیں اور بعض معنیٰ کے ساتھ۔ اردو بھی کابل میں سمجھی جاتی ہے کابل کے اکثر اکابر اردو جانتے ہیں۔ میری فارسی پسند کی جاتی تھی۔

آثار قدیمہ

ہرات، قندھار، غزنی اور کابل و افغانستان کے قدیم شہر میں بعض قدیم آثار مل جاتے ہیں۔ ہرات کی جامع مسجد، مدرسۂ سلطان حسین میں اس کے چار فل مینار کارزگہ شریف میں بعض قدیم عمارتیں۔

قندھار میں خرقۂ مبارک قابل احترام اثر مبارک ہے۔ عبدالحمید خاں متولی ہیں غزنی میں غزنوی کا مزار قلعہ اور اس کے اطراف ایسے اور بہت سے آثار دیکھتے ہیں۔

کابل کے اطراف بھی آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ بامیاں کی پہاڑیوں پر بدھ مت کے آثار سے ملتے جلتے قدیم آریائی آثار پائے پائے جاتے ہیں۔

ایک میوزیم دار الامان کے قریب امان اللہ خاں نے بنوایا تھا۔ اب تک ہے۔

مزارات بزرگان دین

ہرات میں حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری، حضرت امام فخر الدین رازی، حضرت عبد الرحمٰن جامی، حضرت سعد الدین کاشغری، حضرت شیخ زین الدین، حضرت شیخ ابوسعید شہزادہ قاسم فرزند امام جعفر صادق۔

گرشک میں سید محمد تاجدار۔ ریچ میں ابونصر فراہی۔ غزنی میں سلطان محمود غزنوی۔ بہلول دانا۔ حکیم سنائی شمس العارفین۔ تمیم انصاری رضی صحابہ رسول کے مزارات کا نشان ہیں۔

کابل میں بابر بادشاہ

حضوری سے آگے ایک پہاڑ کے دامن میں بتایا جاتا ہے۔

فراہ مبارک۔ فراہ مبارک میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا مزار مبارک ہے۔

بڑے شہر

کابل، ہرات، قندھار، غزنی، جلال آباد، مزار شریف قطغن، بدخشاں۔

طرز معاشرت

سادہ اور مشرقی کھانے اچھے۔ لباس میں شلوار اور ڈھیلا پائجامہ اس پر نیم آستین یا بالا پوش۔ سرما میں پوستین، سر پر عمامہ۔ معاملہ کے صاف خوش اخلاق۔ مہمان نوازان کے جیسا کسی کو نہ پایا۔ نشہ والی چیزوں میں سے کسی چیز کا عام طور پر استعمال نہیں ہوتا

شراب کی درآمد قطعاً ممنوع ہے. کڑوے تمباکو کی عام طور پر اور گانجہ یا چرس بعض ادنی طبقوں میں پیے جاتے ہیں۔

عرب اور ایران کی طرح یہاں بھی قہوے کی کثرت، عموماً سب چائے پیتے ہیں تعلیم یافتہ اور اعلی طبقے میں مغربیت پھیل رہی ہے. عام طور پر ذریعہ معاش زراعت . . . . یا تجارت ہے. ملازمت تیسرے درجہ پر ہے. تفریح کے اسباب فرصت کے وقت کسی ادنی درجہ کے قہوہ خانے میں سامنے چبوترے پر ل جل کر بیٹھ جانے کے سوا کچھ نہیں، سینما جاری ہوا تھا اب نہیں ہے.

زراعت

عموماً تمام افغانستان اور خصوصاً سمت شمالی کی اراضی نہایت سرسبز و زرخیز ہے ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے خصوصاً میوہ بہت زیادہ ہوتا ہے. جو برآمد بھی کیا جاتا ہے. روئی حسب ضرورت ہوتی ہے.

تجارت وحرفت

افغانستان کی سب سے بڑی برآمد دو چیزیں ہیں. میوہ اور اون یہاں کا سونا بہترین ہوتا ہے. سوتی اور ادنی کپڑے کی بافت ہر گھر میں ہوتی ہے. افغانی گھر کا بنا ہوا کپڑا پہنتے ہیں. افواج کا ڈریس ملکی کپڑے کا ہوتا ہے. قالین بافی کا کام بھی ہوتا ہے. سبزہ وار اور سمت شمالی اس کے لیے مشہور ہیں. ہرات میں ٹیویٹڈ اور سرج کی قسم کا بھی ادنی کپڑا تیار ہوتا ہے.

اقتصادیات

گو افغانستان نے تجارت وصنعت میں ترقی نہیں کی. گو وہ اپنے زمانۂ جدید

کی ہر ضرورت کے لیے دوسروں کا محتاج ہے لیکن اس وجہ سے کہ اس کا معیار کمل بلند نہیں ہے اس لیے اس کی اقتصادی حالت بری نہیں ہے۔ وہ تھوڑا کماتا اس کو کافی سمجھتا اور اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔

تعلیم

بہت کم۔ مدرسہ حبیبیہ۔ مکتبہ امانی، مکتبۂ امانیہ، مدرسہ عربیہ، کتاب خانہ عمومی۔ کتاب خانہ ملی۔

انجمن ادبی

کوئی ماہوار اخبار نہیں ہے۔ کابل سے دو اور ہرات، قندھار، جلال آباد اور مزار شریف سے ایک ایک ہفتہ وار اخبار نکلتے ہیں۔ دیہات میں مساجد کے مُلّا تعلیم دیتے ہیں۔ ملّاؤں کا مبلغ علم۔

مذہب

افغانستان میں صرف سنی ہیں۔ ہرات اور سمت جنوبی میں کچھ شیعہ ہیں۔ مذہب کے پورے پکے ہوتے ہیں۔ اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔

وجوہ و نتائج انقلاب افغانستان از روئے مشاہدہ سیاحت خود

۱۔ امان اللہ۔ بادشاہ ترقی خواہ وطن و ملت۔ علوم و معارف میں ترقی دی۔ تعلیم جبری کرادی۔ صنعت میں ترقی دی۔ کارخانۂ کبریت سازی قائم کیا۔ رعایا کی تشویق کے لیے یادگاریں بنوائیں۔ یغمان اور دارالامان کی تعمیر کی۔ شہر کو آراستہ کیا۔ دیگر حکومتوں سے اچھے تعلقات پیدا کیے اس کے ساتھ ہی تقلید یورپ میں افراط کی، عورتوں سے پردہ کو اٹھانے کی کوشش کی۔ عمامہ اور ٹوپی کو (یورپی ٹوپی) سے حکماً بدلا۔ جمعہ کی تعطیل کو موقوف کر کے پنجشنبہ کو تعطیل قرار دی۔ علما کی تحقیر کی، ان کے وظائف بند کیے، جرگہ میں ان کے

عمامہ اتروا کر یورپی ٹوپی پہنائی۔ خوردہ کی سرپرستی کی۔ انگریزوں کے خلاف عام جلسوں میں ناعاقبت اندیشانہ کلام کیا۔ نادر خاں جیسے مدبر کو نہ صرف ملک سے دور کیا بلکہ اپنا مخالف بنالیا۔ سپاہ کی تنخواہیں کم اور ان کی تعداد گھٹا دی۔ اپنے آپ ہی ابتداء میں لیا تھا اس لیے زیادہ اعتماد کیا اور جب انقلاب شروع ہوا تو بہت سی سیاسی غلطیاں کیں۔

زوال کے اسباب

فوج کی تنخواہ میں کمی، تعداد میں کمی، بے جا اعتماد، علماء کی تحقیر و تذلیل، تعلیم کا جبری قرار دینا۔ اپنے اصلاحات کے اجراء میں عجلت۔ لباس کی تبدیلی، عورتوں کی... بے پردگی۔

افغانستان

حج بیت اللہ کے ارادہ کے ساتھ جب سیاحت بلاد اسلامیہ کا قصد کیا تو ایک افغان کی حیثیت سے ناممکن تھا کہ سفر کے پروگرام میں افغانستان کو شامل نہ کرتا۔ اس ملک کے گزشتہ انقلابات اور ان کی حقیقت کے معلوم کرنے کی خواہش اور سب سے زیادہ سیدی و مولائی سید محمد جونپوری مہدی موعود آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آستانہ بوسی کی آرزو سمند شوق پر تازیانہ ہو رہی تھی۔

اسباب و علل سے براہ راست واقفیت کی تمنا سمند شوق پر تازیانہ ثابت ہوئی جب میں نے پاسپورٹ کے لیے درخواست دی تو اس میں سفر افغانستان کے لیے بھی اجازت طلب کی گئی تھی میں نے بڑے تنگ وقت میں حج کا ارادہ کیا تھا اس لیے

روانگی میں عجلت پیش نظر تھی مگر ریزیڈنسی کے دفتر سے جواب ملا کہ سفر افغانستان کے لیے اجازت نامہ کے لیے حکومت ہند سے مراسلت ناگزیر ہے اس لیے مطلوبہ اجازت نامہ کے لیے ایک مہینہ انتظار کرنا ہوگا۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا۔ ریزیڈنٹ صاحب کے معتمد وقت نے مجھے سمجھایا کہ طہران میں سفیر برطانیہ سے بہ آسانی اجازت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور وہیں سفیر افغانستان سے اس پر ویزا بھی کرایا جا سکتا ہے۔ بات معقول تھی پاسپورٹ حاصل کر کے حج کے لیے روانہ ہو گیا۔

طہران پہنچا تو سب سے پہلے سفارت برطانیہ سے پاسپورٹ پر سفر افغانستان کے لیے اجازت حاصل کی۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ سفارت برطانیہ بھی طہران سے شمران منتقل ہو گئی تھی جو دارالسلطنت ایران سے بارہ چودہ میل کے فاصلہ پر ایران کا تابستانی دارالحکومت ہے۔ مسٹر برنٹن نائب وزیر مختار بہت اخلاق سے ملے۔ انڈورسمنٹ دیا اور سفر افغانستان کے سلسلہ میں کچھ ہدایات بھی کیں۔

اب ویزا حاصل کرنے کا مرحلہ باقی تھا جو آغائے شیر احمد خاں سفیر کبیر دولت افغانستان کی توجہ سے طے ہو گیا۔ سفیر صاحب نہایت روشن خیال خوش خلق افغان ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ دیرہ دون کا مولد ہے اردو اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ امیر امان اللہ خاں کے عہد میں رئیس مجلس شوریٰ رہ چکے ہیں، اور لندن میں افغانی وزیر مختار کی خدمت بھی انجام دی ہے۔ امان اللہ خاں کے بہت مداح اور شکر گزار تو تھے لیکن ان کی بد سیاست دانی کے نقصان کی شکایت کرتے تھے۔ مجھ سے دیر تک افغانستان کی موجودہ حالت پر گفتگو کرتے رہے۔ انقلاب کی روداد سنائی۔ سفر کے متعلق ہدایات دیں اور راستہ میں افغانستان کی حکومت کے جو صدر مقام واقع ہیں ان سب کے حکام کے

خطوط دیے کہ سفر میں میرے آرام و آسائش کا خیال رکھیں۔

فرانس، ترکی اور ایران کے سفارتخانوں کے برخلاف افغانی سفارت خانہ میں پاسپورٹ پر ویزا حاصل کرنے کے لیے مجھ سے کوئی فیس نہیں لی گئی لیکن اپنی پانچ تصویریں داخل کیں اور دو قطعہ اوراق استعلاف کی خانہ پری کرنی پڑی جن پر نام ولدیت وطن، پیشہ، عمر، قابلیت اور مقصد سفر سے متعلق استفسارات مندرج تھے۔ مشہد ایران کا سرحدی مقام ہے جس کے بعد افغانستان کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں صرف دو گاراز (   ) ہیں جہاں سے موٹریں مسافروں کو ہرات کی طرف لے جاتی ہیں۔ فلسطین، شام، عراق اور ایران میں سفر کا بڑا حصہ میں نے موٹر ہی میں طے کیا تھا اور ہر وقت اس کا التزام رکھا کہ گاڑی (ٹورنگ کار) تیز رفتار مضبوط ہو۔ اس معیار کی گاڑی تلاش کرنے میں ایک ہفتہ گزر گیا بالآخر مشہد کے افغانی گاراژ کی چکر میں کاٹا تو ایک گاڑی ملی جو بظاہر مضبوط معلوم ہوتی تھی۔ (نامکمل)

ایک مہینہ افغانستان میں

میری سیاحت بلاد اسلامیہ کے پروگرام میں افغانستان آخری منزل تھی اور ایسی منزل جس کا اشتیاق گزری ہوئی منزلوں سے کچھ زیادہ باعث بےقراریِ دل تھا۔ ایک سے زیادہ وجوہ مجھے افغانستان کی سیاحت پر مجبور کر رہے تھے۔

(۱) گو میرے اجداد کو افغانستان چھوڑے تقریباً پانچ سو برس گزرے مگر پھر بھی میری رگوں میں خالص افغان خون موجزن ہے جس کی میرے اجداد نے بہت احتیاط سے حفاظت کی تھی اور یہ نسبت کچھ کم باعث جلب توجہ نہ تھی۔

(۲) افغانستان کے گزشتہ انقلابات نے ہر قلبِ مسلم کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور میں بھی چاہتا تھا کہ اپنے ذاتی مشاہدہ سے ان کا صحیح علم حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

(۳) رابطۂ اسلامیہ کی وہ دھن جس نے بلادِ عرب و عجم کی خاک چھنوائی تھی یہاں بھی دامن گیر تھی اور اس اجزائے دیار کے باشیوں سے بھی واقف ہونا چاہتا تھا۔

ان سب سے بڑھ کر سیدنا مولانا حضرت محمد جونپوری مہدی موعود (آخر الزماں) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس پر حاضری کی تمنّا سات مہینے سے لگاتار سفر کے بعد بھی مجبور کر رہی تھی کہ آ اور سعادت اندوز جبیں سائی ہو۔

جس وقت حیدر آباد سے چلا ہوں افغانستان اور حکومت ہند کے درمیان معاہدات کی تجدید ہو رہی تھی اس لیے پاسپورٹ پر افغانستان کے لیے (INDORCE MENT) ذیل سکا تھا برطانوی وزیر مختار متعینہ طہران (دار السلطنت ایران) سے درخواست کی۔ مسٹر برنٹن نائب وزیر مختار کی توجہ نے اس مرحلہ کو آسان کر دیا۔ اب مجھے پاسپورٹ پر افغانی سفیر امیر کبیر متعینہ ایران کا ویزا حاصل کرنا تھا۔ ابتداً جب سردار شیر محمد خاں صاحب سفیر کبیر کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے اس سال حج بھی کیا ہے اور اعلیٰ حضرت امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا ہے تو ممکن ہے مجھے داخلۂ افغانستان کی اجازت دینے میں ان کو کچھ تامل ہوا ہو۔ لیکن دو تین ملاقاتوں کے بعد اجازت دے دی۔ دوسرے ممالک کے سفارت خانوں کے برخلاف مجھے داخلۂ افغانستان

کی اجازت حاصل کرنے کے لیے سفارت خانہ افغانستان میں اپنی تصویر کی چار کاپیاں داخل کرنی پڑیں اور ایک مطبوعہ فارم کی خانہ پُری کرنی پڑی جس میں میرے نام، وطن و پیشہ اور طریق سفر کے علاوہ یہ بھی دریافت کیا گیا تھا کہ مملکت افغانستان میں میرے داخلہ کی غرض کیا ہے، اور میں کتنے دن رہوں گا اور اس کے ساتھ یہ اقرار بھی مجھ سے لیا گیا تھا کہ میں کسی سیاسی معاملہ میں حصہ نہ لوں گا۔ میں نے اس احتیاط کو پسند کیا کیوں کہ میں افغانستان کے موجودہ نازک حالات کا اندازہ کر سکتا تھا۔

میرا راستہ

میں نے مشہد مقدس سے چل کر کاریز نامی قصبہ کے قریب ایرانی سرحد عبور کی اور سب سے پہلا افغانی مقام اسلام قلعہ تھا۔ جہاں مجھے اپنا پاسپورٹ دکھانا اور سامان کی تنقیح کروانی پڑی۔

(نامکمل)

نوٹ:۔ حضرت قائد ملتؒ کے سفر بلادِ اسلامیہ کے دوران ان کی عظیم شخصیت کے جو گہرے اثرات عمائدین بلادِ اسلامیہ پر مرتب ہوئے ان کی ہلکی سی جھلک ان خطوط میں ملتی ہے جو نواب مرحوم کے سفر سے واپسی کے بعد وقتاً فوقتاً عمائدین اسلام نے نواب مرحوم کو لکھے اس خصوص میں ہمیں بہت کم خطوط دستیاب ہوئے جو خطوط دستیاب ہو سکے ان کا ترجمہ شریک کتاب کیا جا رہا ہے۔ یہ امر ہمارے لیے باعث ممنونیت ہے کہ یہ خطوط ہمیں بیگم صاحبہ قائد ملتؒ سے دستیاب ہوئے۔ نواب صاحب کے برادر زادے نواب نصیب خاں صاحب کے توسط اور ان کی دلچسپی کے باعث یہ مواد حاصل ہو سکا۔ نواب مرحوم کے خادم خاص جناب سید حسین صاحب بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے خطوط و کاغذات کی تلاش کے دوران ہماری بڑی مدد کی۔ اس کتاب میں عربی خطوط، عربی اخبارات کے تبصرے و تعارف پر مشتمل جو تراجم ہیں ان تراجم میں جناب مولوی سید احمد حسن صاحب نقوی مصنف لعاب سیر از اشکال قرآنی سے بڑی مدد ملی۔ اس خصوص میں ہم موصوف کے مشکور ہیں جنھوں نے بڑی دلچسپی سے ترجمے کے اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیا ——————— (مرتب)

کمیٹی فکر و عمل، برقہ (طرابلس) کا ایک اعلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزشتہ چند صدیوں کے تاریخی واقعات کے مطالعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے اندر جماعتی انتشار اور فرقہ بندیاں جو کتاب اللہ اور سنت نبوی سے غفلت و اعراض کا نتیجہ ہے اسی کی وجہ سے غیر اقوام کو یہ موقع ملا ہے کہ ان کے ایک فرقہ کے بعد دوسرے فرقہ اور ایک گروہ کے بعد دوسرے گروہ کے گلے میں ذلت و حرمان نصیبی کا طوق پہناتے جائیں چونکہ ایک فریق کو دوسرے فریق کے ساتھ ہمدردی کے احساسات نہیں رہے اس لیے ایک فریق دوسرے فریق کی مصیبتوں سے بے حس رہنے لگا۔ ایک لمبا عرصہ اسی بے حسی کا گزرنے کے بعد خدا نے بعض دردمند قائدین امت کو پیدا کیا جو اپنی باعمل قیادت کی

وجہ سے مسلمانوں کے اندر بیداری اور اجتماعی شعور و احساس کی روح پھونکنے لگے۔ اور مسلمانوں کی اس خدمت کے لیے اپنی زندگی کے لمحات کو وقف کر دیا اس لیے انھوں نے ان تجویزوں پر غور کرنا شروع کیا جن کے ذریعہ اُمّتِ اسلامیہ کے جسم کے اس ناسور کا علاج کیا جائے۔ انہی باعمل افراد میں سے اس دور میں عزت مآب نواب بہادر یار جنگ ہیں جو ہند کے نامور قائدین میں سے ہیں۔ مختلف بلادِ اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے آپ دمشق تشریف لائے آپ کی سیاحت کا مقصد اولین یہی رابطہ اسلامیہ کی زنجیر کے لیے کڑیاں پیدا کرنا ہے۔ آپ نے دمشق کے اکابر قائدین سے ملاقاتیں کیں جن میں سے قابلِ ذکر جناب دولت شکری بک القوتلی اور مجاہد [illegible] بشیر بک السعداوی ہیں ان سے اس اہم مسئلہ پر گفتگو رہی۔ اسی طرح وہ مصر میں عزت مآب احمد زکی پاشا اور عزت مآب محمد علی پاشا سے ملاقات کی اور قدس میں مجلس اسلامی اعلیٰ کے صدر سید امین الحسینی سے ملاقاتیں کیں اور سب کے اتفاق سے حسب ذیل تجاویز پاس کیے گئے۔

۱۔ کہ مسلمان آج کل جس پھوٹ اور انتشار کے دور سے گزر رہے ہیں اس کے علاج و تدارک کے لیے ایسے وسائل کی تشکیل کی جائے جو ان کے اندر اتحاد و یکجہتی کے امکانات کو پیدا کریں اور ان کو اجتماعی احساس کی طرف مائل کریں۔

۲۔ روابط کے امکانات کے حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ایک دوسرے کے حالات اور اضطرابات سے واقفیت اور باخبری ہے اور اس کے لیے ایک انجمن کا قیام پیشِ نظر ہے جس میں مختلف ممالک اسلامیہ کے قائدین ارکان بنیں اور اپنے اپنے ملکوں کی نمائندگی کرتے ہوئے امم اسلامیہ کی بے چینیوں کے اسباب اور ان کے دور کرنے کی

تدابیر سے بحث کریں گے اور ان کے کھوئے ہوئے وقار کی بازگشت کے عملی تجاویز پیش کریں گے۔

۳۔ اس انجمن کے قیام کے بعد ایک نمائندہ کمیٹی تشکیل دی جائے گی جو وقت و مقام کا تعین کر کے تمام اقطار اسلامیہ سے باعمل افراد کو مدعو کرے گی۔ اور جو کمیٹی کہ القدس شریف میں قائم ہوگی اس میں مصر اور فلسطین کے نمائندے شامل رہیں گے اور اس مسئلہ میں تبادلہ خیال کریں گے۔

۴۔ نواب بہادر یار جنگ اس کمیٹی کے اہم ارکان میں سے ہوں گے جو مصر و فلسطین کے اکابر و زعماء سے وقتاً فوقتاً مراسلت کیا کریں گے۔

۵۔ نواب بہادر یار جنگ نے اس عمل کے نفاذ کے مقصد سے جن جن شہروں کا دورہ کیا اور وہاں کے جن قابل اصحاب سے گفتگو کر کے ان میں کام کرنے کی ہمت و رغبت پائی ان کے ناموں کی ایک فہرست مرتب کر کے ہمارے پاس روانہ کر دی ہے تاکہ بوقت ضرورت ان سے ربط قائم کیا جائے۔ فقط

السعدادی

صدر کمیٹی فکر و عمل (اللجنۃ التنفیذیہ) برقہ (طرابلس)

المجلس شرعی الاسلامی الاعلیٰ
قدس شریف

تار کا پتہ: مجلس اسلامی قدس
پوسٹ بکس - ۵۱۷ - ٹیلیفون نمبر - ۱۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین

(ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ)

ترجمہ:۔ "تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اچھی باتوں کی نصیحت کرے اور برائی سے منع کرے اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ، میں خدا کا اس بات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ اس اسلام کی وجہ سے ہمارے دلوں کو جوڑا اور اس نعمت کی وجہ سے ہم سب بھائی بھائی ہو گئے اور درود وسلام بھیجتا ہوں اس کے رسول کریم پر جو سچائی اور سیدھے راستے کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور ان کے آل و اصحاب ان کے پیروں پر جو ان کی ہدایت کے موافق رہے اس طرح انھوں نے کامیابی و فلاح کا راستہ نکالا اور خود اچھی زندگی بسر کیے (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

ترجمہ:۔ جو اچھا کام کرے چاہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اس کی زندگی اچھی کریں گے اور ان کو اچھا بدلہ عنایت کریں گے جیسا کہ وہ کام کرتے رہے۔

چونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے ایک بنیاد کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو قوت دیتا ہے اور جب کوئی حادثہ کسی ایک مسلم فریق پر آئے تو گویا سارے مسلمانوں پر آیا۔ اس لیے ذی تدبر اصحاب کی ایک جماعت نے اس ملک اور دوسرے اقطار اسلامیہ کو دیکھیں کہ ایک وسیع دعوت اجتماعی کے مقصد سے ایک عام اسلامی موتمر منعقد کی جائے جو بیت المقدس میں ہو گی جس کو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا شرف حاصل ہو چکا ہے اور وہاں ملت اسلامیہ کے اکابر و زعماء کو تمام اقطار اسلامیہ سے بلایا جائے جن کے اندر غیرت و جوش قوی اور علم و دانائی سے بہرہ ہے جن کی اصابت رائے

اور بصیرت نافذہ پر اعتبار کیا جاسکتا ہے جہاں اماکن مقدسہ اسلامیہ کو اغیار و اجانب کی دست درازیوں اور طمع و ہوس کی ترکتازیوں کو روکنے اور ان کا سدِ باب کرنے اور مسلمانوں کے تعلق سے دوسرے احوال و شئون کی اصلاح کے بارے میں بھی غور و فکر کی جائے۔

چونکہ جناب کے اندر اسی قسم کی غیرت اسلامی اور اصابت رائے اور روشن خیالی کے جوہر ہم پاتے ہیں اس لیے اس موتمر اسلامی عام میں شرکت کی جناب کو دعوت دیتے ہیں جو قریب میں انشاء اللہ قدس شریف میں اور مسجد اقصیٰ کے جوار میں بتاریخ ۲۷ رجب سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء شب معراج کے مبارک موقع کو منعقد کی جائے گی۔

اس لیے امید ہے کہ جناب ان اصحاب علم و دانشوروں کے ساتھ جو صحیح اقدام و عمل کی تجاویز کے پہلوؤں سے بحث کریں گے۔ اپنے قیمتی افکار و مشوروں سے انجمن کو ممنون فرمائیں گے۔ امید ہے کہ اس باہمی تعاون فکری کا اچھا اور مبارک اثر ہوگا۔ اور تاریخ جہاد اسلامی میں اس کا بھی ایک اہم مقام ہوگا۔ آخر میں ہم خدائے عز و جل سے طالب دعا ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور اس بھیانک تاریکی میں ہمارے لیے اپنی ہدایت کی شمع روشن کرے۔ خدمت اسلامی کے لیے ہماری صحیح رہبری فرمائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ) ترجمہ: "تم نیکی اور پرہیزگاری کے مقصد سے ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور زیادتی کے لیے ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔" والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

رئیس مجلس اعلیٰ اسلامی
محمد امین الحسینی

مورخہ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ

موتمر اسلامی عالم

قائم کردہ۔ بیت المقدس مورخہ ۱۶ ر رمضان سنہ ۱۳۵۰ھ

۲۷ ر رجب ۔ ۱۰ ر شعبان سنہ ۱۳۵۰ھ م ۲۴ ر جنوری سنہ ۱۹۳۲ء

کتب خانہ لجنہ تنفیذیہ۔ پوسٹ بکس ۔ ۱۵۷ ۔ ٹیلیفون ۔ ۱۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت برادر مکرم

السلام علیکم۔ موتمر اسلامی عام کے افتتاحی جلسہ میں عالیجناب کے شریک نہ ہو سکنے کا بہت افسوس ہوا جس کی وجہ عالیجناب کے قیمتی اور زریں مشوروں سے استفادہ کا موقع حاصل نہ ہو سکا تاہم امید ہے کہ انجمن اپنے مقاصد کی اجرائی میں عالیجناب کے تعاون عمل سے محروم نہ رہے گی۔

آخر میں دعا ہے کہ خدا آپ کو اور ہم کو امن عالم کے مقصد سے اعلاء کلمۃ توحید کے کاموں میں انہماک و دلچسپی کو قائم و دائم رکھے۔ فقط

محمد حسین

صدر موتمر

مرسلہ، مامون عبدالوہاب ارزنجانی

دمشق مہاجرین کیمپ

عزت مآب نواب عالی قدر بہادر صاحب حیدرآباد دکن

تسلیم: عالیجناب کا آستانہ سے ارسال کردہ مکتوب گرامی شرف صدور لایا۔

آپکے بہ حال خیر و عافیت پہنچ جانے کی خبر سے دلی مسرت حاصل ہوئی۔ خدا آپکے ہمارے

اور تمام مسلمانوں کے کاموں کو اپنے قبولیت کا شرف عنایت فرمائے۔ دمشق کی تمام
انجمنیں آپ کے پُرخلوص عنایتوں کے بے حد شکرگزار اور ثناخواں ہیں جو اسلام اور
مسلمانوں کے معاملات سے آپ کی گہری دلچسپی کے مظہر ہیں۔ آپ کے تمام خطوط جو آپ
نے فرداً فرداً دمشق سے روانہ ہونے کے وقت تحریر فرمائے اور جو سب کے سب ذریعہ رجسٹری
وصول ہوئے۔ آپ کے بے پایاں مخلصانہ جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ میرے خط
کے جواب کی اطلاع عین اطمینان قلبی کا سبب ہوگی۔ کار لائقہ کی تفویض میرے ذمہ
موجب عزت افزائی ہوگی۔ میرے پُرخلوص ہدیۂ محبت کی پیش کش کو جناب کی اور سارے
احباب کی خدمت میں قبولیت کی تمنا کرتا ہوں۔ فقط

خادم العلم الشریف
محمد حسین عبدالوہاب ارزنجانی
<u>ایڈیٹر رسالہ</u> مناہج و وحیہ

مجھے امید ہے کہ اس خط کا جواب جلد عنایت فرمایا جائے گا

بہمہ رفعت نواب عالیجاہ بہادر یار جنگ

السلام علیکم۔ بڑے طویل انتظار کے بعد آپ کے عنایت نامہ کی بے پایاں مسرت
حاصل ہوئی۔ قلوب، دفور شوق کے ساتھ خطوط سے آپ کے احوال معلوم کرنے کے لیے
چشم براہ رہتے ہیں۔ میں اور دوسرے حامئین ملت جن کو آپ نے یہاں (ملک شام میں)
اپنے مختصر دوران اقامت میں ملاقات کا شرف بخشا آپ کے ساتھ ذوق صحبت کے
ذکر سے محظوظ ہوتے ہیں اور جو اخلاق ستودہ کہ قدرت نے آپ کے اندر ودیعت
کی ہیں اس کے ہمیشہ ثناخواں رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے وطن عزیز کو

بخیر و عافیت پہنچ گئے اور دعا ہے کہ آپ کو مسرت و انبساط کے ساتھ سلامت رکھے۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنی سیاحتی سرگزشت میں میرا خاص الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس کو میں اپنی حیثیت سے بالا ایک قدر افزائی سمجھتا ہوں۔ البتہ اس امر کا اظہار ضروری خیال کرتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کے ساتھ میرے دل میں جو ہمدردانہ جذبات موجزن ہیں وہ فضل الٰہی سے ہیں۔ خصوصاً مسلمانانِ ہند کے حالات سے مجھے گہری دلچسپی رہی ہے وہ جو اُن میں صبر و تحمل اور احساس و جوش کا ایک تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔ جہاں تک میری خدمات ملی کا تعلق ہے میں نے اپنی ساری توانائیوں کو اس کے لیے وقف کر دیا ہے اور اپنی ہر عزیز چیز کو ناموس اسلامیہ کے تحفظ کے لیے قربان کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اگرچہ حالات کی ناہمواریوں سے نبٹنے کی جد و جہد قدرت کی طرف سے ایک کڑی آزمائش ہے۔ آج کل جس مخالف ماحول میں میں گھرا ہوا ہوں ان میں میری اقتصادی مشکلات بھی ایک پیچیدہ مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ قومی خدمات کے سلسلہ میں نے اپنی مالی و معاشی قوتوں کو جو لگا دیا اس سے میں بہت مقروض ہو چکا ہوں۔ اور اب چاہتا ہوں کہ قوم کے مقتدر بہی خواہوں سے تعاون کی درخواست کروں۔ کیونکہ بمصداق کتاب و خیر مسلم قوم کے افراد ایک دوسرے کے لیے قوت بازو ہوتے ہیں چنانچہ حدیث شریف ہے۔ "ملت اسلامیہ کے افراد ایک جسم کے اعضا کی طرح ہیں اگر اس کے ایک عضو میں درد پیدا ہو تو دوسرے تمام اعضاء اس کا کرب محسوس کریں گے۔" اب میں نے ایک تدبیر سوچی ہے کہ میرا موروثی محل جس کا نام قصر عبد القادر ہے جو میرے دادا مشہور بطلِ اسلام مجاہد ملت امیر عبد القادرؒ کا بنایا ہوا ہے۔ اس کو مسلم مسافرین

کی قیامگاہ اور اسلامی تحریکات اور کارروائیوں کے مرکز کی حیثیت سے وقف کردوں۔ نیز میرے پاس کچھ تاریخی آثار و نوادر ہیں جیسے ایک تاریخی تلوار ہے جس کے قبضہ پر سونے کا پتر چڑھا ہوا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے دیئے ہوئے کپ اور دستاویزات ہیں۔ آخری عثمانی خلیفہ وحید الدین کی عنایت کی ہوئی سونے کی گھڑی۔ ان سے بشمول دیگر نوادرات، اسلامی آثار کا ایک میوزیم یہاں (ایک حصہ میں) قائم کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں اسلامی تعلیمات کی کوئی یونیورسٹی بھی قائم کی جائے۔ میرا خیال ہے میرا یہ محل اعلیٰ حضرت حضور نظام کے نام سے موسوم کردوں جہاں یہ آثار و نوادر بھی محفوظ رہیں گے اور ملک شام ایسا مقام ہے جو مشرق و مغرب کے سیاحوں کا نقطۂ اتصال ہے اس لیے اس سے بہت سے لوگ استفادہ کر سکیں گے۔ اور جو امداد کہ اس قصر کی قیمت کے طور پر اعلیٰ حضرت سے حاصل ہوگی اس کو اسلامی خدمات میں لگایا جائے گا۔ امید ہے کہ میری یہ تجویز آپ کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کے سمع ہمایونی تک پہنچائی جائے گی، وحدت اسلامیہ کے منصوبہ میں اس کو ایک مقام حاصل ہوگا۔ اسلام نے جس صلہ رحمی کی ہدایت کی ہے اس کی متابعت ہوگی اور اعلیٰ حضرت کے زندۂ جاوید کارناموں میں سے ایک درخشاں کارنامہ ہوگا اور انسان کے لیے تو اس دار فانی میں نیکیوں ہی کے ذریعہ سعادت و فلاح کی امید کی جاسکتی ہے ورنہ یہ زندگی تو ناپائیدار اور اس کی لذتیں سریع الزوال ہیں۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

آدمی کے اچھے دن وہی ہیں جب وہ اچھے کام کرے۔ نیکی انسان کی ایک مضبوط یادگار چھوڑتی ہے۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے

شر کا بیج بونے والے کو خیر کے پھل کی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔
(گندم از گندم بروید جو ز جو　　از مکافات عمل غافل مشو)
امیر محمد سعید الحسنی آل عبدالقادر

امیر محمد سعید
۱۴ فروری ۱۹۳۷ء　مصر شارع شیخ ریحان ۲۸
اخی محترم نواب بہادر یار جنگ
تسلیم۔ کئی مہینوں کے بعد میں گرامی نامہ کا جواب دینے کے قابل ہو سکا۔ کیونکہ مقامات مقدسہ کے دفاعی مصروفیات اور حقوق اسلامیہ کے تحفظ کی خدمات میں جو لگا ہوا تھا اور بعد میں تو مجھے ملک شام کو خدا حافظ کہنا ہی پڑا۔ اور اب مصر میں مقیم ہوں۔ ان مصروفیات کے علاوہ اقتصادی مشکلات نے جو مجھ پر بلہ بول دیا ہے واقعہ کا اظہار آپ جیسے کرم فرماؤں سے مناسب سمجھا وہ جن کے پہلو میں دردمند دل ہے اہل درد کی صداؤں کو سنتے ہیں، اور ان سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس حدیث کے منشا کے موافق کہ (جو مسلمان کے درد سے دلچسپی نہ رکھے وہ ان میں سے نہیں ہے)
پھر ایک مرتبہ میں اپنے عزیز سرپرستوں اور مربیوں سے درخواست گزار ہوتا ہوں کہ موقع اعانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں کیوں کہ ایسا نہ ہو کہ مقدس دفاعی خدمات نذر اہمال و تغافل ہو جائیں اعانتی

وسائل کو حکمۃ طور پر کام میں لاکر کار خیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں
امید کہ سمع خراشی موجب معافی ہوگی. ہر وقت میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں.

محمد سعید
آل عبد القادر

نوٹ :۔ یہ خط بھی سفرنامے کی ایک کڑی ہے جو ہمیں نواب صاحب کے کاغذات سے دستیاب ہوا۔ لیکن افسوس کہ یہ خط نامکمل ہے اس خط سے سلطان عبدالعزیز پر نواب صاحب کی جادوئی شخصیت کے اثرات اور ملت اسلامیہ سے نواب صاحب کی وابستگی پر روشنی پڑتی ہے۔ ——————— (مرتب)

بعالی خدمت حضرت جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل فیصل محافظ حرمین الشریفین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ سب سے پہلے میں خدائے قادر وقیوم کا شکریہ ادا کرتا ہوتا ہوں کہ اس نے مجھ گنہگار و سیہ کار بندہ کو اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے بیت اللہ الحرام اور روضۂ حضرت خیرالانام کی زیارت کا موقع سرفراز فرمایا۔ اور اس کی طرف مجھے ہدایت فرمائی۔ پھر حضرت جلالۃ الملک کا ممنون ہوں کہ قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں مجھے اپنے دربار میں بہ اوقات خاص حاضری واظہار خیال کا موقع دیا۔ بعض ہندوستانی اور غیر ملکی جرائد نے میرے قلب پر شاہ نجد وحجاز کی جو تصویر کھینچی تھی وہ بہت عجیب اور ڈراونی تھی لیکن الحمداللہ میں نے اس حیثیت میں ایک حلم و بردبار خوش خلق وملنسار صائب الرائے اور مفکر مسلمان سے ملاقات کی جس میں اسلام کی سادگی بھی تھی اور بادشاہت کا رعب ووقار بھی۔ اپنی اس باریابی کے موقع پر میں نے حضرت جلالۃ الملک کی توجہ صرف اتحاد اسلامیہ کی طرف مبذول کرائی تھی اور حجاز کی موجودہ حالت اور آئندہ اصلاحات سے متعلق

کچھ عرض نہ کیا تھا۔ اس وقت تک میں نے حالات حجاز کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا تھا اور میری مدینہ طیبہ کی حاضری ابھی باقی تھی۔ البتہ شہزادہ ولی عہد و نائب السلطنۃ ہز رائل ہائینس امیر فیصل کی خدمت میں تعلیم، تجارت، سکہ کے چلن وغیرہ کے متعلق چند مختصر معروضات کیے تھے جو یقین ہے کہ قابل توجہ قرار دیے گئے ہوں گے۔ میری تمنا تھی اور حضرت جلالۃ الملک نے اجازت بھی دی تھی کہ مدینہ منورہ پر واپسی پر حاضر خدمت ہو کر اپنے معروضات سمع ہمایوں تک پہنچاؤں۔ حالات نے مساعدت نہ کی اور وقت نے ساتھ نہ دیا کہ میری یہ تمنا پوری ہوتی اور مجھے بے نیل و مرام آگے بڑھنا پڑا۔

لیکن حضرت جلالۃ الملک نے میری باریابی کے موقع پر جس توجہ اور انہماک سے میرے معروضوں کو سماعت فرمایا تھا اسے پھر جرأت دلائی اور یہ تحریر اس کے نتیجہ کے طور پر حاضر خدمت کرتا ہوں اور حضرت سلطان کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے میرا مقصود صرف امتثال امر بالمعروف ہے۔ نہ میں بعض چھوٹے اور بددوست نما دشمن علماء کی طرح انعام و وظائف کا امیدوار ہوں نہ شہرت و بزرگی کا طالب۔ وباللہ توفیق وحسبی اللہ ونعم الوکیل۔

(نامکمل)

نوٹ: حضرت قائد ملت کا لکھا ہوا خط موسومہ مفتی اعظم سید امین الحسینی کے ساتھ نواب صاحب کے کاغذات سفر میں مفتی اعظم سید امین الحسینی کے بارے میں نواب صاحب کی پہلی ملاقات کا ذکر بھی ملا۔ جو بیحد دلچسپ اور گرانقدر معلومات پر مشتمل ہے۔ (مرتب)

مفتی

مفتی اعظم سید امین الحسینی ۷ جون ۱۹۳۱ء

چار بجے کھانا کھایا اور پانچ بجے مفتی سید امین الحسینی مفتی اعظم و

رئیس مجلس اسلامی اعلیٰ سے ملاقات کے لیے گیا۔ نہایت خوش خلق مفکر و مدبّر قائد ہیں۔ اسلام کا درد رکھتے ہیں۔ یہاں بعض اور مفتیوں اور فلسطین کے علماء سے ملاقات ہوئی مغرب تک مختلف اسلامی مسائل اور خصوصاً قضیہ براق کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ اس قضیہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا جس سے معلوم ہو کہ اگر اس موقع پر انھوں نے جرأت و استقلال سے کام نہ لیا ہوتا تو براق شریف کے مقام پر یہودیوں کا قبضہ ہو جاتا اور یہ اقدام مسجد اقصیٰ اور صخرۃ اللہ کے قبضہ پر منتج ہوتا۔ بیان کیا جاتا کہ یہود اسی تمنا میں دیوار بکا کے پاس کھڑے رویا کرتے ہیں۔ اس قضیہ سے متعلق جو لٹریچر انھوں نے شائع کیا اس کے نسخے مجھے ہدیۃً دیے۔

مفتی اعظم سید امین الحسینی ملاقات بازدید کے لیے آئے۔ بلاد عرب شام، فلسطین اور عراق سے ترکوں کے اسباب و علل پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ ان کا خیال ہے کہ سلطان عبدالمجید کے زمانہ سے یورپ نے ترک نوجوانوں کے ذہن میں اسلام کی بجائے قومیت کے جذبات پیدا کیے۔ یہی جذبات قومیت ترکوں نے چرکسیوں، دردیریوں اور لبنانیوں میں پھیلائے جو انقلاب کا بنیادی سبب تھا۔ شریف حسین کے قلب و دماغ پر ان ہی جذبات کا تسلط تھا۔ انگریز نے اس کو بہکایا اور وہ ان کی زد میں آگیا۔

رات کے آٹھ بجے مفتی اعظم کے پاس دعوت میں گیا۔ جلالۃ الملک شریف علی ابن حسین سابق شاہ حجاز اور امیر عبداللہ بن حسین والی شرق اردن سے تعارف ہوا۔ کھانے پر دونوں امراء مجھ سے مخاطب رہے۔ ہندوستان خصوصاً حیدرآباد کے حالات میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ یہ سن کر کہ میں نے اسی سال حج کیا ہے چاہتے تھے کہ سلطان مجھ سے سلطان ابن سعود کی شکایت سنیں۔ لیکن انھیں مایوسی ہوئی کیونکہ میں تے ابن سعود

کی حکومت کے محاسن و معایب صاف صاف بیان کیے۔

شریف علی متین، خاموش اور سنجیدہ آدمی ہیں اور شریف عبداللہ بانونی چرب زبان اور قدرے مغرور ہیں۔ شریف عبداللہ نے شرق اردن آنے کی دعوت دی اور شریف علی نے عراق میں ملاقات کی امید ظاہر کی۔ (قلمی مسودے سے)

مخدوم و معظم بندہ صاحب السماحۃ مولانا سید امین الحسینی
مفتی بیت المقدس و صدر مجلس الاسلامی الاعلیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاۃ۔ جناب کا گرامی نامہ وصول ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ عرض کرتا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ جب قدس میں مجھے جناب کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا تھا۔ از راہ کرم جناب نے مجھے اس موتمر کی دعوت دی تھی اور مشہور عالم حسن خلق کے ساتھ اصرار بھی فرمایا تھا۔ میرے لیے باعث فخر و مسرت ہوتا اگر اس دعوت کو قبول کر سکتا لیکن اس وقت بھی معافی چاہی تھی اور اب بھی متعذر رہوں۔ آٹھ ماہ کی مسلسل سیاحت نے جس سے واپس آکر صرف ایک مہینہ ہوا ہے بہت تھکا دیا ہے۔ نیز یہاں ملک و ملت کی جو خدمات مجھ سے متعلق ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ اپنی طویل غیر حاضری کی تلافی کروں۔

صمیم قلب سے میری دعا ہے کہ خدا اس موتمر کو کامیاب کرے اور فلاح و صلاح ملت سے متعلق آپ کی ہر تجویز بارآور ہو۔ والسلام

احقر العباد
بہادر یار جنگ

۲ دسمبر ۱۹۳۱ء م ۲۲ رجب ۱۳۵۰ھ

— ۰۰ —

از الدنیا المصورہ قاہرہ (مصر) یکم جولائی ۱۹۳۱ء عدد ۱۵۳

نواب بہادر یار جنگ بہادر

نواب صاحب کے سفر بلاد اسلامیہ کے دوران اخبار الاحرام الدنیا المصورہ اور فلسطین کے اخبارات و رسائل میں جو تعارف او رانٹرویو شائع ہوے اور جو ہمیں دستیاب ہوسکے ان کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

امیر بہادر خاں کون ہیں؟ مشرق کے لیے ہے۔ امراء اور رئیسوں کے مدارج ہندوستان میں۔ نظام حیدر آباد۔ ہند و مصر۔ رابطہ شرقیہ۔ امیر کی ملاقات دفتر الہلال میں۔ صحافت عربیہ کی تعریف امیر کی زبانی۔

جب نواب بہادر خاں قاہرہ میں اترے تو پہلے ان کی توجہ یہ ہوی کہ ایسی ہوٹل کی تلاش کی جائے جس کو کوئی مصری یا کوئی مشرقی چلاتا ہو۔ جب ان کو ایسی کوئی مناسب ہوٹل نہ ملی تو مجبوراً ہوٹل (میٹرو پولیٹین) میں فروکش ہوے۔ جہاں نسبتاً کم ہجوم رہتا ہے اور قاہرہ کی سب ہوٹلوں میں زیادہ پرسکون ہے۔ امیر موصوف کے کردار و صفات کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے کہ وہ مشرق اور مشرق والوں کے ساتھ ایک گہرا انس رکھتے ہیں جو ان کی گفتگو اور طرز تکلم سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

گزشتہ ہفتہ سے عالی مرتبت نواب بہادر یار جنگ قاہرہ تشریف لائے۔ وہ نظام حیدرآباد (ہند) کے امراء میں سے ہیں۔ ان کا نام اور لقب دونوں نواب بہادر خاں

بہادر یار جنگ ہے اور اس امیر کا حیدرآباد اور ہندوستان میں خاص شرف و امتیاز ہے جوان کے اعلیٰ اخلاق اور علم و مذہب کے ساتھ ان کی والہانہ شیفتگی کے سبب سے ہے ان کے مختصر قیام قاہرہ کے دوران میں ان سے صاحب الدولہ مصطفےٰ نحاس پاشا، اور صفیہ خانم زاغلول اور دوسرے بڑے اور نامور لوگوں نے اس ہوٹل میں ملاقاتیں کیں جہاں وہ ٹھیرے ہوئے ہیں۔

امیر موصوف ایک دراز قامت جوڑے شانوں کے ہیں۔ ان کے چہرہ سے ایک وقار ٹپکتا ہے جس میں بوڑھوں کی سی حکمت و دانائی اور جوانوں کی سی ہمت و جوش جھلکتے ہیں۔ اثناءِ ملاقات میں انھوں نے کہا۔

میرا خاندان حیدرآباد کے قدیم خاندانوں میں سے ہے جس کے افراد امیر کے لقب سے ممتاز رہے ہیں اور دوسو سال سے ان کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔

(کچھ عبارت کرم خوردہ ہوگئی ہے جس کے باعث پڑھی نہ جا سکی۔ (مرتب)

تمر اخبار الدنیا المصورہ قاہرہ (مصر) یکم جولائی ۳۱ء عدد: ۱۵۳

نواب صاحب دفتر الہلال میں

نواب امیر نے ان ترقیات کے بارے میں گفتگو کی جو انھوں نے مصر کے اندر مشاہدہ کیے۔ ان کو مجلہ (الدنیا المصورہ) کے نمائندے نے دفتر الہلال دیکھنے کی دعوت دی تھی تاکہ وہ ان ترقیات کے ایک پہلو کا ملاحظہ کریں جو طباعت و صحافت میں جاری ہوئے چنانچہ انھوں نے اپنی عنایت سے یہ دعوت قبول کی اور الہلال کے دفتر کے تمام صیغوں کا

معائنہ کیا۔ استاذ امیل زیدان جو الہلال کے دو ذمہ دار ایڈیٹروں میں سے ایک ہیں ان کو سب حالات کا معائنہ کروایا، اور ان کو بتلایا کہ ان کے اخبار اور رسالے کس طرح مختلف اوقات اور زبانوں میں ترقی کی منزلیں طے کرتے چلے گئے۔ اور ان کی طباعت اوٹوگراف سے طباعت کس طرح ہوتی ہے۔ نواب صاحب نے ان چیزوں کو دیکھ کے بے حد خوشی اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔

استاذ امیل زیدان کی تعارفی کارروائی کے بعد نواب صاحب نے کہا:

"میں نے مرحوم جرجی زیدان بانی رسالۂ الہلال کے تمام تصنیفات کا نہایت شوق سے مطالعہ کیا ہے اور ان سے مجھے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ خاص کر ان کی کتاب "تمدن اسلام" اور دوسرے تمام قصوں کی وہ کتابیں جو عربی تاریخ کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں اور عربی تمدن و تہذیب کی بڑی خوبصورت تصویر کھینچتی ہیں۔ اور اس کی بھی مجھے بڑی خوشی ہے کہ ان کی یہ ساری کتابیں اردو زبان میں منتقل ہو چکی ہیں اور ہندوستان کے ادیبوں اور عالموں کے پاس بڑی مقبولیت حاصل کر چکی ہیں جو اس کے مصنف کے وسیع مطالعۂ اعلیٰ علمیت اور عربی ثقافت سے گہری دلچسپی کے نمائندہ ہیں۔

پھر نواب صاحب نے استاذ امیل زیدان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

میں اس سے پہلے اس مثل کو سنتا تھا کہ (الولد سِرُّ لابیہ) باپ اپنے بیٹے کی نشانی ہوتا ہے۔ مگر میں نے اس مثل کی عملی صداقت جیسی کہ مدیر الہلال کے فرزند میں دیکھی اور کہیں نہیں دیکھی۔

میں اپنے مصری بھائیوں کے شکریہ کا حق ادا نہیں کر سکتا کہ انھوں نے میرے ساتھ برادرانہ صداقت اور حقیقی محبت کا جو مظاہرہ کیا اور مدیر میں مصری صحافت کی عمدگی

اور صلاحیت کی تعریف الفاظ میں کرسکتا ہوں۔ خاص کر دفتر الہلال اور اس کے قلمی ساتھی کے معائنہ سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوا جس کے دفتر میں میرا گرمجوشی سے استقبال ہوا۔ ان کے اعلیٰ اخلاق اور ان کی اعلیٰ قابلیت کی نشانیاں میرے دل پر اپنا گہرا نقش چھوڑ چکی ہیں۔

ساتھ ہی میں اپنے دوست محمود عرفانی کا شکریہ ادا کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جنھوں نے اس سفر کے ہر موقعہ پر میرے ساتھ رہنے اور اپنے عزیز وقت کی قربانی کر کے اپنے گہرے خلوص کا مظاہرہ کیا۔ ان کی وجہ سے مصر کی بہت سی باتوں کا مجھے علم ہو سکا۔

استاد عرفانی ہندی صحافت کے ایک نمائندے ہیں اور اپنے اخبار کی وجہ سے وہ مصری قوم کی ترقی اور ان کے کاروبار کا تعارف ہندوستانیوں سے کراتے رہتے ہیں اور مجھے پوری توقع ہے کہ ان کی یہ خدمات ہند و مصر کے روابط کو مزید استوار کرنے کا ثمر لائے گی۔ اور دونوں اقطار ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے۔

(الحمد للہ رب العالمین)

نظام حیدرآباد

نواب ممدوح سے عالی قدر حضور نظام حیدرآباد کے بارہ میں جو ہندوستان کے سارے رئیسوں میں سب سے بڑے اور دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند انسان ہیں) جو گفتگو کی گئی اس کا خلاصہ یوں ہے۔

آپ نے کہا: مسلم تاجدار نظام جو میرے آقائے ولی نعمت ہیں ان کی عمر اس وقت پچپن ۵۵ سال کی ہے وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کیے ہوئے ہیں۔ عربی و فارسی زبانوں سے بخوبی

واقف ہیں، اور ار دو زبان کے بہترین اہل قلم اور بہت بڑے شاعر ہیں وہ فارسی میں بھی اعلیٰ شاعری کرتے ہیں اسی طرح وہ انگریزی میں بہترین لکھ دیتے ہیں۔

نظام اپنی رعایا کو بہت چاہتے ہیں۔ اور انکو بھی ان کی رعایا ویسا ہی چاہتی اور محبت کرتی ہے اور اسی طرح وہ ہندوستان کے سارے مسلمانوں کے دل میں بھی جگہ رکھتے ہیں۔

حضور نظام لاکھوں روپے ہر سال علوم وفنون کی اشاعت میں خرچ کرتے ہیں جس سے اپنی رعایا کو فیض پہنچانا مقصود ہے۔ ساتھ ہی نیکی اور خیرات اور غریبوں کی مدد میں بھی بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اپنے ایسے اعلیٰ مرتبہ اور منصب شاہی کے باوجود اپنی کوٹھی سے روزانہ اپنی رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے خود بنفس نفیس باہر نکلتے ہیں۔

رعایا کے حالات پر شفقت و مہربانی کی ایک مثال ان کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ راستے سے جا رہے تھے کہ ایک مکان سے کسی غریب کی شادی کے باجے اور دھوم دھام کے مظاہر نظر آئے وہ اسی وقت اپنی سواری رکوا کر شادی میں شریک ہوئے جس کی وجہ دولہا دولہن شادی کے متعلقین کی بڑی خوشی اور بڑی عزت افزائی ہوئی۔

حضور نظام کی ریاست کے لیے علیحدہ ریلوے لائن ہے۔ ان کی فوج اور پولیس عدالت اور ٹپہ بالکل الگ ہے۔ ان کے ڈاک کے ٹکٹ بھی علیحدہ چھپتے ہیں ان کے پاس دارالضرب بھی ہے جس میں ان ہی کے نام سے روپے اور سکّے بنتے ہیں۔ ان کی عدالت اور ان کی مہربانی سے ان کی پوری رعایا پوری مساوات کے ساتھ مستفید رہتی ہے۔

میرے لیے اس وقت اس سے زیادہ حضور کی تعریف ممکن نہیں وہ میرے آقا اور میرے خداوند نعمت ہیں۔

از اخبار المقطم قاہرہ (مصر) ۲۷ رجون ۳۱ء

امیر ہندی

عالی مرتبت نواب بہادر یار جنگ جمعہ کی صبح کو اسکندریہ روانہ ہوئے نواب موصوف امراء حیدرآباد سے ہیں چند دنوں قاہرہ میں قیام کے دوران وہ تواضع واکرام کے مرکز بنے رہے۔ مصر کے اور دوسرے مشرقی ملکوں کے خاص خاص افراد ان کو خدا حافظ کہنے کے لیے آئے جن میں سے قابل ذکر استاذ احمد زکی پاشاہ، سید عبدالرسول کشمیری (رئیس تجار ہندوستان مقیم مصر) اور استاذ محمود احمد عرفانی مدیر رسالۂ اسلامی دنیا (ہند) اور استاذ تیسیر ظبیان مدیر کتب خانہ عرب لیگ وغیرہم ہیں۔ اور کئی اصحاب صرف اس وجہ سے ان کو الوداع کہنے نہ آئے کہ زیادہ ہجوم سے نواب صاحب کی راحت میں مخل نہ ہوں۔

اس کا علم ہوا ہے کہ نواب صاحب موصوف دو روز تک اسکندریہ میں قیام فرما رہیں گے جس کے اثناء میں وہ ہز ایکسلنسی عمر طوسون پاشاہ اور بعض دوسرے حکام سے ملاقات کریں گے اس کے بعد وہ فلسطین اور دوسرے عربی ممالک کے لیے روانہ ہوں گے۔

مراسل فلسطین خصوصی کے قلم سے:

مکتوب مصر

فضیلت مآب امیر نواب بہادر خاں سے بات چیت
مملکت نظام حیدرآباد کے متعلق دلچسپ معلومات

مصر کی سیاسی حالت پر تبصرہ - امیر موصوف کی رائے صدر عرب لیگ کے بارے میں.
(عالی قدر نواب بہادر خاں سے جو میں نے ملاقات کی فلسطین کے نامہ نگار کی حیثیت سے اس موقع پر ان سے گفتگو کا متن درج ذیل ہے:

س :- ممالک عربیہ میں آپ کی سیاحت کا مقصد کیا ہے ؟

ج :- میرے اس سفر کے مختلف اغراض ہیں ان میں سب سے مقدم قرآن شریف کی اس آیۃ کریمہ پر عمل ہے کہ "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلکم" - "کہہ دو کہ وہ زمین پر سیر کر کے دیکھیں کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو تم سے پہلے تھے"۔ اس کے بعد عہد حاضر کے مسلم اقوام کے حالات کا عینی مشاہدہ کرنا ہے تا کہ ان اقوام کے درمیان روابط کے قوی کرنے کے امکانات کو پیدا کیا جائے۔

س :- ہندوستان میں مسلمان کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں.

ج :- ہند کے مسلمانوں کے متعلق میں یہ کہوں گا کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں بھی ہو اور آندھی کا طوفان بھی اس پر چل رہا ہو. تاہم میرا خیال یہ ہے کہ ان کی حالت ان کے بھائیوں سے بہتر نہیں ہے جو فلسطین و شام و مصر وغیرہ میں زندگی بسر کرتے ہیں بڑی حد تک ان سے مشابہ ہے. میرا خیال یہ ہے کہ یک اہم ترین سیاسی مرحلے سے وہ گزر رہے ہیں جس کے نتیجہ کی پیش گوئی کرنے میں جلدی نہیں کی جا سکتی.

ہند کے مسلمان تو وہ ہیں جو کسی زمانے میں اس ملک کے راج پاٹ میں ان کا اہم کردار رہا ہے. ایک عرصہ تک نشۂ حکومت میں مدہوشی نے ان کو عیش و

تن آسانی میں لاکر ڈال دیا تھا مگر زمانے کے سخت ہاتھوں نے جب جھنجوڑ جھنجوڑ کر بیدار کیا تو وہ خواب غفلت سے جاگ اٹھے، ان کی بیداری بے وقت نہیں ہے جس کی وجہ ہم کو امید ہے کہ ان کا مستقبل تابناک اور امید افزا ہی ہوگا۔ نہ صرف علمی بلکہ ثقافتی، صنعتی اور تجارتی میدانوں میں بھی ان کے اقدامات تیزی کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

س:۔ مصر کے حالات حاضرہ کو آپ نے کیسے پایا۔

ج:۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں مصر کے سیاسی حالات کا گہری نظر سے عینی مشاہدہ کروں۔ میرے خیال میں واقعہ تو یہ ہے کہ یہ معاملہ میرے مصری بھائیوں ہی سے زیادہ تعلق رکھتا ہے گو ہم کو اس سے تعلق خاطر ضرور ہے مگر خود اہل وطن اپنے ملک کے مصالح وشئون سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اور وہی اس کے لیے لائحہ عمل مرتب کر سکتے ہیں۔ مجھے اس سے زیادہ اس کی گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے البتہ ایک چیز جو میرے لیے زیادہ اہمیت کا احساس دلا چکی ہے وہ یہاں کے ذی علم افراد، قائدین اور مختلف پارٹیوں کے ارکان سے ملاقات میں مجھے اس کا علم ہوا وہ یہ ہے کہ سب کے اندر قدر مشترک ہے کہ ان میں اپنے ہندی مسلم بھائیوں کے لیے گہرے ہمدردانہ جذبات کارفرما ہیں۔

اس بات سے مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے یہاں کے بعض ذی علم لوگوں میں ثقافت اور تجدد سے محبت دیکھی ان کے افکار میں توازن اور سنجیدگی ہے۔ مگر مجھے اس کا افسوس ہے کہ قاہرہ کے بعض ظروف واحوال ان کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیتے ہیں اس وجہ سے ان کی ذہنی صلاحیتوں سے ملک استفادہ نہیں کر سکتا۔

س۔ کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے حیدرآباد دکن کے متعلق ممکنہ تفصیلی

معلومات دیں گے۔

ج:۔ میں آپ کے اس سوال کا شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ میں خود بھی یہ چاہتا ہوں کہ خاص طور پر میرے مصری اور فلسطینی بھائی حیدرآباد کے حالات سے باخبر رہیں جو حقیقت میں ہند کے سب سے بیدار مملکتوں میں سے ہے اور وہ ان اسلامی حکومت کے باقیات میں سے ہے جو کسی زمانے میں مغلیہ سلطنت کے نام سے یہاں قائم تھی۔ اور جس پر نظام کا خاندان کوئی دو سو سال سے اس پر عدل و مساوات کے ساتھ حکمران ہے۔

اس مملکت کا رقبہ ـــ اگر اس میں صوبہ برار کو بھی شامل کرلیں ـــ تقریباً سارے یورپ کے نصف رقبہ کے برابر ہے اور اس کی آبادی اخیر مردم شماری کی رو سے جو دس سال پہلے ہوئی تھی ایک کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کی آمدنی جو جاگیرداروں کی آمدنی کے علاوہ ہے تقریباً ۱۲ کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ گویا اسّی لاکھ مصری پونڈ کے برابر

اور حیدرآباد کے جاگیردار اپنے علاقوں میں مستقل حیثیت رکھتے ہیں تاہم ریاست کے نظام داخلی سے ان کا پورا ربط ہے۔ ان میں سے اکثر کے پاس منظم تشکیلات ہیں۔ جیسے[1] عدالت اور پولیس کے بھی خاص انتظامات ہیں۔

حکومت کا انتظام ریاست میں دنیا کے مستقل حکومتوں کے انتظامات کے مماثل ہے خاص کر داخلی معاملات میں۔ میں مصر کے نظام حکومت اور حیدرآباد کے نظام حکومت میں تقریباً کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ حکومت کی ایک مجلس قانون ساز[2] ہے جو کہ قوانین کی تشکیل کرتی ہے اور اس وقت میں بھی اس کا ایک رکن ہوں۔ اس کے علاوہ مجلس تنقیدی[3] اور وزراء (باب حکومت) بھی ہے۔

۱ے مقننہ ۲ے عاملہ

ہمارے قوانین برطانوی حکومت کے قوانین کے متوازی رہتے ہیں تاہم شعائر اسلامی کی ان کے اندر خصوصی رعایت رہتی ہے اور ہماری حکومت اپنے تمام کاروبار پورے استقلال سے انجام دیتی ہے وہ بادشاہ کے نام سے سکّے بناتی ہے اور اس کی فوج اور فوجی معاملات، خاص اور مستقل ہیں۔

ہمارے موجودہ بادشاہ کا نام نواب میر عثمان علی خاں بہادر ہے۔ ان کا خاندان نہایت نامور اور شریف ترین خاندان رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت فطری طور پر نہایت نادر صفات سے متصف ہیں وہ تدبر و سیاست کی بہت گہری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں ساتھ ہی نہایت علم دوست اور علم پرور ہیں ان کے روشن اور ناقابل فراموش کارناموں کی تفصیل دینے یا اس کی جیسی چاہیئے تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ ایک معمولی واقعہ ان کے رعایاپروری کا ان کے بنائے ہوئے تالاب ہیں جو حیدرآباد کے ایک بڑے رقبہ کو سیراب کرتے ہیں۔

اور سب سے بڑی خدمت قومی جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے جس میں مختلف علوم و فنون کی مادری زبان میں تعلیم ہوتی ہے بلکہ یہاں بہت سی علمی کتابوں کے ترجموں کا انتظام بھی ہے جو تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ یہاں انگریزی زبان بیرونی زبان کی حیثیت سے سکھائی جاتی ہے۔

دارالترجمہ کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ جدید علوم و فنون کے بہت سے اصطلاحات کا اس نے اپنی زبان میں ترجمہ کرلیا ہے اور تقریباً یہ وہ امتیاز ہے جو ابھی تک عرب ملکوں کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

حیدرآباد کے جاگیردار بہت سے ہیں۔ چھوٹے بڑے ملاکران کی تعداد تقریباً (۹۰۰) ہے۔ ان میں بعض بہت بڑے امراء ہیں جن کو امراء پائیگاہ کہتے ہیں۔ ان میں سے بڑی

پائیگاہ کی سالانہ آمدنی چالیس لاکھ روپیہ ہے۔ اور وہ جاگیر دار جو ایک ہزار سے لے کر ایک لاکھ روپے تک سالانہ آمدنی رکھتے ہیں بہت سے ہیں۔ تاہم یہ تمام جاگیردار رئیس دکن سے رشتہ یا قرابت نہیں رکھتے بلکہ اُن کو یہ جاگیریں ان کے خدمات کے صلے میں ملکی انتظامات میں تعاون کی شرط پر دی گئی ہیں۔

یہ سب ملک و قوم کے ساتھ پوری طرح ہمدردی رکھتے ہیں اور جب کبھی ضرورت ہو اپنی فوج کے ساتھ ملک کی مدد کرنے کے لیے تیار رہیں اور پوری جاں نثاری کے جذبات کے ساتھ ملک کے لیے قربانی دینے اور مدافعت کرنے پر آمادہ ہیں اور کئی مرتبہ اس کا عملی ثبوت بھی پیش کیا ہے اس لیے حکومت کو بھی ان پر پورا اعتماد ہے۔

حیدرآباد کے مسلمان اپنے فرمانروا کے زیر سایہ ترقی کے منازل طے کر رہے ہیں۔ اگر حالات اسی طرح ان کے مساعد رہے تو ضرور وہ دنیا کے بیدار قوموں کے دوش بدوش آسکتے ہیں۔

از الجامعۃ العربیہ۔ مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۵۰ھ

جلالۃ الملک علی اور امیر عبداللہ کی اپنے والد کے مزار پر حاضری

گزشتہ جمعرات کے دن شام کے سات بجے جلالۃ الملک اور عزت مآب امیر عبداللہ اور امیر جمیل (آخر الذکر ہر دو عمان سے آئے ہیں) بہمراہی فواد بک خطیب و طاہر بک حقہ ر۔ راشد پاشا خزاعی و عبداللہ پاشا داود وغیرہم (جو شرق اردن کے ذی وجاہت لوگوں میں سے ہیں۔ اور ان کا استقبال شہر بیت المقدس کے پہنچنے سے پہلے بمقام عیزریہ کیا گیا) اور ان کے وفد کے ارکان میں عطوفہ کاظم پاشا حسینی اور فضیلت

آبان شیخ محمد آفندی و دجانی و سعید بک حسینی و اسماعیل بک حسینی و اسعاف بک نشاشیبی وغیرہم ہیں شہر بیت المقدس کو تشریف لائے ۔

جس وقت یہ سب حضرات مجلس اسلامی اعلیٰ کے مکان کو پہنچے تو اسکاوٹ روضۃ المعارف اور یتیم خانہ اسلامیہ کے طلبا نے باقاعدہ سلامی پیش کی ۔ یہ لوگ تھوڑی دیر آرام لینے کے بعد مرحوم جلالت مآب حسین کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے ۔ مقبرہ کے پاس قاری شیخ محمد مصری نے قرآن شریف کی دس آیتیں تلاوت کیں اور مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کیا ۔ اس کے بعد یہ لوگ ہندوستان کے مشہور لیڈر مولانا محمد علی مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھی پھر صخرہ شریف جاکر نماز مغرب ادا کی ۔ بعد ازاں جلالۃ الملک علی اور ان کے معزز ہمراہی مجلس اعلیٰ کے فضیلت مآب صدر کے ساتھ اسماعیل بک حسینی کے مکان کو آئے جہاں عشائیہ کا انتظام تھا اور اس دعوت میں حضرت نواب بہادر یار جنگ (مجلس مقننہ حیدر آباد کے ممبر) بھی مدعو تھے ۔

پھر جمعہ کے دن جلالۃ الملک دوسرے معزز اصحاب کے ساتھ نماز جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کی اور پھر دوبارہ والد مرحوم کے مزار پر فاتحہ دی اس کے بعد اسماعیل بک حسینی کے دولت خانے کو تشریف لے گئے جہاں دوپہر کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا جہاں آپ کے ساتھ ہائی کمشنر و علاوہ صدر لجنۂ تنفیذیہ اور مجلس اسلامی اعلیٰ کے صدر اور استاذ اسعاف بک حسینی نشاشیبی اور کئی دوسرے معزز اصحاب تھے ۔

کھانے کے بعد جلالۃ الملک مع دیگر اصحاب کے اسعاف بک حسینی نشاشیبی کے مکان کو گئے جہاں آپ کا نہایت شاندار استقبال ہوا ۔ پھر چار بجے سب موٹروں کے ذریعہ عمان کو واپس ہوئے ۔

دکن کا نواب ابن بطوطہ

مصورِ فطرت کی نظر میں

نوٹ :۔ اردو کے مشہور اور صاحب طرز انشاپرداز مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی مرحوم نے نواب بہادر یار جنگ کے سفر بلادِ اسلامیہ کے فوری بعد ان سے ملاقات فرمائی اور نواب صاحب کے تاثراتِ سفر کو "منادی" میں شائع فرمایا۔ مصورِ فطرت کا یہ مضمون یقیناً ہمارے سفر نامہ کا ایک اہم جز ہے ایک طرف اس میں قائدِ ملت کا مختصر تعارف بھی ہے۔ اور دوسری طرف حالاتِ سفر کا خوبصورت خلاصہ بھی۔

(مرتب)

نواب بہادر یار جنگ : آج ۲۹ اکتوبر کی صبح کو نواب محمد بہادر یار جنگ عالمِ اسلام کے سفر سے دہلی میں واپس آئے۔ اور میں ان سے ملنے گیا اور ان کو ہمراہ لے کر درگاہ میں آیا۔

تعارف : نواب صاحب افغان رئیس ان کے والد نواب نصیب یار جنگ مرحوم اپنے خاندان میں تیسرے نصیب یار جنگ تھے۔ یعنی ان کا یہ خطاب موروثی ہے۔ یہ خاندان بہت بہادر اور تیغ زن اور صف شکن خاندان ہے۔ اس خاندان کے اسلاف نے سلطنتِ اسلامیہ آصفیہ کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں اور حضور نظام کی گورنمنٹ نے بھی اس خاندان کو بڑی بڑی جاگیریں دے کر اس کی خدمات کا

اعتراف کیا تھا۔ چنانچہ اب بھی نواب بہادر یار جنگ ایک بڑی اور معقول جاگیر کے مالک ہیں۔

نواب محمد بہادر یار جنگ نواب نصیب یاور جنگ بہادر مرحوم کے بڑے لڑکے اور جانشین ہیں اور ان کو موجودہ اعلیٰ حضرت حضور نظام نے ایک سال ہوا جب بہادر یار جنگ خطاب عطا فرمایا ہے۔

حلیہ: نواب محمد بہادر یار جنگ کا قد لمبا ہے جسم خوب مضبوط ہے اور چوڑا چکلا ہے۔ چہرہ کتابی ہے اور اس پر افغانیت کا دبدبہ ہے۔ نئی روشنی کے جوان ہیں مگر داڑھی رکھتے ہیں۔ نماز روزہ کے بہت زیادہ پابند ہیں۔ ان کی آواز نہایت بلند اور قوی اور موثر ہے۔ وہ تقریر بہت ہی اچھی کرتے ہیں۔ مذہبی تعلیم کی تکمیل کے اعتبار سے وہ پورے مولوی ہیں۔ عربی اور فارسی زبانیں بے تکان بولتے ہیں اور اظہار مقصد کے لیے ان زبانوں پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

اپنے عقائد خاندانی (مہدویت) کے بہت پکے پیرو ہیں لیکن مسلمانوں کے سب فرقوں کی بہتری اور بھلائی کا احساس رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ پورے مسلم نیشنلسٹ ہیں اور پورے عالمگیر اخوت اسلام کا استحکام ان کو بہت محبوب ہے۔

میں نے ان کے وعظ اور تقریروں کو سنا ہے۔ ان کی تقریریں تسلسل اور زوردار دلائل اور موضوع کی پابندی کے اوصاف ہوتے ہیں۔ ان کی آواز اور لہجہ میں افغانی آتش فشانی ہوتی ہے اور مجھ جیسے کمزور سننے والے یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ نواب صاحب اب تھوڑی دیر میں تلوار میان سے کھینچ لیں گے۔

ان میں اسلامی حمیت و غیرت بہت زیادہ ہے وہ کسی کی رعایت و مروت

سے کوئی نامناسب کلمہ نہیں سن سکتے. فوراً ٹوک دیتے ہیں.

شار دالحجٹ کے زمانہ میں میرا ان کا اختلاف بھی ہوا تھا کیونکہ میں قانون مذکور کا حامی تھا اور وہ مخالف تھے.

خطاب نواب ابن بطوطہ: آج میں نے ان کو نواب ابن بطوطہ خطاب دیا اور ایک وجہ اور معقول سبب کی بنیاد پر یہ خطاب دیا. اس خطاب میں شاعری کی قصیدہ خوانی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی احساس کی بناء پر یہ خطاب دیا گیا ہے جو یہ ہے کہ اسپین کا ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا اور اس نے اسلامی دنیا کی سیر کی تھی اور چین بھی گیا تھا لیکن اس کے سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت کے مقاصد محدود تھے. وہ اسلام کا پورا پابند تھا لیکن اس کے زمانے میں مسلمانوں کی ایسی حالت نہ تھی جیسی آج کل ہے. اس واسطے اس نے اپنے سفر کا بس ایک ہی مقصد رکھا تھا کہ مختلف ملکوں اور قوموں کو دیکھے اور ان کے حالات قلم بند کرے اور ان کے رسم و رواج اور معاشرت اور سیاسی حالات کو بھی قلم بند کرے لیکن نواب بہادر یار جنگ کی سیاحت کا محض وہی ایک مقصد نہ تھا بلکہ اور بھی بہت سے مقاصد تھے جن کے ماتحت انھوں نے تمام اسلامی دنیا کی سیر کی اور اس سے نتائج نکالے.

موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمانوں نے اسلامی ملکوں کی سیر کی اور سفرنامے لکھے جن میں ایک میں بھی ہوں اور مرحوم مولانا شبلی بھی ہیں اور مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار بھی ہیں اور بھوپال کے ایک مسلمان بھی ہیں جنھوں نے اسپین کا بہت اچھا سفرنامہ لکھا ہے اور مرحوم حافظ عبدالرحمٰن امرتسری بھی ہیں. ان کے علاوہ اور

بھی بہت سے ہیں لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے ایک ہی وقت میں تمام اسلامی دنیا کے ملکوں اور قوموں کو دیکھا ہو اور مذہبی اور سیاسی اور معاشرتی مقاصد سامنے رکھ کر دیکھا ہو۔ اس لحاظ سے نواب بہادر یار جنگ مذکورہ سیاحوں سے اعلیٰ ہیں کہ انھوں نے مسلسل سفر کیا اور چھ مہینے میں عراق اور حجاز اور شام اور فلسطین اور مصر اور ایران اور قسطنطنیہ اور انگورہ اور وسط ایشیا اور افغانستان وغیرہ سب ملکوں کو بہت گہری نظر سے دیکھا، وہاں کے علماء کو دیکھا ارباب حکومت کو دیکھا اخبار نویسوں کو دیکھا۔ ہر قسم کے رہنماؤں کو دیکھا اور ان سب مذکورہ مقاصد کے ماتحت مباحثے کیے اور ان سے نتائج نکالے پس میرے عقیدہ میں اپنین کے ابن بطوطہ سے بڑھ گئے۔ تاہم یہ قدیمی کی عظمت و عزت کو باقی رکھنے کے لیے نواب بہادر یار جنگ کو ابن بطوطہ سے زیادہ نہیں بلکہ ابن بطوطہ کی برابر سمجھ کر نواب ابن بطوطہ خطاب دیتا ہوں۔

میرے دوست نواب محمد غال صاحب نے حیدرآباد سے لکھا تھا کہ نواب بہادر یار جنگ کا سفر ایسا ہے جو آج تک کسی حیدرآبادی باشندے نے نہیں کیا۔ مگر میرا خیال ہے کہ حیدرآبادی نہیں اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے موجودہ مسلمانوں میں کسی مسلمان نے ایسا جامع اور وسیع سفر اس زمانے میں نہیں کیا۔

میں نے بھوپالی صاحب کے سفرنامہ اپین کو اردو زبان کے سفرناموں سے زیادہ موثر اور کامل سفرنامہ لکھا تھا اور اب بھی میرا یہی خیال ہے لیکن اگر نواب بہادر یار جنگ اپنے سفرنامہ کو ویسا ہی لکھ سکیں جیسا کہ وہ بولتے ہیں اور جیسا کہ انھوں نے گہری نظر سے سیاحت کی ہے تو ان کا سفرنامہ اردو زبان کے سب سفرناموں سے بڑھ جائے گا۔ میں اپنے قلم کو اس معاملے میں تعلّی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ میرا سفر نامہ مصر و شام و حجاز و فلسطین زبان و طرز تحریر اور ایک مخصوص انداز کے اعتبار سے ممتاز سفر نامہ تھا لیکن اس میں معلومات کی وسعت نہ تھی اور اس کو محض روزنامچہ کہہ سکتے ہیں سفر نامہ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ افغانستان کا سفر نامہ جس طرح لکھ رہا ہوں وہ یقیناً ایک علمی سفر نامہ بھی ہوگا اور دلچسپ سفر نامہ بھی ہوگا۔ تاہم وہ محض افغانستان تک محدود ہوگا اور نواب بہادر یار جنگ کا سفر نامہ اسلامی دنیا کے سب ممالک کا آئینہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں اپنا سفر نامہ پورا کرتے ہی حیدرآباد چلا جاتا اور نواب صاحب کے پاس بیٹھ کر ان کا سفر نامہ اپنی زبان میں مرتب کر دیتا لیکن مجھے امید ہے کہ نواب بہادر یار جنگ جیسا عمدہ بولتے ہیں ویسا ہی عمدہ لکھ بھی لیں گے۔ اگر وہ تلوار ہاتھ سے رکھ کر قلم ہاتھ میں اٹھالیں۔

ان کے اجداد سیف و قلم میں یکساں ماہر تھے اور میں غریب تو صرف قلم کا مالک ہوں تلوار میرے پاس لائسنس کے ذریعہ آئی ہے اور بندوق بھی میرے گھر میں ہے مگر وہ بھی لائسنس کی پابند ہے یعنی میری تلوار اور بندوق بھی میری طرح محکوم اور غلام ہے اور میرے قلم پر بھی چاروں طرف کی پابندیاں عائد ہیں۔

میں یقین کرتا ہوں کہ میرا خطاب نواب ابن بطوطہ ہندوستان کی مسلمان قوموں میں ایسا ہی مشہور ہو جائے گا اور پسند کیا جائے گا جیسا کہ میں نواب بہادر یار جنگ کے سفر نامہ کی مقبولیت اور پسندیدگی کی پیش گوئی کر رہا ہوں۔

نواب ابن بطوطہ کے سفر نامہ کا خلاصہ حجاز، نواب بہادر یار جنگ نے حج کیا اور ابن سعود کو دیکھا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مراسم قدیم و جدید پر نظر ڈالی اور حاجیوں کی حالت سے مسلمانان عالم کا ایک اندازہ کیا اور ابن سعود کے مکان پر امان اللہ خاں

سابق بادشاہ افغانستان کو بھی دیکھا اور ان سے ملاقات بھی کی۔

امان اللہ خاں نے نواب بہادر یار جنگ سے دریافت کیا کہ ہندوستان کے مسلمان میری نسبت کیا کہتے ہیں۔ نواب ابن بطوطہ نے کہا میں صرف اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہوں۔ امان اللہ خاں نے نہایت توجہ کے ساتھ خواہش کی کہ تم اپنی رائے ظاہر کرو۔ نواب ابن بطوطہ نے کہا "آپ ایک ایسے بادشاہ تھے جو سڑک بنائے بغیر اس پر نئے زمانہ کی موٹر دوڑانی چاہتے تھے۔ اور آپ کی جلد بازی کی وجہ سے آپ کی حکومت کی موٹر ٹوٹ گئی۔ نواب ابن بطوطہ کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا جو انھوں نے مجھ سے کیں کہ نواب ابن بطوطہ امان اللہ خاں کی گزشتہ اور موجودہ حالت کو گہری نظروں سے دیکھ چکے تھے اور دیکھ رہے تھے۔ اس واسطے نواب ابن بطوطہ پر امان اللہ خاں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔

فلسطین، کی نسبت نواب ابن بطوطہ کا خیال بہت اچھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ فلسطین کے مشہور لیڈر امین الحسینی کو میں نے ایک ایسا لیڈر پایا جس کی تمام اسلامی دنیا میں ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ان کا علم بھی صحیح ہے اور احساس بھی صحیح ہے اور عمل بھی صحیح ہے۔ اور ان کے اندر عوام و خواص کوشش کرنے کی قابلیت بھی بہت زیادہ ہے۔

نواب ابن بطوطہ نے مصر و شام و فلسطین اور عراق وغیرہ کی عرب اقوام کو دیکھنے اور ان کے لیڈروں سے ملنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ اس وقت ایک عالمگیر اخوت اور عالمگیر اتحاد اور عالمگیر مفاد اسلامی کو سمجھنے والا اور برتنے عمل کرنے کا مقصد رکھنے والا فلسطین ہی میں ایک شخص ہے اور وہ امین الحسینی ہے۔

یہودی تحریک: نواب ابن لطوطہ نے یہودی تحریک کو بھی بیت المقدس میں نہایت عمدہ بصیرت و بصارت کے ساتھ دیکھا اور یہودیوں کی نوآبادیوں کو بھی دیکھا۔

تل ابیب: آبادی جو یہودیوں نے یافہ کے قریب بنائی ہے اس کو بھی دیکھا اور اس کی موزہ و بنیت، اور خوشنمائی کو بھی دیکھا اور یہودیوں کے کتب خانے کو بھی دیکھا جس میں اب تک دو لاکھ کتابیں جمع ہوچکی ہیں، اور یہودیوں کی علمی خدمات کو بھی دیکھا جس کے سلسلے میں ایک عربی لغت کا حال معلوم ہوا جس کو یہودی آٹھ برس سے تیار کر رہے ہیں اور اب تک حرف ج تک پہنچے ہیں۔

بحیثیت مجموعی نواب ابن لطوطہ کا یہ خیال ہے کہ یہودیوں کا فلسطین سے خارج کرنا اتنا آسان نہ ہوگا جتنا آسان فلسطین کے عربوں نے سمجھ رکھا ہے۔

شام: شام کا ملک اس وقت فرانس کے قبضے میں ہے۔ مگر وہاں اسلامی اور قومی تحریک ابھر رہی ہے اور جوں جوں اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اس میں زیادہ جوش پیدا ہوتا ہے لیکن جیسا کہ ہر ملک کے مسلمانوں میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو ذاتی مفاد کے لیے قومی مفاد کو فروخت کرنے کا پیشہ کرتے ہیں شام میں بھی موجود ہیں اور انہیں کی وجہ سے قومی تحریک کے راستے میں روڑے اٹکتے رہتے ہیں۔

عراق: عراق کی نسبت نواب ابن لطوطہ سے میں نے کچھ زیادہ گفتگو نہیں کی کیونکہ ایران و ترکی و مصر اور افغانستان اور وسط ایشیا کی گفتگو میں وقت سارا خرچ ہوگیا۔

مصر: مصر کی نسبت نواب ابن لطوطہ نے بہت وضاحت سے گفتگو کی بصری

تحریک کے موجودہ رہنما مصطفیٰ نحاس پاشا خود ان سے ملنے کے لیے قیام گاہ پر آئے اور نواب ابن بطوطہ بھی ان سے ملنے گئے اور مصری قوم کی والدہ ماجدہ سعد زاغلول پاشا کی اہلیہ جن کو مصری لوگ مصر کی ماں کہتے ہیں خود نواب ابن بطوطہ کے پاس ہوٹل میں تشریف لائیں اور نواب ابن بطوطہ بھی ان سے ملنے گئے حکومت پسند پارٹی کے لیڈر صدیقی پاشا بھی نواب ابن بطوطہ سے ملے۔ اور مصر کے مشہور اخبارات کے ایڈیٹروں نے بھی نواب ابن بطوطہ سے مل کر ان کے خیالات معلوم کر کے شائع کیے بحیثیت مجموعی نواب ابن بطوطہ مصر کے مداح ہیں اور ان کے خیال میں مصری قوم کی بیداری اور سیاسی زندگی بہت ترقی یافتہ ہے کہتے تھے جس دن مصطفیٰ نحاس پاشا ہوٹل میں ملنے آئے اور میں ان کو رخصت کرنے کے لیے ہوٹل کے باہر آیا ہزاروں مصری جمع ہو گئے وہ یہ یحیی مصطفیٰ نحاس پاشا نعرے لگا رہے تھے۔ عربی زبان میں یحیی کا لفظ زندہ باد کے معنوں میں آتا ہے۔ مصری قوم کی والدہ یعنی سعد زاغلول پاشا کی بیگم صاحبہ اور مصطفیٰ نحاس پاشا تمام ملک میں مقبول و محبوب ہیں۔

نواب ابن بطوطہ نے یہ بھی کہا کہ مصری مسلمان گاندھی جی کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک مسلمان نے یہ بھی کہہ دیا کہ گاندھی جی کے کارنامے حضرت عمر فاروقؓ سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔

ٹرکی : نواب ابن بطوطہ نے ٹرکی ملک کے سب نئے اور پرانے شہر دیکھے کہتے تھے کہ سب عورت مرد یورپین لباس میں ہیں۔ نواب ابن بطوطہ لال رنگ کی ترکی ٹوپی اوڑھتے تھے۔ بڑی عمر کی عورتیں اس ٹوپی کو محبت کی نظروں سے دیکھتی تھیں اور جوان عورتیں رشک و حقارت کی نظریں ڈالتی تھیں اور سنجیدہ اور تعلیم یافتہ

مرد حسرت سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک ترک نے تخلیہ میں ان سے لال ٹوپی مانگی اور اپنی یورپین ٹوپی اتار کر لال ٹوپی اوڑھی اور آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور نواب ابن بطوطہ کے سوال پر کہا کہ میرا بادشاہ یورپین ٹوپی کو پسند کرتا ہے اس واسطے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں لیکن میرا دل اپنی قدیم ترکی ٹوپی کو پسند کرتا ہے۔

انگورہ اور قسطنطنیہ دیوانے ہو گئے ہیں: قسطنطنیہ کے ایک قہوہ خانے میں نواب ابن بطوطہ کے قریب ایک ترک خاندان یورپین لباس میں بیٹھا تھا نواب ابن بطوطہ نے ترک عورتوں کے یورپین لباس کے متعلق کچھ گفتگو کی تو ایک نوجوان لڑکی نے اپنے بھائی سے کہا کہ یہ شخص مجھ کو مسافر معلوم ہوتا ہے اس واسطے ہمارے یورپین لباس کو دیکھ کر پوچھتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یا نہیں۔ اس سے کہو الحمد اللہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہماری رگوں میں جو خون ہے وہ اب تک اسلام پر قربان ہونے کے لیے تیار ہے۔ لیکن یہ مسافر انگورہ اور قسطنطنیہ کو دیکھ کر ترکوں کی حالت کا اندازہ لگائے۔ یہ دنوں شہر تو دیوانے ہو گئے ہیں۔ ترکوں کی اصلی حالت دیکھنی ہے تو یہ مسافر اناطولیہ میں جائے وہاں اصلی ترک نظر آئیں گے۔

نواب ابن بطوطہ کہتے ہیں کہ جب میں اناطولیہ میں گیا تو واقعی میں نے دیکھا کہ وہاں ترکوں کا قدیمی لباس بھی موجود ہے، لمبی ڈاڑھیاں بھی ہیں عورتوں کا پردہ بھی ہے اور مسجدیں بھی آباد ہیں۔

میلاد نبی کی رات: نواب ابن بطوطہ نے کہا میں ۱۲ ربیع الاول کی شام کو قسطنطنیہ میں تھا اور مجھے یاد نہ تھا کہ آج ۱۲ تاریخ ہے۔ یکایک تمام

مسجدوں کے میناروں پر برقی روشنی ہو گئی اور میں نے حیران ہو کر اس کی وجہ پوچھی۔ ترکوں نے کہا آج ہمارے آقا ہمارے رسول کی پیدائش کی رات ہے اس کی خوشی میں یہ روشنی ہوئی ہے۔

مسجد میں سناٹا: نواب ابن بطوطہ کہتے ہیں اسی شام کو میں مسجد ایا صوفیہ میں مغرب کی نماز کے لیے گیا تو وہاں مجھکو سناٹا دکھائی دیا۔ ایک ترک کچھ وظیفہ پڑھ رہا تھا اور ایک نماز پڑھنے آیا تھا اور ایک نماز پڑھ کر جا رہا تھا۔ اتنی بڑی تاریخی مسجد اور شام کے وقت کی نماز کا یہ حال لیکن جو مسجدیں آبادی کے قریب ہیں وہاں بڈھے ترک نماز کے لیے جاتے ہیں اور مسجدیں بھر جاتی ہیں۔

ہندوستانیوں سے نفرت: ترکوں کی موجودہ حکومت کو ہندوستانیوں سے بہت نفرت ہے۔ نواب ابن بطوطہ نے قسطنطنیہ میں مصطفیٰ کمال پاشا سے ملاقات کی کوشش کی جہاں وہ انگورہ سے آئے ہوئے تھے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد سنا کہ مصطفیٰ کمال پاشا کسی اور شہر میں جا کر گرمی کا زمانہ بسر کریں گے اس واسطے میں اس شہر میں گیا اور میں نے وہاں ان سے ملنے کی کوشش کی مگر وزیر خارجہ نے انکار کر دیا۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ترکی حکومت کے اراکین ہندوستان کے بعض جاسوسوں کی وجہ سے سب ہندوستانیوں کو شک اور نفرت سے دیکھتے ہیں۔

مایوسی: عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف رائج کرنے کی نسبت نواب ابن بطوطہ نے کہا مجھے بہت مایوسی ہوئی جب میں نے عربی حروف پسند کرنے والوں کے اندر کسی عملی اقدام کی خواہش نہ پائی۔ اگر حکومت لاطینی حروف کو رائج کر رہی ہے تو

پبلک میں ایسے آدمی ہونے چاہئیں جو عربی حروف کے محافظ ہو جائیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی قوم دینی لحاظ سے ایک بڑے خطرے کی طرف جا رہی ہے تاہم ہر یورپین نما ترک میں اسلام کا اتنا اثر موجود ہے جب کسی سے پوچھو کہ تم مسلمان ہو تو وہ بڑے جذبہ اور لحن کے ساتھ جواب دیتا ہے الحمد اللہ میں مسلمان ہوں.

انگورہ: نواب ابن بطوطہ انگورہ بھی گئے تھے وہ موجودہ حکومت کا پایہ تخت ہے اور ترقی کرنے والا شہر ہے اور اس میں بھی قسطنطنیہ کی طرح یورپ کا تمدن ہر طرف نظر آتا ہے عسکی شہر وغیرہ پرانے مقامات میں قدیمی تمدن بھی موجود ہے.

ایران: نواب ابن بطوطہ نے ایران کو بھی اچھی طرح سے دیکھا وہاں بھی یورپ کا تمدن مسلط ہو گیا ہے. عورت مرد دونوں یورپین بننے کے مشتاق نظر آتے ہیں. ان کے اندر وطنی تحریک بڑھ رہی ہے اور اسلامی احساس کم ہو رہا ہے ان کے دینی پیشوا بھی وطنی رنگ کی طرف جا رہے ہیں اور اسلامی احساس سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں.

نواب ابن بطوطہ رضا شاہ سے نہیں مل سکے کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے لیکن وزراء سے ملے.

نواب ابن بطوطہ کا خیال ہے کہ موجودہ ایران قدیمی اخلاق اور مہمان نوازی کے افسانوں سے دست بردار ہو رہا ہے. ایرانی بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں ان کی آج برسوں تک ختم نہیں ہوتی یعنی وہ جب آج کا لفظ کسی وعدہ میں استعمال کرتے ہیں کہ میں فلاں کام آج ہی کر دوں گا تو وہ آج کئی کئی ہفتہ پورا نہیں ہوتا گویا ان کے ضمیر اور ان کی زبان کا فاصلہ بہت بڑھ گیا ہے اور وہ ایران کے قدیم

زرتشتی مراسم اور خیالات کو بھی پسند کرنے لگے ہیں۔

وسط ایشیا: نواب ابن بطوطہ ایران کے بعد وسط ایشیا کا ایک حصہ دیکھا۔ ہرات وغیرہ شہروں کو دیکھ کر اور وہاں کے مسلمانوں کو دیکھ کر ان پر بہت اچھا اثر ہوا، اور انھوں نے کہا کہ جس طرح شام اور مصر اور فلسطین اور عراق ایک ہادیؑ مصلح کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں اپنی حالت کا احساس موجود ہے اور وہ اس کو بدل کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح سے انھوں نے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں بھی تبدیلی اور ترقی کی زبردست خواہش محسوس کی اور اسلامی جذبہ ان لوگوں میں پایا۔

افغانستان: نواب ابن بطوطہ نے ان تمام مقامات کو دیکھا جن کو میں ابھی دیکھ کر آیا ہوں بلکہ بعض مقامات مجھ سے زیادہ بھی دیکھے اور غازی نادر شاہ سے بھی کئی دفعہ ملے اور افغانوں کے سب عام و خاص افراد سے ملاقاتیں کیں۔ نواب ابن بطوطہ کا خیال ہے کہ مہمان نوازی اور اسلامی اخلاق کے اعتبار سے افغانستان تمام ملکوں سے بڑھا ہوا ہے اور اس کے اندر اسلامی جذبات اور اسلامی غیرت و حمیت کی خواہش بقا کے ساتھ ہی نئی ترقیوں اور نئی تبدیلیوں کی بھی زبردست خواہش پائی جاتی ہے۔

نواب ابن بطوطہ نے غازی نادر شاہ کی بہت زیادہ تعریف کی ان کی متانت ان کی سنجیدگی اور ان کی دین داری اور ان کے سیاسی تدبر اور ان کے عمدہ انتظامات کا نواب ابن بطوطہ پر بہت ہی اچھا اثر ہوا۔ اور وہ ایک خاص خوشی اور ایک خاص جذبے سے افغانستان کو دیکھ کر اپنے ساتھ ہندوستان لائے۔

آخر کی ایک بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ نواب ابن بطوطہ نے ان مسلمانوں کو جو یورپین تمدن اختیار کر چکے ہیں یا اس کے شائق ہیں مفلسی میں مبتلا پایا کیونکہ ان کے خرچ بڑھ گئے ہیں اور آمدنی میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، نہ وہ ترقی کے ذرائع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ان کے پاس ترقی کے ذرائع موجود ہیں۔

نواب ابن بطوطہ کی بات سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا، نواب ابن بطوطہ حیدرآبادی امراء اور غرباء کو نئے تمدن کے اسراف سے محفوظ کر سکیں تو یہ اتنا بڑا کام ہو گا کہ ان کی حیثیت کی تکلیف ان کے لیے اور ان کے ذریعہ میرے لیے دونوں جہان کی راحت و مسرت اور اطمینان کا باعث ہو جائے گی۔ آمین یا اللہ آمین۔

بہادر یار جنگ کا سفر حج

نواب بہادر یار جنگ کے سفر نامہ بلاد اسلامیہ کا ایک مسودہ پاکستان میں غیر مطبوعہ حالت میں ہے۔ اس مسودے کی مدد سے مولوی شاہد حسین رزاقی صاحب نے اس کی تلخیص شائع فرمائی ہے جو بے حد دلچسپ معلومات پر مشتمل ہے اس تلخیص کو اگر ہم شائع نہ کرتے تو بہادر یار جنگ کا سفر نامہ بلاد اسلامیہ کا ایک اہم پہلو ادھورا رہ جاتا۔ (مرتب)

قائد ملت محمد بہادر خاں جو ہندوستان و پاکستان میں نواب بہادر یار جنگ

کے نام سے زیادہ مشہور ہیں ملّت اسلامیہ ہند کے ایک عظیم ترین رہنما تھے انھوں
نے پچیس سال کی عمر میں قومی تحریکوں میں عملی حصہ لینا شروع کیا اور ۱۹۳۱ء میں جب
ان کی قومی زندگی کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے انھوں نے مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کا
سفر کیا تاکہ وہاں کے مسلمانوں سے براہ راست رابطہ قائم کریں اور ان کے صحیح حالات
سے واقف ہو سکیں۔ ممالک اسلامیہ کی اس سیاحت کا آغاز سفرِ حج سے ہوا تھا اور
اس سفر کے اہم واقعات انھوں نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیے تھے۔ یہ مضمون
اسی ڈائری کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔

حیدرآباد دکن میں حج سے متعلق تمام انتظامات محکمہ امورِ مذہبی کے تفویض تھے
پاسپورٹ کی اجرائی قافلہ حجاج کی تنظیم حیدرآباد سے روانگی بمبئی میں قیام لوازماتِ
سفر کی تکمیل، حجاز میں مسافروں کی خبرگیری، مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں قیام خورد ونوش
اور طبی امداد کا انتظام، عرفات اور منا میں عارضی کیمپ کا بندوبست، معلموں اور
مزدوروں کا تقرر غرض کہ پورے سفر کی تمام ضروریات ولوازمات کی تکمیل محکمہ امور مذہبی
کے فرائض میں داخل تھی جس کی وجہ سے حاجیوں کو بڑی سہولت ہوتی تھی۔ تمام حاجی
ایک قافلہ کی صورت میں سفر کرتے تھے حکومت قافلہ سالار کا تقرر کر دیتی تھی اور اس
کی امداد کے لیے ایک مشاورتی مجلس بنائی جاتی تھی بدورانِ سفر ان کے احکام اور
فیصلوں کی تعمیل کرنا تمام حاجیوں کے لیے ضروری تھا۔ حکومت کے مقرر کردہ اشخاص
اگر اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرتے تو حیدرآباد واپس آنے کے بعد ان سے
بازپرس کی جاتی تھی۔ اس طرح حیدرآباد کے حاجی نہایت منظم طریقہ پر فریضہ حج ادا
کرتے تھے حیدرآباد سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کا سفر بہادر خاں نے قافلہ حجاج

کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد دوسرے ممالک کے سفر پر تنہا روانہ ہوئے۔

بحری سفر ۱۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو بہادر خاں مغل لائن کے جہاز "رضوانی" میں بمبئی سے روانہ ہوئے اور ۲۲ اپریل کو جدہ پہنچے۔ اس جہاز کے مسافروں میں بنگال کے ایک ممتاز رہنما عبدالکریم غزنوی بھی تھے جو اس زمانے میں وائسرائے ہند کی کونسل کے رکن تھے۔ انھوں نے جہاز میں ایک مشاورتی مجلس بنائی تھی جس میں ممتاز مسافروں کو شریک کیا گیا تھا۔ حیدرآباد کا نمائندہ بہادر خاں کو بنایا گیا تھا۔ اس مجلس کا مقصد جہاز کے مسافروں کو ممکنہ سہولتیں بہم پہنچانا تھا۔ کامران میں قرنطینہ کی زحمت سے بچنے کے لیے مجلس نے یہ طے کیا کہ سب مسافر ٹیکہ لگوالیں چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور جب جہاز کامران پہنچا تو قرنطینہ کے ڈاکٹروں نے تین چار گھنٹے کے بعد اس کو جانے کی اجازت دیدی۔ مجلس نے یہ انتظام بھی کیا کہ ناواقف مسافروں کو مسائل حج سے آگاہ کیا جائے۔ حج کے فلسفہ اور مناسک پر تقریریں کی جائیں اور صبح ناشتہ کے بعد قرآن کا درس دیا جائے۔ روزانہ شام کو جہاز کے مسافر عرشہ پر جمع ہوجاتے تھے اور بہادر خاں حج اور دوسری اسلامی عبادات کے فلسفے اور اسلامی تعلیمات پر تقریر کرتے تھے۔ کامران سے جہاز جدہ کی طرف روانہ ہوا اور جب یلملم قریب آیا تو مسافروں نے حج و عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لیا اور ہر طرف سے نعرہ تکبیر و توحید کی صدا آنے لگی۔

جدہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو رضوانی بندرگاہ جدہ میں داخل ہوا۔ جدہ کے ساحل کے قریب سمندر میں دور دور تک بڑے بڑے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں بعض جگہ سطح آب سے صرف چند انچ نیچے نظر آتی ہیں۔ دریائی راستہ

بہت پرپیچ ہے اور واقف کار رہبر کی امداد کے بغیر جہاز آگے نہیں بڑھ سکتا۔ چونکہ جدہ پر کوئی گودی نہیں تھی اس لیے جہاز ساحل سے دور ٹھہرتے تھے اور مسافر چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل تک پہنچتے تھے یہ زمانہ حج کا تھا اور ہندوستان و مصر کے حاجیوں کے کئی جہاز بیک وقت آتے تھے اس لیے ساحل تک پہنچے اور بے شمار کشتیوں سے اتاری ہوئی چیزوں کے انباروں میں اپنا سامان تلاش کرنے میں بہت وقت صرف ہو گیا۔ تاہم بہادر خاں نے شہر جدہ کی سیر کے لیے کچھ وقت نکال ہی لیا۔ اور مختلف بازاروں اور محلوں کو دیکھا۔

مکہ معظمہ رات گئے ذریعہ موٹر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں جدہ اور مکہ کے درمیان کچی سڑک تھی اس لیے رفتار بہت سست رہی اور تین بجے رات کو مکہ پہنچے وہاں معلم نے جس مکان کا انتظام کیا تھا اس کی ایک کھڑکی مسجد الحرام کی طرف کھلتی تھی جہاں سے خانہ کعبہ مقام ابراہیم اور صحن مسجد اچھی طرح نظر آتے تھے اس لیے بہادر خاں کو یہ مکان بہت پسند آیا اور وہیں قیام کیا۔ صفا مروہ کی سعی اور عمرہ سے فراغت تک صبح ہو گئی۔

منا کو روانگی ۸ ذی الحجہ، ۲۶ اپریل کو منا روانہ ہوئے جہاں حکومت حیدرآباد کی طرف سے کشادہ اور آرام دہ مکان کا انتظام کیا گیا تھا۔ عصر و مغرب کی نماز مسجد خیف میں ادا کی یہ مسجد امن کوہ میں واقع ہے جہاں حضور رسالت مآب صلعم نے قیام فرمایا تھا۔ مسجد بہت وسیع ہے اور اس کا صحن نہایت کشادہ ہے وسط میں ایک قبہ بنا ہوا ہے جس کو مقام رسول اللہ بیان کیا جاتا ہے۔ نماز عشاء مسجد کوثر میں پڑھی جو مسجد خیف سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے

جہاں رسول کریم پر سورۃ نازل ہوئی تھی. منا سے متصل نہر زبیدہ گزرتی ہے جو ہارون رشید کی نامور ملکہ زبیدہ کی تعمیر کردہ ہے اس پر چھوٹے چھوٹے حوض بنا دیے گئے ہیں جن سے حاجیوں کے لیے پانی فراہم کیا جاتا ہے.

شاہی سواری

دوسرے روز ہمارا رخ منا سے عرفات روانہ ہوئے اور جب مزدلفہ پہنچے تو سینکڑوں موٹریں عرفات کی طرف جاتی ہوئی دیکھیں. معلوم ہوا کہ شاہی سواری جا رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد دفعتاً گرد و غبار کا طوفان سا اٹھا اور سینکڑوں اونٹوں کا دل بادل نظر آیا. تمام اونٹ تازہ اور توانا تھے سب پر سواری کی زین کسی ہوئی تھی اور ہر اونٹ پر ایک سوار احرام باندھے گلے میں کارتوسوں کی پیٹی ڈالے پیٹھ پر بندوق اور ہاتھ میں بید لیے بیٹھا تھا. دس پندرہ سواروں کے بعد سلطان کا اونٹ تھا اور سلطان ابن سعود بھی اسی طرح چمڑے کی زین پر بیٹھے معمولی کپڑے کا احرام باندھے لبیک کہتے جاتے تھے ان کی اس سادگی اور اتباع سنت سے دیکھنے والے بہت متاثر ہوئے.

میدان عرفات

عرفات میں جبل رحمت اور مسجد نمرہ کے درمیان بہت وسیع میدان ہے اور فریضہ حج کی ادائی کے لیے تمام دن یہاں بسر کیا جاتا ہے. اس وسیع میدان میں ہر طرف خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے. عرب کی چلچلاتی دھوپ نے زمین کو تپا دیا تھا سب لوگ پسینہ میں شرابور تھے جسم پر گرد کی تہیں جم گئی تھیں ہونٹ خشک ہو رہے تھے چہروں سے جسمانی تکلیف کے آثار ہویدا تھے لیکن سب کے دل مسرور تھے کہ اللہ نے یہ مبارک دن بھی دکھلایا اور حج کی سعادت نصیب ہوئی. بعد ظہر دعائے عرفات پڑھی گئی. عصر کے بعد روانگی کی تیاریاں شروع

ہوئیں اور مغرب کے بعد یہ وسیع میدان خالی ہونے لگا۔

منا میں قیام

۱۰ ذی الحجہ کو مزدلفہ سے منا پہنچے جمرۂ عقبہ میں رمی جمار کیا۔ اس کے بعد قربانی کے دنبے ذبح کرنے کے لیے مسلخ گئے یہ مقام آبادی سے کچھ فاصلہ پر ہے اس کے اطراف بڑے بڑے گڑھے کدے ہوئے تھے۔ ایک میدان میں بکروں، دنبوں، مینڈھوں، اونٹوں اور گایوں کا ہجوم تھا۔ لوگ خریدتے اور ذبح کرتے تھے۔ تھوڑا سا گوشت تو ساتھ لے جاتے تھے اور باقی وہیں چھوڑ دیتے تھے۔ قربانی کی کھالیں حکومت لے لیتی تھی اور کثیر مقدار میں گوشت گڑھوں میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ قربانی کا گوشت اس طرح ضائع ہونے پر بہادر خاں کو بہت افسوس ہوا۔ انھوں نے حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ اس کو جدید کیمیائی طریقوں سے محفوظ کر کے فروخت کیا جائے اور برآمد بھی کیا جائے تاکہ اہل ملک کو جن کے وسائل معاش بہت محدود ہیں معتد بہ مالی فائدہ حاصل ہو سکے۔

طواف زیارت

۱۱ ذی الحجہ کو بہادر خاں طواف زیارت کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوئے منا سے مکہ تک یہ سفر گدھوں پر کرنا پڑا۔ اور بہت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ان پر خوگیریں کسی ہوئی تھیں لیکن رکاب نہ تھے گدھے والا وقفہ وقفہ سے گدھے کی کمر پر لٹھ برساتا اور گدھا بدک کر بے تحاشہ دوڑنے لگتا تھا۔ ایسی حالت میں جسمانی توازن کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ بہادر خاں کے لیے یہ ایک نیا اور دلچسپ تجربہ تھا اور جو سفر بہت آسان معلوم ہوتا تھا بڑا ہی مشکل ثابت ہوا۔ بہادر خاں جب مکہ پہنچے تو حرم کو تقریباً خالی پایا۔ مکہ کی گلیاں سنسان تھیں دکانوں پر قفل پڑے تھے کیونکہ سارے دکان دار منا میں تھے

طواف سے فارغ ہو کر مکہ سے روانہ ہوئے اور آدھی رات کو منا واپس آ گئے۔

توحید پاشا اور جمال پاشا

منا میں بہادر خاں امیر امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان توحید پاشا اور جمال پاشا اور دوسرے متعدد لوگوں سے ملاقات کی توحید پاشا ترکی کا سابق سلطان عبدالعزیز کے پوتے ہیں اور حج کی غرض سے آئے تھے۔ ترکی سے جلاوطن ہونے کے بعد فرانس میں سکونت اختیار کر لی تھی انھوں نے بڑی حسرت سے اپنی بے بسی اور بے مصرف زندگی پر اظہار افسوس کیا تو بہادر خاں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ مایوس کن حالات میں اپنے اجداد کی طرح عزم و ہمت سے کام لیں اور مسلمانوں کے اتحاد و ترقی کے لیے کوشش کریں۔ جمال پاشا غازی انور پاشا کے ماتحت ترکی کی افواج کے جنرل تھے اور جب بہادر خاں سے ملے تو وہ ابن سعود کی افواج کے کمانڈر تھے چونکہ وہ انگریزی بھی جانتے تھے اس لیے بہادر خاں نے بہت دیر تک ان سے تبادلہ خیال کیا اور انور پاشا کے حالات دریافت کرتے رہے۔

شاہ امان اللہ خاں سے ملاقات

شاہ امان اللہ خاں بھی فریضہ حج ادا کرنے آئے تھے اور بہادر خاں سے بڑے اخلاق و احترام سے پیش آئے بہادر خاں نے امیر امان اللہ خاں میں جو تصویر شاہ افغانستان کی حیثیت میں انھوں نے کھینچی دیکھی تھی اور اس غریب الوطن بے یار و مددگار امان اللہ خاں میں زمین آسمان کا فرق پایا۔ اب امان اللہ خاں کا افغانی تنومند جسم سوکھ کر آدھا رہ گیا تھا۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی چہرہ سے شاہی رعب و داب غائب تھا اور حرکات و سکنات میں عجز و مسکنت بہادر خاں

نے امان اللہ خاں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے فارسی میں کہا کہ میں اپنے آپ کو افغان کہتے ہوئے اس لیے شرم محسوس کرتا ہوں کہ اس قوم نے اپنے ایک نجات دہندہ مصلح محسن اور ترقی پسند حکمران کو تکلیف دی جلاوطن کیا اور خود اپنے ملک کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا جس کی تلافی ناممکن ہے۔ امیر نے جواب دیا کہ میری قوم کو میری اصلاحی تجاویز کے متعلق غلط فہمی ہوئی لیکن میں اپنے افغان ہونے پر شرمندہ نہیں ہوں۔ اور یہ سلوک میرے لیے نیا نہیں ہے کیونکہ انھوں نے نہ صرف میرے ساتھ بلکہ میرے والد اور دادا کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کیا تھا۔

افغانستان میں بغاوت کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے بہادر خاں نے جب پوچھا کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ جو کچھ ہوا وہ محض پروپگنڈہ کا نتیجہ تھا تو امان اللہ خاں نے جواب دیا کہ یقیناً میری ہر تجویز کو لا مذہبیت کا رنگ دے کر پروپگنڈہ کیا گیا اور مجھ پر احکام اسلام سے روگردانی کا الزام رکھا گیا۔ حالانکہ خدا کے فضل سے میں اب بھی راسخ العقیدہ مسلمان ہوں اور انشاء اللہ مرتے دم تک رہوں گا۔ میں نے ملک کے انتظامی معاملات نااہل قاضیوں سے چھین کر سرکاری محکموں کو تفویض کیے لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست کیا اور اپنی قوم کو مہذب و متمدن اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی کوشش کی لیکن تمام اصلاحات کے خلاف جھوٹا پروپگنڈا کیا گیا۔ پارچہ بافی اور دوسری صنعتوں کے لیے جو مشینیں منگوائی گئیں ان کے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ ان مشینوں سے یا مردوں کو جلایا جائے گا۔

اس زمانے میں یہ خبریں شائع ہو رہی تھیں کہ امان اللہ خاں اپنے ملک کو واپس جانا چاہتے ہیں۔ بہادر خاں نے جب اس کے متعلق دریافت کیا تو امیر نے کہا کہ ان کا

ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اگرچہ ان کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اب ان کی قوم یہ محسوس کرنے لگی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ملک کے خیر خواہ رہے اور تمام اصلاحی تجاویز نیک نیتی پر مبنی تھے اس کے بعد بہادر خاں نے دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ نادر خاں نے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ آپ کے لیے تخت حاصل کریں گے اور فی الحال انھوں نے محض قوم کے اصرار پر حکمرانی کی ذمہ داری قبول کی ہے اس کے جواب میں امیر امان اللہ خاں نے کہا کہ ہاں نادر خاں نے مجھ سے حلفی وعدہ کیا تھا اور اگر وہ اس کی پابندی کرنا چاہتے تو قوم کو مجھے واپس بلانے پر آمادہ کر سکتے تھے۔

ملکہ ثریا اور امیر کے آئندہ پروگرام کے متعلق بہادر خاں کے استفسار پر امیر نے کہا کہ وہ اس سال حج کے لیے نہ آ سکیں لیکن توقع ہے کہ آئندہ سال ضرور آئیں گی ہم نے اٹلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے اور میں وہیں واپس جاؤں گا۔ میں نے ہر سال حج کا قصد کیا ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا اہم ترین مذہبی اجتماع ہے جس کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ مختلف اقطاع عالم کے مسلمان ایک دوسرے سے واقف ہوں یہاں کئی لوگوں سے ملاقات ہوئی جن سے واقفیت باعث مسرت ہے اور اگر حج کی وجہ سے یہ اجتماع نہ ہوتا تو ایسے ممتاز افراد سے ملاقات کا کوئی امکان نہ تھا اس کے بعد بہت دیر تک امیر نے حیدرآباد کے حالات اور ہندی مسلمانوں کے متعلق گفتگو کی اور اتحاد اسلامی اور مسلمانوں کی معاشرتی اور اقتصادی اصلاح کے لیے بہادر خاں کی تجاویز سے اتفاق کیا۔

جاوی حجاج منیٰ اور مکہ میں بہادر خاں نے ہندوستان کے علاوہ انڈونیشیا مصر، شام، ایران اور دوسرے کئی ممالک کے مسلمانوں سے

جو حج کے لیے آئے تھے ملاقات کی اور ان ملکوں کے حالات معلوم کیے۔ اس سال صرف انتالیس ہزار حجاج آئے تھے جن میں اکثریت اہل جاوا کی تھی اور ان میں زیادہ تر نوجوان تھے اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ جاوی عموماً اس وقت تک شادی نہیں کرتے جب تک فریضہ حج ادا نہ ہو جائے ہر شخص حج کرنے کے بعد اپنے سلطان سے باقاعدہ سند حاصل کرتا تھا جس میں جاوی نام کے علاوہ اس کا عربی نام بھی درج کیا جاتا تھا۔ جاوا سے آنے والے حاجی کافی خوشحال تھے اور ان میں کوئی شخص دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا نظر نہیں آیا۔ لیکن ان کے برعکس ہندوستان کے حاجیوں میں ضعیف العمر افراد کی اکثریت تھی اور ان میں بیشتر لوگ غیر مستطیع ہونے کی وجہ سے عین زمانہ حج میں دوسروں سے امداد طلب کرتے تھے۔

خانۂ کعبہ میں داخلہ

بہادر خاں بارہ تاریخ کو بعد زوال رمی جمار سے فارغ ہوئے اور منا سے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے وہاں دو روز تک ملاقاتوں، زیارتوں اور مدینہ منورہ جانے کے لیے موٹروں اور دوسری ضروریات کے انتظام میں مصروف رہے، حاجیوں کے لیے ۱۵ ذی الحجہ کو خانہ کعبہ میں داخلہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ خانہ کعبہ کا کلید بردار فی کس تین روپے لے کر داخلہ کی اجازت دیتا تھا لیکن بہادر خاں نے اس طریقہ کو ناپسند کیا۔ آخر یہ طے ہوا کہ باہر نکلنے کے بعد وہ جو مناسب سمجھیں گے انعام دیں گے۔ ایک چھوٹی سی سیڑھی کے ذریعہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ جیسا کہ باہر سے نظر آتا ہے ایک مربع عمارت ہے جو چاروں دیواروں اور تین چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہے نیچے سنگ مرمر کا فرش ہے اور دیواروں پر مختلف رنگ کے نقش کے سنگ مرمر جڑے ہوئے ہیں دیواروں کا بڑا حصہ ایک

سرخ ریشمی پردے سے چھپا ہوا ہے جس پر اسمار الٰہی بافت کیے گئے ہیں۔ چھت پر بھی ریشمی کپڑا چڑھا ہوا ہے۔ تینوں ستونوں کے درمیان لکڑی لگا کر ان پر سونے چاندی اور لوہے کی قدیم وضع قندیلیں آویزاں کی گئی تھیں جو زمانہ قدیم کے بادشاہوں نے نذر گزرانی تھیں۔

مدرسہ صولتیہ کا معائنہ

اسی روز شام کو بہادر خاں نے مکہ کے ایک مشہور دینی ادارہ مدرسہ صولتیہ کا معائنہ کیا مولانا رحمتہ اللہ دہلی کے رہنے والے تھے اور ۱۸۵۷ء کی تحریک کے بعد مکہ میں سکونت اختیار کرلی تھی ان کو یہ خیال ہوا کہ مکہ میں جو عالم اسلامی کا دینی مرکز ہے دینیات کی ایک درسگاہ قائم کی جائے چنانچہ وہ اس کے لیے کوشش کرنے لگے اور ہندوستان کی ایک متمول خاتون صولت النساء بیگم نے اس ادارے کے قیام کی ذمہ داری قبول کرلی۔ مدرسہ کی قدیم عمارت ان ہی کے سرمایہ سے تعمیر ہوئی اور اس میں رفتہ رفتہ توسیع ہوتی رہی۔ اس کے بعد صرف ہندوستانی صاحبان خیر کے سرمایہ سے ایک مسجد، ایک دارالاقامہ اور مدرسہ کی نئی سہ منزلہ عمارت تیار ہوئی۔ حیدرآباد اور بھوپال کی حکومتوں نے اس کے لیے ماہانہ امداد مقرر کردی تھی۔ مولانا رحمتہ اللہ کی وصیت تھی کہ اس مدرسہ کے لیے حکومت حجاز سے کوئی امداد نہ لی جائے، اور ادارے کے منتظمین نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا۔

سلطان ابن سعود سے ملاقات

۱۶ر ذی الحجہ کو بہادر خاں نے سلطان ابن سعود اور امیر فیصل سے ملاقات کی۔ عربی وقت کے مطابق تین بجے کے قریب سرکاری موٹر میں بہادر خاں سلطان

کی جدید قیام گاہ پر پہنچے جو منا کے راستے میں تعمیر کی گئی ہے ایک وسیع کمرے میں جہاں
دیواروں سے مشرقی وضع کے کوچ لگے ہوئے تھے اور عمدہ قالین کا فرش تھا بہادر خاں
کو بٹھایا گیا۔ اس وقت سلطان بدوی قبائل کے شیوخ سے ملاقات میں مصروف تھے
ان میں سے ہر ایک اپنے قبیلے کا سردار تھا اور دس دس بارہ بارہ ہزار آدمیوں
پر حکومت کرتا تھا لیکن ان شیوخ کی ظاہری وضع قطع کچھ ایسی تھی کہ کوئی ان سے مصافحہ
کرنا بھی گوارہ نہ کرسکتا تھا۔ جسم اور لباس صفائی سے بے نیاز۔ برہنہ پا اور گرد و غبار میں
اٹے ہوئے۔ لیکن سلطان ان کی پوری پوری تواضع کرنے پر مجبور تھے ورنہ بغاوت کر دیتے
جب سلطان ان کی ملاقات سے فارغ ہوئے تو پرائیوٹ سکرٹیری بہادر خاں کو سلطان
کے کمرے میں لے گئے جو نسبتہً زیادہ آراستہ تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سلطان
نے سروقد استادہ ہو کر سلام کا جواب دیا اور اپنے قریب بٹھایا۔ سلطان ابن سعود
طویل القامت چوڑے چکلے اور دوہرے بدن کے انسان تھے چہرے پر رعب اور آنکھوں
آثار تفکر ظاہر تھے۔ بہادر خاں نے ان سے مختلف مسائل پر گفتگو کی اور ان کی اصابت
رائے کے قائل ہو گئے۔ اتحاد اسلامی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سلطان نے یہ خیال
ظاہر کیا کہ جب تک مسلمان اختلاف عقائد کو دور نہ کر دیں گے وہ ایک نہ ہو سکیں گے
بہادر خاں نے کہا کہ عقائد کا اختلاف دور کرنا محال ہے اس لیے اتحاد کی بہترین صورت
فی الحال یہی ہے کہ ان اختلافات کے باوجود الاشتراک امور کی حد تک مسلمان متحد
ہو جائیں اور اختلافی امور میں الجھنے سے احتراز کریں۔ ہر شخص کو اپنے عقائد کے مطابق
عمل کرنے کی آزادی حاصل رہے لیکن وہ ملی اتحاد اور ملی مفاد کو بہرصورت ملحوظ رکھے۔
سلطان نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ سیاسیات ہند پر گفتگو کرتے ہوئے سلطان

نے کہا کہ مسلمانان ہند کو ہندوؤں سے شدید خطرات لاحق ہیں اور اگر ہندو راج قائم ہوگیا تو وہ ہندوستان سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کی پوری کوشش کریں گے۔ مسلمانوں کی کمزور حالت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے خاتمہ سے پہلے ہی اپنی سیاسی تنظیم کر کے قوت و استحکام حاصل کر لیں تاکہ مخالفین طاقت اور تنظیم اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ رخصت ہوتے وقت سلطان نے بہادر خاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں آپ کے خیالات سے بہت متاثر ہوا ہوں اور اگر آپ سے ملنے کا پھر موقع ملے تو مجھے انتہائی مسرت ہوگی۔

امیر فیصل

سلطان ابن سعود سے رخصت ہو کر بہادر خاں سلطان کے فرزند اور نائب السلطنت شہزادہ فیصل سے ملنے گئے۔ جو شریف حسین سابق شریف مکہ کے مکان میں مقیم تھے۔ فیصل ایک بڑے کمرے میں حمزہ شامی وزیر خارجہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا دربار سلطان کی بہ نسبت زیادہ شاندار تھا۔ تقریباً ایک سو مسلح فوجی عہدیدار دونوں جانب فرش پر بیٹھے ہوئے تھے بہادر خاں کے داخل ہوتے ہی شہزادہ اور ان کے ساتھ فوجی عہدیدار کھڑے ہوگئے یہ ہیبت بارعب منظر تھا فیصل اس وقت ایک نازک اندام نوجوان تھے۔ بدوران گفتگو بہادر خاں نے کہا کہ اہل حجاز کی تعلیم کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ملک زراعتی نہیں ہے اور غلہ کی پیداوار نہایت ناکافی ہوتی ہے تجارت بھی ایک رخی یعنی درآمد ہی درآمد ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ زراعت اور تجارت کی ترقی و صلاح کی کوشش کی جائے۔ صنعت و حرفت کو فروغ دیا جائے اور کارخانے قائم کیے جائیں ورنہ ملک کے افلاس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ بہادر خاں نے چند صنعتوں کے قیام

اور سعودی سکّے کی اطلاع و ترویج کے متعلق بھی کچھ تجاویز بھی پیش کیں جن کو نائب السلطنت نے بہت پسند کیا۔

جنت المعلیٰ کی زیارت ۱۰ ذی الحجہ کو بہادر خاں جنت المعلیٰ کی زیارت کے لیے گئے۔ یہ وہ مشہور قبرستان ہے جس میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت آمنہ کے علاوہ حضرت عبد المطلب اور حضرت عبد اللہ وغیرہ اجداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد جلیل القدر صاحبہ مدفون ہیں۔ نجدیوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد انسداد بدعت کے طوفان نے سب سے زیادہ اسی قبرستان کو متاثر کیا۔ قبریں مسمار کی گئیں قبے گرادیے گئے حضرت خدیجہ اور حضرت آمنہ کے مزاروں کو محصور کر دیا گیا تاکہ کوئی زیارت نہ کر سکے۔ قبوں اور مزاروں کے بجائے ہر طرف پتھر اور گارے کے ڈھیر نظر آتے تھے چند قبروں کے صرف نشان باقی رہ گئے ایک بوڑھے فقیر نے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ حضرت اسماء بنت ابوبکر اور حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر کے مزاروں کی نشاندہی کی اور بہادر خاں نے ان قبروں پر بھی فاتحہ پڑھا۔

جنت المعلیٰ سے واپس آتے ہوئے راستے میں مولد رسول اللہ دیکھا جس پر کبھی قبہ بنا ہوا تھا۔ لوگ یہاں نفل نماز پڑھتے تھے اور مجالس میلاد منعقد ہوتی تھیں لیکن اب صرف میدان باقی رہ گیا ہے عمارت کا نام و نشان تک نہیں۔ بہادر خاں کو یہ دیکھ کر بڑا رنج ہوا کہ اس مقدس جگہ پر ہر طرف غلاظت پھیلی پڑی تھی اس کے بعد بہادر خاں نے حضرت ابوبکر صدیق کے گھر کی بھی زیارت کی۔ نجدیوں نے اس کو بھی منہدم کر دیا ہے اور صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔

مدینہ کو روانگی: اسی روز عصر کی نماز سے قبل بہادر خاں نے طواف وداع

کیا اور بعد نماز مغرب مدینہ منورہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جدہ تک سفر ایک چھوٹی موٹر میں طے کیا۔ چاندنی رات کھلے میدان اور صاف ہوا میں یہ سفر بڑا ہی پرلطف تھا جدّہ سے قریب ایک قہوہ خانے میں رات بسر کی اور صبح سویرے جدہ میں بہادر خاں کو ایک اچھی موٹر کار کرایہ پر لی گئی اور عصر کے وقت حیدرآبادی حاجیوں کا قافلہ جدہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ موٹریں سمندر کے کنارے نہایت صاف اور مسطح میدان میں پوری رفتار سے دوڑنے لگیں۔ دیار رسالت میں حاضری کے دل خوش کن تصور سے دل مسرت سے معمور ہو گئے اور مدینہ کے یہ مسافر اپنی خوش بختی پر ناز کرنے لگے۔

درمیانی منزلیں

عربی وقت کے مطابق تین بجے رات کو ذہبان پہنچے مدینہ کے راستے میں ہر بیس پچیس گز کے فاصلے پر کھجور کے پتے اور گھاس کے چھپر ڈال کر بڑے بڑے وسیع قہوہ خانے قائم کیے گئے ہیں جہاں حجاج اور عازمین مدینہ تکان دور کرتے ہیں۔ ان میں جو مقامات سمندر سے قریب ہیں وہاں تلی ہوئی مچھلی اور زندہ اور تلے ہوئے فاختے مل جاتے ہیں۔ چائے اور قہوہ کا بھی انتظام ہوتا اور بان سے بنی ہوئی کرسی نما چارپائیاں بھی کرایہ پر ملتی ہیں۔ ذہبان سے روانہ ہوئے تو راستے میں نشیب و فراز اور ریگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ رات کو طول نامی ایک مقام پہ پہنچے اور یہیں رات بسر کی طول سے نکل کر نہایت خراب راستے سے دوچار ہوئے۔ دوپہر کو رابغ پہنچے جو ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے اور جہاں کبھی کبھی چھوٹی تجارتی کشتیاں آجاتی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شدید دھوپ میں آگے روانہ ہوئے اور رات کو بیر ابن حسان پہنچے۔ راستہ بہت

خراب اور تکلیف دہ تھا کئی مرتبہ موٹر ریت میں پھنسی اور بمشکل تمام نکالی گئی دوسرے روز بیرانِ حسان سے مسجد روانہ ہوئے یہ تمام راستہ مدینہ تک پہاڑی ہے۔ بڑی بڑی پہاڑیوں کا پیچ در پیچ سلسلہ جن کے درمیان وادیاں اور میدان ہیں مدینہ منورہ تک چلا گیا ہے۔ بعض مقامات پر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ چاروں طرف پہاڑ ہیں اور موٹر کے لیے آگے کوئی راستہ نہیں لیکن کسی چھوٹی سی گھاٹی سے اترنے یا کسی پہاڑ کا چکر کاٹنے کے بعد میلوں وسیع میدان نظر آتا ہے جس میں کہیں کہیں ببول کے درخت اور کہیں جھاڑیاں دکھائی دیتی ہیں ان پہاڑوں میں عربوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد ہیں۔ پہاڑ کے دامن میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے پتھروں کو جمع کر کے دیوار سی بنالی گئی ہے جس سے بہتا ہوا پانی روک لیا جاتا ہے اور باجرہ اور جوار کی کاشت ہوتی ہے۔

مدینہ کے راستے میں پیدل سفر کرنے والے عاشقانِ رسول نے بہادر خاں کو بہت متاثر کیا۔ ان میں زیادہ تعداد افغانوں کی۔ مختصر سا بستر کمر سے لٹکا ہوا کاندھے پر پانی کی مشک ہاتھ میں بھاری بھرکم عصا۔ عرب کی تپتی ہوئی ریگ پر نہایت اطمینان سے سفر کر رہے تھے اور موسم کی خرابی تنگ دستی اور دور دراز سفر کی مشکلات ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔

عربوں کا افلاس

اس سفر میں بہادر خاں نے عربوں کی فلاکت و افلاس کے بعض عجیب و غریب مناظر دیکھے۔ ہر جگہ موٹر رکتے ہی بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہر طرف سے گھیر لیتے۔ یا سید الحاج اور حج مقبول زیارت مقبول، کی صدائیں آتیں چھوٹے بچے۔ مسکین، مسکین کہہ کر چیختے اور لڑکیاں

ناچ ناچ کر گاتیں۔ فاطمہ، فاطمہ بنت النبی۔ بیر ابن حسان میں کھانے کے بعد دسترخوان جھاڑا گیا تو بدوی لڑکیاں زمین پر سے چاول کے دانے چن چن کر کھانے لگیں۔ اس منظر سے بہادر خاں اس قدر متاثر ہوئے کہ پورا ناشتہ ان لوگوں میں تقسیم کروا دیا۔ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں بھی نیم برہنہ بچے اور سیاہ برقعوں میں لپٹی ہوئی بدوی عورتیں بھیک مانگنے کے لیے جمع ہو جاتیں مدینہ میں اور خود حرم شریف میں بھی خیرات مانگنے والوں کی کمی نہ تھی۔ بہادر خاں ارباب اقتدار کو فلاکت زدہ عوام کی قابل رحم حالت پر متوجہ کیا اور کہا کہ یہ افلاس ملک و ملت کے لیے بہت مضر ثابت ہوگا۔ اگر حرمین شریف میں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع نہ ہوتا تو عیسائی مبلغ مسلمانوں کے افلاس سے فائدہ اٹھا کر اپنے اثرات جما لیتے اور مسلمانوں پر بہت برا اثر پڑتا۔ اگرچہ مشنریوں کے خطرہ سے یہ سرزمین محفوظ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ افلاس سے پیدا ہونے والی دوسری خرابیوں سے بھی یہ ملک محفوظ رہے گا۔

مدینہ میں ورود

مسجد سے روانہ ہونے کے بعد موٹر ایک پہاڑ پر چڑھی تو مسجد نبوی کے سفید سفید بلند مینار اور ان کے درمیان سبز نورانی گنبد نظر آنے لگا۔ بہادر خاں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور زبان پر السلام علیک یا رسول اللہ کا ورد شروع ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد سرسبز نخلستانوں کا سلسلہ شروع ہوا اور مدینہ کے قریب پہنچے تو بیرون شہر ان عمارتوں کے کھنڈر نظر آئے جو گزشتہ ربع صدی کے انقلاب کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ ترکوں کے عہد حکومت کی عالیشان، مگر مسمار شدہ عمارتوں حجاز ریلوے کے ویران اسٹیشن، ٹوٹے ہوئے ڈبوں اور اکھڑی ہوئی پٹریوں کو دیکھ کر شریف حسین کی کارستانیاں

نظر آنے لگیں۔ مدینہ منورہ پہنچتے ہی بہادر خاں نے بارگاہ سرور کونین پر سلام عرض کیا اور خدا کا شکر بجالائے کہ ایک بھٹکے ہوئے غلام کو اپنے آقا کے آستانے پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

صحابہ کرام کی مسجدیں

مدینہ طیبہ میں بہادر خاں کے وقت کا بڑا حصہ مسجد نبوی میں گزرتا تھا اور باقی ماندہ وقت دوسرے مقدس مقامات کی زیارت اور ملاقاتوں میں صرف ہوتا۔ مسجد نبوی کے علاوہ مدینہ میں کئی اور مسجدیں بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ ۲۱ ذی الحجہ کو عصر کے بعد بہادر خاں مدینہ طیبہ کی گلیوں میں چہل قدمی کے لیے نکلے۔ پہلے انھوں نے مسجد نبوی کے مغربی جانب تقریباً چار فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے) یہ وہ مقام جہاں بعد ہجرت حضور نے نماز پڑھی تھی اور ابر نے آپ پر سایہ کیا تھا۔ یہ جگہ محفوظ تھی اور لوگ یہاں پر نفل نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ سلطان عبدالمجید نے وہاں ایک عالیشان مسجد بنادی۔ اہل مدینہ عید کی نماز اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ مسجد غمامہ سے قریب ہی مساجد حضرت ابوبکر، حضرت عمر و حضرت علی واقع ہیں۔ ان مساجد کے متعلق بہادر خاں کا خیال تھا کہ مسجد نبوی کی موجودگی میں ان صحابہ کرام نے الگ مسجدیں نہ بنوائی ہوں گی بلکہ یہ ان حضرات کے مکان ہوں گے جو عرصہ تک خالی اور محفوظ تھے اور سلطان عبدالمجید نے ان مکانوں کو مسجدوں کی شکل دے دی۔ سلطان عبدالمجید بہت خوش عقیدہ تھے اور انھوں نے مدینہ طیبہ میں اپنی کئی تعمیری یادگاریں چھوڑی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا مساجد کے علاوہ خود حرم نبوی کی تعمیر و اضافہ اور باب مجیدی بھی ان کی یادگار ہیں۔

جنت البقیع کی زیارت

۲۲ر ذی الحجہ کو صبح سویرے بارگاہ حضرت خاتم النبیین پر سلام عرض کرنے کے بعد بہادر خاں جنت البقیع کی زیارت کو گئے جو روضۂ اقدس سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے۔ یہ مدینہ کا سب سے مشہور قبرستان ہے جہاں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آل و اصحاب رسول، تابعین، تبع تابعین اولیاء اللہ اقطاب داوتاد ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مدفون ہیں۔

بہادر خاں نے اس قبرستان میں ازواج حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ حضرت فاطمہ، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت امام حسن، حضرت عثمان حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت جعفر صادق، حضرت امام مالک اور دوسرے کئی بزرگان دین کے مزاروں پر حاضری دی۔ نجدیوں نے جنت البقیع میں بھی تمام قبے گرا دیئے گئے۔ قبریں توڑ دیں اور چھوٹے پتھر جا کر صرف چند قبروں کے نشان باقی رکھے اس مشہور و معروف قبرستان پر ہل چلائے ہوئے کھیت کا گمان ہوتا تھا اور اس حسرتناک منظر کا بہادر خاں کے دل پر بہت اثر ہوا جنت البقیع میں عورتوں کے داخلے کی ممانعت کر دی گئی تھی اور پولیس کے سپاہی اس امر کی نگرانی کرتے تھے کہ زائرین نہ تو قبر کو ہاتھ لگائیں نہ بوسہ دیں اور نہ عقیدت مندی کے ساتھ سر جھکائیں۔

نہر زرقاء اور باغات کی سیر

اسی روز شام کو بہادر خاں نے مدینہ کے اطراف باغات کی سیر کی جن کا سلسلہ میلوں تک چلا گیا تھا۔ ان باغوں میں کھجور، انگور اور انجیر کے علاوہ گلاب اور ترکاریوں کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ مدینہ طیبہ کی نہر زرقا سیراب کرتی ہے

عیس کا پانی لذت، لطافت شیرنی اور صفائی کے لیے مشہور ہے۔ اس نہر کے انتظام کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جو عوام کے چندہ سے مفوضہ کام انجام دیتی تھی۔ اسی کمیٹی نے پانی کے پمپ لگوائے تھے اور شہر کے اکثر مقامات پر نل بھی نصب کیے تھے تاکہ اہل شہر بہ تعداد کثیر استفادہ کر سکیں۔ اس کام کی تکمیل کے لیے حیدرآباد سے بھی چندہ روانہ کیا گیا تھا۔

مزار سیدنا حمزہ و مسجد قبلتین

بہادر خاں مسجد قبا، مزار سیدنا حمزہ اور جبل احد کی زیارت کرنا چاہتے تھے لیکن دو روز سے بخار میں مبتلا تھے شہر کے اندر موٹروں کا داخلہ ممنوع تھا اس لیے امیر مدینہ سے موٹر میں جانے کی اجازت حاصل کی گئی۔ عصر کے وقت حضرت حمزہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ پہلے اس مزار پر بھی بہت بڑا قبہ تھا جو نجدیوں نے توڑ ڈالا۔ ماہ رجب میں یہاں بڑا میلا لگتا تھا اب اس کو بھی مسدود کر دیا گیا ہے۔ حضرت حمزہ کا مزار جبل احد کے دامن میں ہے جس کو جبل میں جبال الجنۃ کہا گیا ہے۔ یہاں سے بہادر خاں مسجد قبلتین گئے جو ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ یہی چھوٹی سی مسجد وہ تاریخی مقام ہے جہاں تحویل قبلہ کا حکم صادر ہوا تھا۔ ایک چھوٹی سی دیوار کے ذریعہ بیت المقدس کی سمت ظاہر کی گئی ہے جس میں محراب بھی بنی ہوئی ہے۔ اس مسجد کے متعلق بہادر خاں کا یہ خیال تھا کہ مقام کی صحت تو ثابت ہے لیکن یہ علامتیں بعد کو بنائی گئی ہیں۔

مسجد قبا

مسجد قبلتین دیکھنے کے بعد بہادر خاں مسجد قبا کی جانب روانہ ہوئے۔ قبا وہ مقام ہے جہاں حضور نے ہجرت کے بعد کچھ دن

قیام فرمایا تھا اور یہاں کی مسجد زمانہ اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ قرن اول میں قبا اچھی بستی تھی جہاں صحابہ کرام کے مکانات بھی تھے۔ یہ مسجد نہایت وسیع اور طویل و عریض ہے۔ مشرقی حصہ میں ایک محراب ہے جس کو محراب طاقۃ الکشف کہتے ہیں۔ یہاں حضور پر خانہ کعبہ کا انکشاف ہوا تھا۔ وسط مسجد میں بھی ایک محراب ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں اس مسجد کی تعظیم میں آیات نازل ہوئی تھیں۔ مسجد میں ایک چبوترہ سا ہے جس کو "برک الناقہ" کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں رسول اللہ صلعم کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ مغربی گوشے میں ایک قبہ ہے جس کو مقام علی کہتے ہیں اور اس سے قریب بھی ایک قبہ ہے جو "بیر غطام" کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی نہر زرقاء کا منبع ہے جس سے سارا مدینہ سیراب ہوتا ہے۔

مولانا عبدالباقی فرنگی محلی کا مدرسہ

سربرآوردہ لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ مدینہ میں بھی جاری رہا۔ ۲۵ ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد بہادر خاں اپنے چند ہم دوست احباب کے ساتھ مولانا عبدالباقی فرنگی محلی سے ملنے گئے جو قدیم وضع کے متبحر عالم مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے استاد و قرابت دار تھے چالیس سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور وہاں ایک مدرسہ قائم کیا جو بہت مشہور ہوا۔ حیدرآباد سے اس مدرسہ کو بھی ماہانہ امداد ملتی تھی۔ جب بہادر خاں پہنچے تو مسلم شریف کا درس ہو رہا تھا۔ ترکی، کاشغر، بخارا، افغانستان اور ہندوستان تقریباً تمام اقطاع عالم کے طلبا جمع تھے۔ ان میں بعض فارغ التحصیل علماء تھے جو مدینۃ الرسول میں حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آئے تھے۔ درس ختم ہونے کے بعد بہادر خاں نے دیر تک مختلف موضوعات پر مولانا عبدالباقی سے گفتگو

کی اور اہل مدینہ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔

امیر مدینہ سے ملاقات

اسی روز بعد مغرب امیر مدینہ سے ملاقات کے لیے گئے جو ضعیف العمر اور قدیم وضع کے تھے بڑے اخلاق سے پیش آئے اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے۔ اس وقت ایک مصری اور ایک ہندوستانی عالم کا مقدمہ پیش تھا جن میں شدید تکرار ہوگئی تھی امیر نے اختلافی مسئلہ کا نہایت معقول تصفیہ کیا لیکن ہندوستانی مولوی نے جن کا تعلق اہل حدیث ہے نہایت غلط رویہ اختیار کیا جس سے امیر کو بھی تکلیف ہوئی اور بہادر خاں کو بھی اس ملاقات کا مقصد امیر سے حرمین کی تمدنی و معاشرتی حالت، گداگری کے انسداد کی مناسب تدابیر اور مدینہ طیبہ خصوصاً جنت البقیع میں نجدیوں کے طرز عمل اور اس کے مذہبی و سیاسی ردعمل کے متعلق گفتگو کرنا تھا لیکن علماء کے قضیہ نے ایسی بدمزگی پیدا کر دی تھی کہ یہ گفتگو مناسب نہ معلوم ہوئی اور بہادر خاں تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے واپس آ گئے۔

دو تین روز کے بعد دوسری ملاقات میں بعض اصلاحی و دینی مسائل پر گفتگو شروع ہوئی اس موقع پر شیخ الواعظین القضاۃ ایک نجدی عالم بھی موجود تھے لیکن اس مجلس کا رنگ بھی کچھ ایسا تھا کہ یہ سلسلہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔

مدینہ طیبہ سے واپسی

۲۸ ذی الحجہ کو بعد نماز عصر بہادر خاں نے بارگاہ رسالت میں سلام وداع عرض کیا اور مغرب کے بعد مدینہ طیبہ سے جدہ روانہ ہوئے رات مسجد میں بسر کی۔ جب منورہ پہنچے تو ریت کے زبردست طوفان سے سابقہ پڑا۔ تند و تیز ہوا ریت اڑا رہی تھی چھوٹے چھوٹے ٹیلے صاف ہو کر میدان بن گئے تھے اور جہاں ریت جمع ہو جاتی وہاں نئے ٹیلے بن جاتے

تھے۔ موٹروں کی رفتار تیز کر کے طوفان سے آگے نکلنے کی کوشش کی لیکن رابغ پہنچنے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۳۰ ذی الحجہ کو جدہ پہنچے۔ بہادر خاں کے رفقائے سفر دوسری بحری جہاز سے بمبئی روانہ ہوئے اور دو دن کے بعد بہادر خاں مصر کے لیے "بلاق" نامی جہاز میں جدہ سے بیروت روانہ ہو گئے۔

(روزنامہ "انجام" کراچی ۲۶ رجون ۱۹۶۳ء)

معلومات

نوٹ :- حضرت قائد ملت دوران سفر ایک چھوٹی نوٹ بک میں سفر سے متعلق معلومات نوٹ فرماتے تھے کچھ ایسے معلوماتی نکات جن کا تذکرہ خطوط اور سفر سے متعلق تقاریر اور مضامین میں نہ آسکا۔ ان معلومات کو (کسی خاص ترتیب کا لحاظ کیے بغیر) من وعن "معلومات" کے زیر عنوان درج کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

ایران

شمسی سال

ایران میں سنہ ۱۳۱۰ شمسی جاری ہے مہینے وہی ہیں جو ہمارے پاس فصلی مہینے

ہیں لیکن سال فروردی سے شروع ہوتا ہے۔

قصر شیریں

قصر شیریں عمارت کی وسعت کی بڑی بڑی بنڈیاں ہوتی ہیں جن کو چار چار گھوڑے ایک دوسرے کے بازد جوتے جاتے ہیں۔

منشیات کا استعمال

ایران میں (تریاق کشی) یا نڈو کی کثرت۔ اصفہان سے واپسی میں حسین آباد تنقیح کی صورت دیکھ کر بٹ گیا۔ شوفر مہاک تھا۔ جہاں موٹر رکی اس نے پائپ سنبھالا۔ اور دھواں دھار مدک نوشی کی۔

خربوزہ ہرات

ہندوانہ سودخر۔ خربوزہ محولات شہد وحلو سیب وخربوزہ ہرات۔

مقبرہ فردوسی

مقبرہ فردوسی جو شہر طوس کے کھنڈروں میں زیر تعمیر ہے۔

آقا مرزا محمد علی خاں

آقا مرزا محمد علی خاں فروغی وزیر خارجہ دولت ایران سابق میں وزیر معارف رئیس الوزراء سفیر انقرہ ونمائندہ ایران بہ مجلس الملل رہ چکے ہیں۔ نہایت فہمیدہ مفکر ترکوں کے شاکی ان کی فطرت جفاکش ہے۔ اجنبی اثرات ایران پر نہیں ہیں تجارتی اثر البتہ ہے اور ایران کی تجارتی حالت بہت خراب ہے۔

شعرائے ایران

آقا عبرت۔ غزل میں رنگ تصوف مجلس انجمن ادبی۔

آقا فراط۔ ریدا شہ کلام معمولی۔
آقا بدیع الزماں خراسانی۔ کلام خوب۔ انداز خواندن خوب نیست۔
آقا طوسی مشہدی۔ کلام بسیار خوب غزل میں درد قصیدہ میں روانی و سادگی۔
آقائے نیرنگ۔ وکیل مجلس شوریٰ ملی بھی ہیں خوشگو شاعر ہیں۔ پڑھنے کا انداز سب سے اچھا ہے۔ اپنے استاد ادیب کا کلام سنایا غزل اور قصیدہ دونوں خوب تھے۔

ماہ عیسوی

ماہ ہائے عیسوی کے نام جو ایران و افغانستان میں رائج ہیں۔
ژانویہ، فوریہ، مارس، آوریل، مہ، ژوئن، ژوئیہ، اوت، سپتامبر، اکتامبر نوامبر اور دسامبر۔

سگریٹ اور ایرانی عورتیں

تقریباً سب ایرانی عورتیں سگریٹ پیتی ہیں۔

اوزان ایران

ایک مثقال	۲۴ چنا	۴½ ماسہ
سیر	۱۶ مثقال	۶ تولہ
۴۰ سیر	ایک من	۳ سیر
۱۰۰ من	ایک خروار	

ایران کے چار موسم

ایران کے چار موسم ہیں۔ بہار تابستاں، پائیز۔ زمستان۔
بہار۔ فیروردین، اردی بہشت۔ خورداد

تابستان ۔ تیر، امرداد، شہریور
پائیز ۔ مہر، آبان، آذر
زمستان ۔ دے، بہمن، اسفندار

ایران کی چار بڑی ریاستیں

ایران کے چار بڑے ریاست ہیں۔ آذربائیجان، خراسان، فارس۔ کرمان۔

چھوٹے شہر

ولایت ہائے ایران۔ ہستند گیلان۔ مازندران۔ استرآباد، کردستان، سرستان خورستان۔ اصفہان۔

ایران کے بڑے شہر

شہرہائے بزرگ ایران۔ طہران، اصفہان، مشہد، شیراز، کرمان، تبریز، ہمدان، رشت قزوین، کاشان، زنجان، کرمانشاہ۔

ایرانی سکے

۲ شاہی ایک سناری
۱۰ سناری ایک قران (۲ قران دہ قران کے سکے بھی ہیں)
۱۰ قران ایک تومان ایک روپیہ ۴ آنہ کلدار

بہادر یار جنگ

امضاء کنندہ ذیل بہادر یار جنگ تبعیہ دولت فخیمۂ انگلیز دارائے تذکرہ بسنہ ۱۹۱۶ء مورخہ ۱۔ ۷۔ ۳۱ء در مقابلہ ادارہ گمرگ کارپرداز رابع بہ لبست عددلیرہ انگلیز خود توثیق ادارہ گمرگ مذکور ملتزم و متعہد میشود کہ ہرگاہ حکم پرداخت جریمہ برائے آں از ادارہ

نواب بہادر یار جنگ، اکابرین و عمایدین عراق کے ساتھ

ریاستی گمرکات خراسان پرسید بدون عذر از جہۃ آں برآید۔

۴ - ۱۰ مہر ۱۳۱۰ شمسی

۱۴ - جمادی الاول ۱۳۵۰ھ

آقائے مرزا محمد خاں ہری ناش رئیس گمرک ولایتی مکاریز

عراق وغیرہ

حضرت غوث پاک

میر محبوب علی خاں نے درگاہ حضرت غوث پاک کے لیے (   ) ہزار روپے سکہ حالی برائے لنگر و (   ) روپیہ کلدار برائے تقسیم بہ خدام و فقراء، دو غلاف کارچوب و دو غلاف ریشمی از ملک و ملکہ و ایک نشان کمخواب برائے لقیب جاری تھا، جنگ عمومی کی ابتداء سے جب کہ سلسلہ مواصلات بند ہوا یہ بھی بند ہوا اور پھر جاری نہ ہوا۔ حکومت عراق چاہتی ہے کہ ابن سعود کے مطالبہ دس لاکھ کو رد کرے جو حرمین کے لیے عراق سے متورد ہے چاہتی ہے کہ تمام اوقاف کو موقوف کردے۔

دستوری حکومت

عراق کی حکومت دستوری ہے (بمشاورہ انگریز) وزیر اعظم کا اور وزیر اعظم وزراء کا انتخاب کرتا ہے۔ پارلیمان کا انتخاب رعایا کرتی ہے، لیکن عموماً حکومت بتدابیر اپنے موافق پارلیمان منتخب کراتی ہے۔ فوجی قوت تقریباً ۶ اور دس ہزار کے درمیان۔ انگریزی فوجیں ہو گئیں۔ اب صرف ہوائی میل کے انتظام اور سندوبست ملکی

کے تحت چند ولایتی اور چند ہندوستانی گارڈ باقی ہیں عراق کے اپنے چند ہمسایہ ممالک میں قونصل مقرر ہیں لیکن انگریزی ممالک میں نہیں ۔ انگلستان میں ایک وکیل مقرر ہے لیکن اس کی حیثیت وکیل مختار کی ہے نہ سفیر کی۔ عراق میں اس وقت لہ سیاسی جماعتیں ہیں حزب عہد، جو حزب الملوکی، حزب الوطنی، حزب الاغالی الوطنی اور حزب التقدم۔

اوزان

ایک کیلو ۲ پونڈ کچھ زائد

ایرانی سکّے

۲ شاہی ایک سنارنی

۱۰ سنارنی ایک قران (۲ قران اور پانچ قران کے لیے بھی ہیں)

قرآن مجید

کتب خانہ روضہ امام علی رضا مشہد مقدس۔

قرآن مجید نوشتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ در خط کوفی وقف کردہ عباس صفوی و قمقامہ بخط شیخ بہائی۔

قرآن مجید بخط حضرت حسین مجتبیٰ (مجلد از اول جز)

بیست و سوم آیہ بیست و ششم از سورہ یاسین تا آیہ چہل و پنجم از سورہ فصلت مکتوب پر ۱۲ شتر عدد اوراق لہ ۱۴۳ وقف عباس صفوی بہ شنانہ آخرین دستخط کہ و حسین بن ابی طالب۔

قرآن بخط حضرت لبعاد ہرن کی جھلی پر اس کے ٹکڑے ملے۔ سورہ فاتحہ سے

آیتہ ۹ تک مفقود اور اس کے بعد سے علم تک قرآن موجود ہے آخر میں عبارت۔ قولہ بالحسن ولہ الملک ان اللہ لا یخلف ۔ کتبہ المنتظر بوعدہ ۔ علی ابن حسین ابی علی ابن ابی طالب ۔ واقف نامعلوم ۔

ایک قرآن یعقوب کا لکھا ہوا ۶۰۲ھ من مذہب مطلا ۔

ایک قرآن خدایار خاں بہادر نابت جنگ عباسی کا وقف کیا ہوا ہر ورق باندارز دیگر مذہب ہے ۔ لاقیمت و لاجواب کا طلائی بہ خدایار جنگ ممکن ہے کہ ریاست خیرپور کے عباسی رؤسا سے ہوں ۔

شمار (۹) قرآن شریف بخط عبدالقادر الحسینی وقف کردہ ابراہیم قطب شاہ تاریخ وقف ۹۷۰ھ اوراق (۲۴۵) جلد مطلا اور اس پر اندرونی جانب متعدد حروف میں آیت الکرسی پورا قرآن اس ترتیب سے لکھا گیا ہے کہ ایک سطر اودے رنگ کی اور ایک سطر طلائی ۔ کاغذ نہایت صاف اور دبیز ۔ ہر پارہ کی ابتدا جس ورق سے ہوئی ہے وہ مذہب و منقش

روضہ امام علی رضا

روضہ امام علی رضا کی طلاکاری ۱۲۷۰ھ میں ناصر الدین شاہ قاچار نے کرائی ۔

شہر طوس

شہر طوس مشہد سے تقریباً ۱۴½ کیلو میٹر یعنی ۹½ میل کے فاصلہ پر واقع ہے راستہ میں فردوسی کی قبر کے قریب ایک بہت بڑا شکستہ گنبد جو یقیناً کسی بڑی شخصیت کے لیے تعمیر ہوا ہے ۔ اینٹ چونے کی تعمیر اندر چونے کی صاف استرکاری قبر ٹوٹی ہوئی اور اس کے دو پتھر پراگندہ ایک پر نادر علی کندہ ۔

مسجد گوہر شاد

مسجد گوہر شاد کی بڑی کمان پر بائی سیفر پر گوہر شاد کا کتبہ خطِ ثلث میں قابل دید ہے اس مسجد کی ترمیم ناصر الدین شاہ کے زمانہ میں ہوئی ہے جس کی تاریخ دونوں میناروں کے نیچے لکھی ہے۔ آخری شعر یہ ہے۔

سر از دریچہ موذن برون نمود و سرود
اذان اشہد ان لا الہ اللہ ۱۲۷۴ھ

مسجد شاہ مشہد ایک ٹوٹی ہوئی مسجد ہے۔ ایک حصہ میں ایک بڑھئی نے دکان لگالی ہے۔ شکستہ میناروں اور کمان پر کاشی کے کچھ ٹکڑے باقی ہیں۔ صحن کہنہ کے دروازہ بازار کی چوکھٹ سے متصل بہ سمت بازار ایک بے ڈول سنگ مرمر زمین پر بچھا ہے جس پر سے عام راستہ ہے اور ہزاروں آدمی روز گزرتے ہیں۔ یہاں مشہور ہے کہ یہ امام غزالی کی قبر ہے۔

قبر نادر شاہ

قبر نادر شاہ مشہد کے بالا خیابان میں ہے۔ اس کا مقبرہ ٹوٹ کر برباد ہو گیا تھا۔ شاہ پہلوی کے حکم سے دوبارہ بنوایا گیا ہے اور اچھا بنا ہے ایک وسیع دالان میں قبر (اصلی قبر تہ خانہ میں اوپر ابھی قبر نہیں بنی ہے) بازوؤں میں کئی کوٹھریاں ایک وسیع برآمدہ سامنے نادر شاہ کی تعریف اور پہلوی کی مدح میں کئی اشعار معہ قطعہ تاریخ کے کاشی میں لکھے ہوئے۔ اطراف مختصر باغ جو نادری باغ کے نام سے مشہور ہے۔

خواجہ ربیع ابن خثیم کا روضہ و گنبد مشہد سے تقریباً ۳ میل کے فاصلہ پر واقع

اور مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کے خلفاء و انصار سے تھے۔ کہ وسیع
روضہ و پانچ بڑا گنبد جو ۱۰۲۶ھ میں بنا ہے کافی اچھا ہے۔
دروازے کے متعلق بیان کیا گیا کہ عالمگیر شاہ ہند نے روانہ کیا ہے۔ دروازہ
بہترین نقوش سے مزین اور دوسری عبارت کے ساتھ اس پر ۱۰۳۳ھ کندہ ہے
مسجد سلطان سنجر نے بنائی۔

ہرات کا زرگہ شریف

مزار خواجہ عبداللہ انصاری۔ ایں آستانہ ایست کہ از خاک او۔

امیر دوست محمد خاں کا مزار اور دوسرے قبور

امیر دوست محمد خاں کا مزار حضرت کے مزار کے سرہانے ہے اور دیگر شاہان
قدیم کی قبریں بھی ہیں۔ اس قبر کے سرہانے ایک کمرے میں ایک قبر سنگ سیاہ کی بنی
ہوئی ہے اس پتھر میں جو جالی تراشی ہے میرے لیے اس کا کام بے نظیر ہے۔
یہاں قبر شاہ رخ فرزند تیمور سے متعلق کسی شخص کی مشہور ہے۔
سیاح کی نگاہ اس کے کام کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اس قبر پر سرہانے
اور پائینتی یہ قطعہ کندہ ہے۔

بر سر تربت او کلک رضا۔ کرد تحریر نقد گلاب براہ
بہر تاریخ شہر عالی قدر ۔ طیب اللہ تعالیٰ

اس کے بعد ہمارا درسگہ چی زیارت مولوی صاحب نامی ایک جگہ پر لے گیا
جہاں ایک وسیع چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک پر مولانا نور الحق عبدالرحمٰن جامی رح
کا لوح مزار لکھا ہوا ہے جس پر یہ قطعہ بھی کندہ ہے۔

جامی کہ بود ایں جنت مقیم گشت . فی روضۃ

کلک قضا نوشت رواں بزور بہشت   ارضنا السماء

دوسری قبر مولانا سعد الدین کاشغری کی ہے سنہ وفات معلوم نہیں۔

اس روضے سے متصل نہایت خوش فزا چھوٹا سا باغ اور حوض ہے۔

اس سے کچھ آگے شیخ زین الدین صاحب کا مزار ہے ان کے لوح مزار

پر یہ قطعہ کندہ ہے :-

شیخ زین الدین امام و مقتدائے اہل دین

قطب گردوں آشیاں غوث حقائق انتخاب

از حضیض خاک شد براوج علوی و بنود

گرد بردا انس رنا گفت تراب

عمر او ہشتاد و یکساں وز باں فوت نیست شد سال۔

مزار شیخ ابو العابد احمد بن ابی رضا عبد اللہ الحنفی الارازی العروی قدس اللہ سرہٗ

ہرات سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر مشہور ہے۔ تاریخ وفات ۸۳۳ھ تعمیر روضہ بہ

زماں سلطان حسین۔

امام فخر الدین رازیؒ کی لوح مزار پر کندہ ہے

ہرگز دل علم محروم نہ شد   کم ماند ز اسرار کہ مفہوم نہ شد

ہفتاد و دو سال درس خواندم شب و روز   معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

شہزادہ قاسم فرزند امام جعفر صادق امام ہشتم عم حضرت امام علی رضا کا مزار جدید شہر

سے قریب اور چار مینار سے بہت قریب واقع ہے۔ لوح مزار پر جو اشعار کندہ ہیں

ان میں سے بعض یہ ہیں۔

شہزادہ قاسم از آل رسول قرۃ العین امام
عم شاہ ملک دیں یعنی رضا قبلۂ ہفتم امام ہمستمین

اس سے قریب ٹیلہ پر ایک گنبد میں صحن کے اندر کی جانب اچھے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں شہزادہ عبداللہ کا مزار ہے۔ ان کے لوح مزار جس کو عبدالرحمن ہی کے حکم سے سعدالدین حاکم ہرات نے تیار کروایا اور سب کتبوں کی طرح محمد عمر نے لکھا ہے حسب ذیل اشعار درج ہیں۔

ذوالعلی شاہزادہ عبداللہ کشتۂ ظلم فرقہ اشرار
عالم علمہائے سر و علن قطب آفاق و کاشف اسرار

خطبہ بر نام وے ہمی خواند۔ در صفہان و فارس لعل و نہار میرسد نقش زر وے سند۔ نیست مجہول ہست در اخیار با معاویہ ابن عبداللہ پسر پاک جعفر طیار نا شوی آگہ از شہادت او۔ سنہ یک صد است وسی و چہار دیں عمارت بعہد سلطنت شاہ ایام ماہ برج وقار ذوالکرم ذوالعطا محمد کرت۔ گشت تعمیر او شدیں معمار سال سبعین است و سبعمایہ۔ اندازاو یادگار ایں آثار۔

افغانستان

محاورات افغانستان و ایران

مزاج پرسی۔ افغانستان میں چوری (ر کا تلفظ ڑ سے کرتے ہیں اور قندھاری

ف کا تلفظ ق سے کرتے ہیں۔) خوشحالی (گفتگو میں ح حذف ہو جاتا ہے اور خوشال رہ جاتا ہے) بخیری۔ مانده نه باشی۔ تیار ہستی۔ ایران میں احوال شما بخیر است۔ مزاج جناب مستطاب عالی خوب است۔ صبح شما یان۔ شما بخیر۔

جواب مزاج پرسی۔ الحمد اللہ۔ سلامت باشی۔ شکر۔ با عزت باشی۔ با حرمت باشی وکشور یا ٹانگہ۔ ایران میں درشکہ۔ اور افغانستان میں گاڑی کہتے ہیں۔ ٹھہرو۔ نگہ دار، آہستہ آہستہ۔ یا باش یا پاش (بعض دفعہ ب کو و سے تلفظ کرتے ہیں)

۲ بجے ۴ بجے ۸ بجے وغیرہ۔ ایران = ۲ ساعت ۴ ساعت ۸ ساعت۔

افغانستان: دو بجے چار بجے ہشت بجے۔ بعد از ظہر، قبل از ظہر۔

نماز عصر۔ افغانستان نماز دگر۔ نماز مغرب۔ افغانستان نماز شام۔ دوپہر کا کھانا ایران ہنانو۔ افغانستان چاشت۔ شام کا کھانا، شام۔ کل آئندہ۔ ایران فردا افغانستان صباح۔ پرسوں آئندہ۔ ایران پس فردا۔ افغانستان پس صباح۔

کل گزشتہ۔ ایران دیروز۔ افغانستان۔ دیہ روز۔ گفتگو کرنا۔ ایران حرف زدن افغانستان گپ زدن۔

الٹ جانا۔ افغانستان چپ یا چپا شدن۔ چمچہ۔ قاشوق۔ کانٹا پنجہ (افغانستان) خشکہ۔ پلاؤ۔ ایرانی پلاو۔ سالن۔ افغانستان سالن۔ ایران خورش۔ دہی۔ ماس۔ ملائی یا بالائی۔ قیماق یا سرشیر۔ مسکہ کرے۔ بشکر۔ قند

ٹکٹ بلیط۔ وہ جگہ جہاں حکومت کے مکانات ہوں۔ ارک۔ سڑک۔ افغانستان سڑک۔ ایران خیابان۔

تصویر۔ عکس۔ ٹیروال۔ ایران وعرب۔ بنزین۔ افغانستان تیل یا پٹرول۔ گیس کا

تیل۔ لفظ کرسی۔ ایران صندلی۔ افغانستان چوکی۔ جوتا۔ ایران عروسی۔ برس۔ ایران ماہوت۔ پاک کن۔ پنکھا۔ بادبزن۔

تکیہ۔ تکا ایران۔ بالش افغانستان۔ رضائی لحاف۔ سوٹ کیس۔ ایران چمدان۔ افغانستان بکس۔ ہیڈ بیاگ۔ کیفہ۔ شیروانی۔ پالتوک ایران۔ دستی۔ دستمال۔ پاتابے جراب۔ پاجامہ شلوار۔ کرتا یا قمیص۔ پیرہن۔ گنڈی۔ بکمہ۔ فونٹن پن۔ قلم خودنویس۔ سیاہی یا روشنائی۔ جوہر۔ رسی طناب۔ ٹھنڈا پانی۔ آب یخ۔ آئسکریم عرب ہوتر کی دندرما۔ ایران بستنی افغانستان یخ شیر یا شیر یخ۔ باورچی۔ آشوپاز۔ باورچی خانہ آشوپوز خانہ یا آش پوز خانہ۔ اخبار۔ روزنامہ۔ بڑا گلاس۔ لیوال۔ لفافہ۔ پیکٹ۔ انڈا یا بیضہ۔ مرغ تخم۔ مرغ سالم مرغ خورش چوزہ۔ مسکہ۔ کرّہ۔

افغانی شمسی مہینے

حمل۔ ثور۔ جوزہ۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی دلو۔ حوت۔ ۲۲ سنبلہ ۱۳۱۰ شمسی۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۱ء روز دوشنبہ

القاب ہائے افغانستان

صدر اعظم	ج ع ج	جناب عالی قدر جلالتماب
وزراء	ع ج	عالی قدر جلالتماب
والی ہا	و ج	والاشان جلالتماب
شہزادگان		
و افراد خانوادۂ شاہی		والاحضرت

سکّہ

افغانی	۳۰ پیسہ	ایک قران

۶۰ پیسہ ۲ قران ایک روپیہ کابلی

قبروں کی کثرت

ہرات میں قبروں کی اتنی کثرت ہے کہ لوگوں نے قبروں کے مرمری منقش و مکتوب پتھر حوضوں مکانوں اور دیواروں میں لگائے ہیں۔

پگڑیاں

علماء ہرات کی پگڑیاں ہمارے قوالوں کی پگڑیوں جیسی ہے۔

بے چراغ

ہرات کے شہر جدید میں امان اللہ نے ایک عالی شان مسجد بھی بنائی تھی جو اب بے چراغ پڑی ہے۔ صرف دو دالان جن کا عرض کم ہے لیکن طول ایک سو گز سے زیادہ ہے۔

ملّا کا حق

افغانستان میں مُلّا لوگ امامت وغیرہ کا عہدہ اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک یہ معاہدہ اس گاؤں کے لوگوں سے نہ کرلیں کہ اپنی آمدنی کا عشر عشیر ان کو دیا کریں گے۔ بعض جگہ اس سے کم بھی ہے اور جب خرمن ہوتا ہے تو مُلّا کا حق الگ کر دیا جاتا ہے اور وہ آکر اٹھا لے جاتا ہے۔

حضرت مہدی موعود علیہ السلام

فراہ میں مشہور ہے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کا وصال چاردہ نامی ایک قریہ میں ہوا جو موجودہ مزار مبارک سے جانب شمال مشرق سے ۲ یا ۲½ میل فاصلہ پر ہے۔ مزار اقدس سے مغرب کی جانب ایک میل پر واقع ہے وہاں شیخ

ابولنصر فرا بی کا مزار ہے.

اخبارات و رسائل

پایہ تخت افغانستان سے حسب ذیل اخبار شائع ہوتے ہیں.

اصلاح	نیم سرکاری ہر ہفتہ دو بار
علی الفلاح	اخبار مذہبی ماہوار
انیس	ہفتہ وار
مجموعہ اردوئے	افغان .عسکری .ماہوار
کابل	ادبی ماہوار
اقتصاد	تجارتی و صنعتی .پندرہ روزہ
مجموعہ صحی	طبی ماہوار
آئینہ عرفان	علمی ماہوار

ہرات سے ایک اخبار ہفتہ وار 'اسلام' اور قندھار سے ہفتہ وار 'طلوع' اور جلال آباد سے اتحاد مشرقی ایک اخبار ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے. بیدار نامی ایک اخبار مزار شریف سے شائع ہوتا ہے اور اتحاد نامی ایک اخبار...... سے شائع ہوتا ہے

میوزیم خانہ کابل

عکس قرآن مجید نوشتہ حضرت عثمان. تختی کلاں دو جلد

پارہ ہائے قرآن مجید نوشتہ حضرت عثمان تختی متوسط

پارہ ہائے قرآن مجید نوشتہ حضرت امام حسین پوست آہو

ایک قرآن مجید اس قدر مہین پوست آہو کہ جھلی دار باریک کاغذ سے بھی بڑھ کر باریک ہے بیدان املائی خط بہترین اوراق کم ہیں.

یوسف حکمت سفیر ترک سے ملاقات

۷ ار آذر ۱۳۴۵ھ خلاصہ گفتگوئے یوسف حکمت سفیر کبیر ترکیہ عموماً جوابات الزامی تھے۔ جو عالم اسلامی کے ترکوں کے ساتھ برے سلوک کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان نے سارے زمانہ جنگ میں ترکوں کو تقریباً ۲، ہزار پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے ۱۰لاکھ روپیہ ہوا اور یہ روپیہ ایک چھوٹے تعلقہ حکومت ترکیہ کی آمدنی کے برابر بھی نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف ہندوستانی فوجوں نے فلسطین وشام میں اور عراق میں ہم کو جو نقصان پہنچایا وہ بزرگ تر ہے۔ امیر فیصل نے ایک جلسہ میں فخریہ بیان کیا کہ صرف اس کی امداد سے انگریز فلسطین وعراق پر قابض ہو سکے۔ سعد زاغلول نے مصر کے لیے استقلال اپنی اس امداد کے معاوضہ میں طلب کیا جو فلسطین وشام میں اور حجاز میں مصری فوجوں نے انگریزوں کو دی تھی۔ اس تمام حقیقت تاریخی کے بعد ہم کو اخراج اسلام کا طعنہ دینے والے مسلمان غور کریں کہ ہم جنھوں نے چھ سو برس سے اسلام کے لیے اپنا خون بہایا اور اب بھی بہانے کو تیار ہیں مسلمان ہیں یا وہ جنھوں نے ہمارے خلاف کافروں کو امداد دی۔

رہی قوانین اسلام کی تبدیلی یہ کونسے ملک میں نہ ہوئی جو ہم سے کہا جاتا ہے۔ اگر کہیں جزاً تھی تو ہم نے مجبوراً کل کو تبدیل کیا۔ قوانین اسلامی ہی کو اپنے حسب حال بنانا محال اور علماء سے ایک غیر مختتم جنگ مول لینا تھا۔ محمود عادلی نے اس قسم کی جنگ کر کے ان سے اپنے لیے حق اجتہاد حاصل کیا تھا۔ اور ہم ڈیڑھ سو سال سے اس کا تقاضا کرتے تھے۔

مصری صحافت

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مصر کا پریس بہت ترقی یافتہ ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ مولف نے خود مرحوم کی زبانی سنا کہ جب وہ پہلی بار نحاس پاشاہ سے ملنے گئے، اور گفتگو چند خاص اہم مسائل پر ہونے والی تھی تو گمان ہوا کہ شاید ٹھیک طور پر عربی زبان میں اظہار خیال نہ کر سکیں گے۔ اس لیے ایک قادیانی مبلغ کو جو وہاں موجود تھے ترجمان کی حیثیت سے ساتھ لے گئے، مرحوم فرماتے تھے کہ چند منٹ تک گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ترجمان صاحب میری ٹھیک ٹھیک ترجمانی نہیں کر رہے ہیں اس لیے میں نے ان کو درمیان سے الگ کر دیا اور نحاس پاشاہ سے کہا کہ "بولنا میرا کام ہے سمجھنا آپ کا کام ہے جمع کو واحد، واحد کو تثنیہ اور مذکر کو مونث بولوں تو معاف فرمایئے اور مفہوم سمجھ لیجے"۔ اس کے بعد راست گفتگو بہت دیر تک ہوئی دوسرے روز نواب صاحب کو بہت تعجب ہوا کہ مصر کے اچھے اخباروں میں ان کی تصویر چھپ چکی ہے اور ایک تعارفی نوٹ لکھا گیا ہے جس کا عنوان یہ تھا "حیدرآباد کا ایک نواب جو عربی فصاحت میں گفتگو کرتا ہے" اس واقعہ سے مرحوم فرماتے تھے کہ وہاں کا پریس نہایت ترقی یافتہ ہے۔ ہر خبر بہت جلد پورے ملک میں پھیل جاتی ہے۔

منقول "قائد ملت"

غلام محمد۔ بی اے (عثمانیہ)

صفحہ ۴۹ تا ۵۰

ام المصریین

حضرت قائدِ ملت بیان فرماتے تھے کہ نحاس پاشاہ سے ملاقات کے بعد ان ہی کے ذریعہ آپ نے بیگم سعد زاغلول ام المصریین کی خدمت میں اپنا سلام کہلوایا۔ نحاس پاشا نے بطریق امانت داری قائد مرحوم کا ہدیہ پہنچاتے ہوئے ام المصریین پر ان تاثرات کا بھی اظہار فرمایا جو قائد مرحوم کی ملاقات سے آپ کے قلب و دماغ پر مرتسم ہوئے۔ ام المصریین جو سارے مصر میں اب بھی غیر معمولی اہمیت کی حامل رہی ہیں بہت متاثر ہوئیں اور بہ نفس نفیس قائد ملت سے ملاقات کی تمنا میں قبل از قبل اطلاع کے بغیر میٹروپولیٹن ہوٹل کے اس کمرہ تک تشریف لائیں جہاں قائد ملت مقیم تھے۔ سوء اتفاق سے اس وقت کمرہ خالی تھا کیوں کہ قائد ملت گھومنے کی غرض سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ بیگم سعد زاغلول اپنا کارڈ چھوڑ کر واپس ہو گئیں۔ جب شام کے وقت قائد ملت اپنی قیامگاہ لوٹے تو ہوٹل کا بیرہ پرانے قائد ملت کے قدم چومنے کے لیے آگے بڑھا۔ آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ قائد ملت جیسے مہمان مصر کی بدولت پہلی دفعہ میٹروپولیٹن ہوٹل کو ام المصریین نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا ورنہ یہ سعادت اسے عمر بھر نصیب نہ ہوتی۔ دوسرے روز قائد ملت نے ام المصریین سے بازدید کی ملاقات فرمائی۔

مصری عالم

مصر ہی کے زمانہ قیام میں قائد ملت بیان فرماتے تھے کہ ایک مصری عالم سے کسی معرب لفظ کے بارے میں رد و قدح ہوئی۔ جنھوں نے بالآخر قائد ملت کے استدلال کو

تسلیم کرکے اپنی جدید مرتبہ لغت میں اصلاح فرمائی۔

معاشی صلاح و فلاح

منا میں قیام کے دوران جب نواب صاحب نے یہ دیکھا کہ ذبح کیے ہوئے جانوروں کے ڈھیر کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں اور قربانی کا گوشت گڑھوں میں دفن کیا جا رہا ہے تو آپ نے حکومت کو مشورہ دیا کہ اس کو جدید کیمیائی طریقوں سے محفوظ کر کے برآمد کیا جائے اور اس رقم سے مسلمانوں کی معاشی صلاح و فلاح کا کام انجام پائے۔

شیریں سخن

نوٹ: حضرت قائد ملت بڑے ہنس مکھ اور زندہ دل تھے ہمیشہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی وہ مزے مزے کی باتیں کرتے تھے ان کی باتوں میں حد درجہ حلاوت تھی۔ سفر بلاد اسلامیہ کے دوران ان کی بذلہ سنجی و حاضر جوابی سے متعلق دلچسپ واقعات درج ذیل ہیں۔ (مرتب)

بلاد اسلامیہ کی سیر کے سلسلہ میں ساحل اٹلی سے گزر رہے تھے۔ مرحوم **میر الیاس** کے ایک اٹیالین دوست بھی ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ یہ جہاز ہی کی دوستی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ شام ہوتے ہی یہ شخص (قائد ملت) صرف شیروانی اتارتا ہے اور سو جاتا ہے۔ صبح اٹھتا ہے تو پھر ان ہی کپڑوں پر شیروانی پہن لیتا ہے۔ رہا نہ گیا۔ کہنے لگے "ہندوستانی واقعی بہت پیچھے (BAEK WARD) ہیں

ان کو لباس کا استعمال تک معلوم نہیں اور نہ ان کا لباس اچھا ہے۔ مرحوم نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "اچھا تم ہی بتاؤ کہ اچھے لباس کے لیے کیا شرائط ضروری ہیں"؟

اس پر وہ صاحب سٹپٹائے اور کہنے لگے: "جی آپ ہی فرمائیں"۔ مرحوم فرمانے لگے دیکھو بھئی لباس ایسا ہو۔

(۱) جس سے موسمی اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

(۲) اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں سہولت رہے اور

(۳) ساتھ ہی بھدا نہ ہو بلکہ خوش وضع ہو ــــ اس لحاظ سے دیکھو تو میری شیروانی جو گلے سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے، موسمی اثرات سے پورا پورا تحفظ کرتی ہے۔ میرا پاجامہ میرے کسی طرح بھی اٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے میں مزاحم نہیں ہوتا۔ اور میرا لباس بہ حیثیت مجموعی خوش وضع بھی ہے۔ البتہ ــــ اس میں ایک نقص ہے جو تمہارے لباس میں نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس سے انسانی جسم کی فطری تراش ظاہر نہیں ہوتی"۔ اس طنز اور حقیقت پر اٹیالین صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

میں اور میرا اللہ

ــ اسی طرح کا ایک اور لطیفہ ایران کا بھی ہے۔ مرحوم کو کسی مقام تک جانا تھا فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کرایہ کی موٹر لینی پڑی۔ موٹر ڈرائیور سے پوچھا کہ فلاں مقام تک پہنچانے کے لیے کیا لوگے؟ اس نے جیسا کہ ان لوگوں کا بالعموم طرز ہوتا ہے پوچھا "آپ کتنے ہیں؟" مرحوم کو مذاق سوجھا، فرمایا "ہم دو ہیں"۔ اس نے جواب دیا "فی کس اتنا اتنا کرایہ ہوگا، مرحوم کہنے لگے "کرایہ تو ایک ہی شخص کا دوں گا، لیکن ہم چلیں گے دونوں"

اس نے انکار کیا کہ "میں تو نہ لے جاؤں گا"۔ مرحوم نے فرمایا "میں تو ضرور جاؤں گا اور صرف اپنا ہی کرایہ دوں گا۔ ساتھی کا ایک حبہ بھی نہ دوں گا"۔ یہی انکار و اصرار چلتا رہا جب مرحوم نے دیکھا کہ اب وہ غصہ میں آچکا ہے تو ہنس کر فرمانے لگے "میاں بیوپاری میرا اللہ ہم دو ہیں۔ کیا دونوں کا کرایہ لوگے؟ میرے ساتھ کون شخص تھا جو تم نے پوچھا کہ آپ کتنے ہیں؟"۔ اس پر وہ شرمندہ ہوگیا اور اس قدر عزت و محبت کا ثبوت دیا کہ جیسے مرید ہی ہوگیا ہے۔

منقول "قائد ملت"

غلام محمد۔ بی اے (عثمانیہ)

(صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰)

قرآن مجید کا ترجمہ

مصری ہندوستانی مسلمانوں سے اس بات میں سخت اختلاف رکھتے تھے کہ ہندوستانی قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہیں۔ درآں حالیکہ اردو زبان میں اتنی سکت ہی نہیں اور نہ کسی زبان کا دوسری زبان میں حقیقی معنیٰ میں ترجمہ ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ مرحوم جامعۂ ازہر کے پرنسپل صاحب کے ہاں مدعو تھے۔ پرنسپل صاحب نے طنز سے کہا کہ ہندوستانی قرآن مجید کا بھی ترجمہ کرتے ہیں! مرحوم نے فوراً جواب دیا "ترجمہ نہیں ترجمانی کرتے ہیں۔ اور اس میں کیا قباحت ہے"۔ اس پر پرنسپل صاحب کہنے لگے "آپ نے بچا لیا"۔

منقول "قائد ملت"

غلام محمد۔ بی۔ اے (عثمانیہ)

صفحہ ۵۵

نبی

قسطنطنیہ

نوٹ:- قسطنطنیہ کے زمانۂ قیام میں نواب صاحب نے حسبِ ذیل نظم موزوں فرمائی تھی۔ "مرتب"

میزبانی جس نے کی تھی سرورِ کونین کی
تیری دیواروں کے نیچے ہے وہ تیرا میہماں
گود میں پل کر بڑا تو شاہ قسطنطین کے
تجھ میں پوشیدہ ہے بزنطینوں کی داستاں
تیری رفعت کا پتہ دیتے ہیں مینارے ترے
اور تیری مسجدیں ہیں تیری عظمت کے نشاں
وہ جزیرے جن میں آدم آ کے جنت بھول جائے
اور وہ چشمے جن پہ ہو تسنیم و کوثر کا گماں
ہاں نہ بھولیں گے نہ بھولیں گے کبھی
وہ جبالِ سبز پوش اور گلبدا ماں وادیاں

منقول "ہمارا قائد"
محمد احمد خاں
صفحہ ۱۵۳ و ۱۵۴

گولکنڈہ
سگریٹ سازی میں
ایک تاریخی نام
GOLCONDA
CIGARETTES
125
GOLCONDA
CIGARETTES
125
GOLCONDA
CIGARETTES
125
قائم شدہ ۱۹۳۰ء
دی حیدرآباد دکن سگریٹ فیکٹری
مشیرآباد۔ حیدرآباد ۲۰
فون ۸۴۸۷۷

ٹاٹا ملز کا عظیم الشان

اور

خوبصورت شوروم

الکندہ

آپ کا منتظر ہے

اعلیٰ کوالٹی، سوٹنگ، شرٹنگ، بش شرٹنگ، ٹری کاٹن
ڈریس میٹریل اور دیگر پارچہ جات
نئے نئے ڈیزائین — دل پسند رنگ

الکندہ

(ٹاٹا کی خصوصی دکان) پتھر گٹی حیدرآباد۔ فون:- ۴۳۶۷۱

خوشی اور تقاریب کے موقعہ پر

اپنی مسرتوں کو دوبالا کرنے کے لیے

ہماری خصوصی پیش کش

شادی کیک، سالگرہ کیک، اسپشل پیسٹری، بادام پیسٹری، پلم کیک
اسپنج کیک، کریم بسکٹ، ڈبل روٹی، بن، شیرمال، ڈنر رول، اسپشل توس
فروٹ توس، عثمانیہ بسکٹس، میٹھے اور نمکین ـــــ سے لطف اٹھایئے

شہر کی مشہور اور پاکیزہ بیکری

روز کمپنی

چادر گھاٹ
حیدرآباد ۲۴

فون دکان :- ۴۳۶۲۲ فون مکان :- ۵۲۷۳۹
شاخ :- ۴۵۲۸۱/۴۵۵۵۲
گرام :- "ROSECO"

صنفِ نازک کی دنیا

محمد علی بیگ کے

لباسِ نو اور

خوشنما ساریوں سے

سجائی جاتی ہے

فیشن میں پیش پیش ۔ سدا بہار رنگ ۔ دلکش ڈزائن

محمد علی بیگ چارمینار

فون مکان:- ۸۶۷۱م - فون دکان:- ۱۰۱۹م

چار مینار کے دامن میں

اُجلی ٹائیلس کی دیواریں، مرمریں فرش سے
آراستہ پاک وصاف ہوٹل

فراشا کیفے اینڈ بیکری

ہماری بیکری کے تیار کردہ
کیک، پیٹسری، بسکٹ، شیرمال، بن اور ڈبل روٹی
خوش ذائقہ، صحت بخش اور وٹامن سے بھرپور ہوتے ہیں

برسات کی کپکپا دینے والی ہواؤں میں فراشا کیفے
کی چائے جسم میں حرارت و توانائی پیدا کرتی ہے

فراشا کیفے اینڈ بیکری

چارمینار۔ حیدرآباد

سوئٹزرلینڈ کی مشہور گھڑیاں

★ اومیگا ★ رومر ★ کیمی ★ ٹائیٹس

★ فیورلوبا اور ★ ہینری سینڈوز

جاذب نظر اور وقت کی پابند گھڑیاں

ہمارے شوروم میں

آپ کو دعوتِ انتخاب دے رہی ہیں

(خریدی واچس کلاکس ٹائم پیس، میٹریل و درستگی)

داؤد واچ کمپنی

گلزار حوض۔ فون ۴۲۲۳۴

(نصف صدی کی ماہر گھڑی ساز کمپنی)

واچ ڈیلرس اینڈ ریپیررس

پلاننگ سنٹر

۱۔ اسٹیمیٹ ۲۔ تعمیری نقشہ جات

۳۔ رجسٹری نقشہ جات ۴۔ آبرسانی نقشہ جات

۵۔ تعمیر مکانات ۶۔ سروے اراضیات

وغیرہ کیلیے

ہماری خدمات حاصل کیجیے

پتہ :۔ ۲۲ - ۵ - ۲۰۳

پتّی والی گلی گلزار حوض۔ حیدرآباد اے پی ۲

پروپرائٹر:۔ عابد عسیری

شہر آفاق

۵۰۵ سنگاپوری لنگیاں (رجسٹرڈ)

505

SINGAPURI
LUNGI
MANUFACTURERS

خوش رنگ، دلکش اور نظر نواز پسندیدہ رنگوں میں ۔ مضبوط اور دیرپا۔
تیار کنندگان اور اکسپورٹرس

سراج اسٹور

لاڈ بازار ۔ حیدرآباد۔۲ ۔ فون ۵۱۱۱۶

پوسٹ بکس ۶۰۷ گرام: "لنگیا"

تازہ پھولوں کی خوشبو

مستانہ دربار اگربتی

جس کی خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی اور ساری فضا کو معطر بنا

MASTHANA DURBAR BATHI

(REGD No. 162440)

AWARDED GOLD MEDALS FAMOUS ALL OVER INDIA.

ाना दरबार बत्ती — مستانہ دربار اگربتی

پچاس کروڑ عوام کی پسندیدہ خوشبو

تیار کنندگان

میسور آئی اگربتی ورکس

پوسٹ باکس نمبر ۱۵۵۶ سکندر آباد